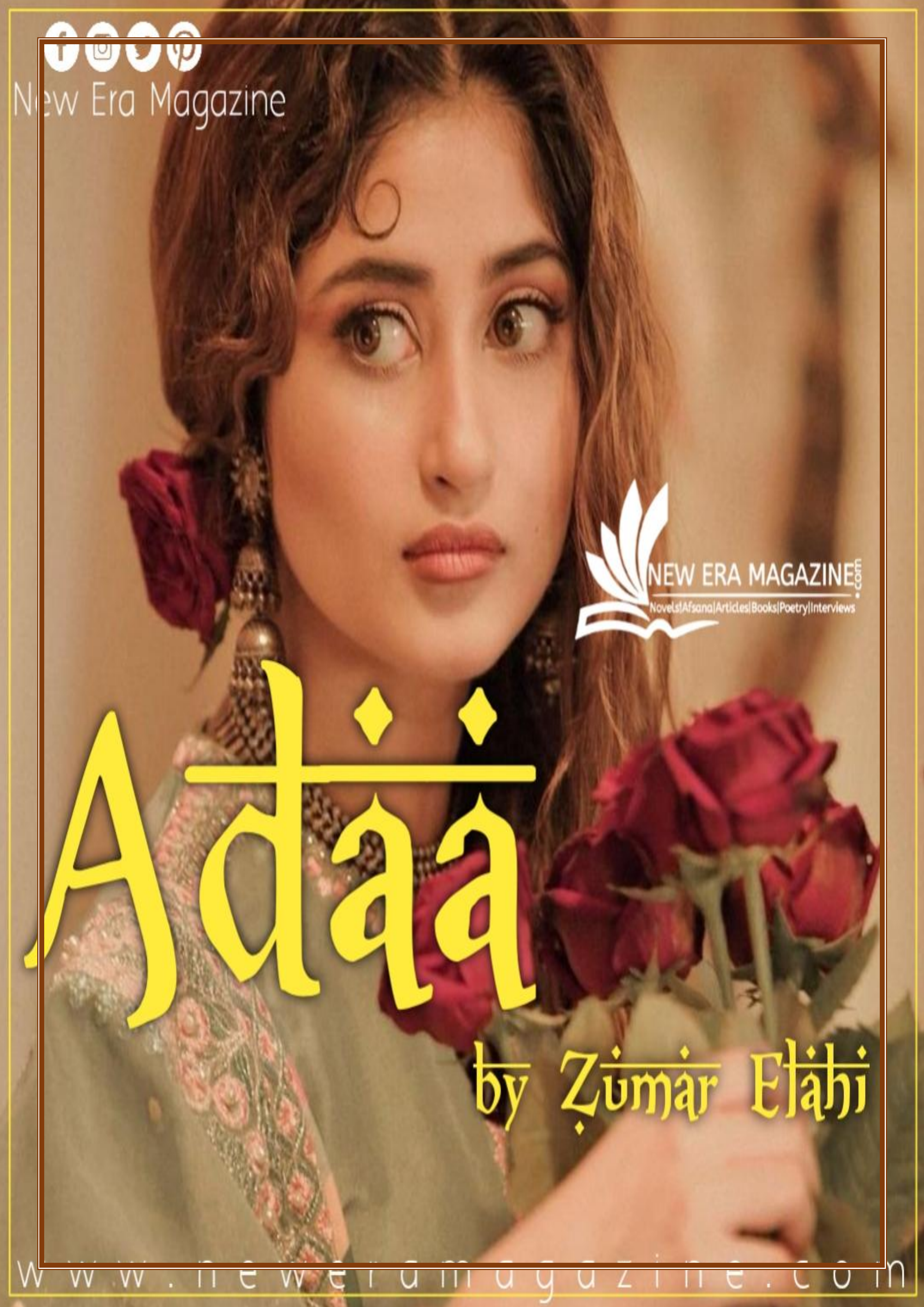
New Era Magazine
NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews
Adaa
by Zumar Elahi
www.neweramagazine.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادا

از زمر الٰہی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہماری ویب میں شائع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔ ہمیں اپنی ویب نیوایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگر آپ ہماری ویب پر اپنا ناول۔ناولٹ۔افسانہ۔کالم۔آرٹیکل۔شاعری۔پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

(انشاءاللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندر اندر ویب پر پوسٹ کر دی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیوایرا میگزین

☆☆☆☆☆

چٹاخ۔۔۔۔۔آواز تھی یا صور۔۔۔

میوزیم حال میں چلتی زندگی گویا ایک دم سے ساکت ہو گئی ہو۔کچھ دیر قبل شوروغوں غاں سے کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔اور اب ایک دم سے اتنا سناٹا کہ گرتی سوئی کی آواز بھی سُنائی دے جاتی۔

اس کی پشت پہ موجود گروہ تو سناٹے میں تھا ہی سہی تو وہ ہستی منجمند تھی۔ جس پہ یہ آفت ٹوٹی۔

مان کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔اس نے قدرِ حیرت سے اپنے سامنے کھڑی نازک سی نقاب پوش لڑکی کو دیکھا۔جسے دیکھ کربظاہر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس میں اس قدر بھی جرت ہو سکتی ہے۔کہ وہ مان آفندی جیسے نوجوان پہ ہاتھ اُٹھائے۔جس کی بے باکی سے سارا زمانہ آگاہ تھا۔وہ کوئی عام نوجوان نہیں تھا۔ جس کے غلطی کرنے پہ کوئی بھی راہ چلتا اسے ٹوک دیتا۔اس کی غلطیوں پہ اسے سزا دیتا۔وہ اس شہر کے سب سے بڑے بزنس مین اور وکیل کا بیٹا تھا۔ جس کی بائیو گرافی پڑھنے کے لوگ شائق رہتے تھے۔جس سے دوستی کرنا لڑکے لڑکیوں کے لئے باعثِ عزاز تھا۔اور جس کی شخصیت کے آگے اچھے اچھوں کی بولتی بند ہو جایا کرتی تھی۔وہ بقول اس کے دوستوں کے سحر انگیز شخصیت کا حامل شخص تھا۔جس کے آگے گھوٹنے ٹیکنے کو دوست و دشمن عزاز سمجھیں۔مگر اس لمحے وہ اس قدر حیران تھا۔کہ اسے سمجھ ہی نہ آ رہی تھی کہ

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ کیا اظہار کرے۔

اس لڑکی کی آنکھوں میں سخت غصہ اور سرد پن تھا۔اور وہ بغیر ہلے اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

آئندہ کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑے کی غلطی بھی مت کرنا۔ورنہ انجام کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔اس کے لہجے میں الفاظ سُلگ رہے تھے۔شہادت کی انگلی اُٹھا کر اس نے کہا۔تواس کے لہجے میں قابلِ غورحد تک ترش پن اور سختی تھی۔مان کا خول ٹوٹا اور ایک تیزو سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی سے اُٹھی۔غصے سے اس نے مُٹھیاں بھینچ لیں۔

یو۔۔غصے سے وہ اس کی جانب لپکا مگر اس کے دوستوں نے اسے پُشت سے تھام لیا۔مان کے لئے اپنی توہین برداشت کرنا ناممکن ہو رہا تھا۔فلک نے ایک نظرطنز سے اسے دیکھا۔مسکرائی اور پھر پُشت کی جانب مڑُ کر گروہ کو دیکھا۔ جہاں اس کی کزن مارے صدمے اور بے یقینی کے اسے دیکھ رہی تھی۔

فلک نے تارا کو دیکھا تو مسکرا کر ہونٹ دانت سے ہلکا سا دبایا۔پھر ایک آنکھ بند کر کہ کھولی اور تیزی سے باہر کی جانب بڑھی۔تھوڑی دیر بعد کیا ہونے والا کیا تھا۔اسے اندازہ تھا۔اس لئے مان پہ دوبارہ ایک نگاہِ غلط ڈالے بغیر باہر کی جانب نکل گئی۔

مان نے اسے باہر کی جانب جاتے دیکھا توبہت کچھ کرنے کی خواہش لئے وہ

بھی باہر کی جانب لپکا۔اس کے دوستوں نے اس کے پیچھے دوڑ لگائی تھی۔

تارا کا وجود مارے خوف سے کامپ رہا تھا۔اس جیسی نازک لڑکی برداشت بھی کیسے کرسکتی تھی۔اور آخر کب تک وہ فلک کے کئے پہ پردہ ڈالتی۔آج اسے خوف ہوا تھا۔ایک آنسو بہت آہستگی سے اس کی آنکھوں کی پلکوں پہ آ ٹھہرا۔وہ اس کے جنون کہ سامنے ہار رہی تھی۔اس نے گردن گھوما کر ارد گرد دیکھا۔تو اس کی تمام ہم جماعت اسے دیکھ رہی تھیں۔وہ سب اسکے اور فلک کے رشتے سے آگاہ تھیں۔فلک اور تارا بہترین دوست ہونے کے ساتھ ساتھ کزنز بھی تھیں اور ایک ہی جگہ رہتی تھیں۔تارا نے باقی سب کو باہر کی جانب جاتے دیکھا تو اس کے قدم بھی باہر کی جانب اُٹھے۔جن میں کچھ ہو جانے کا خوف نمایاں تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کچھ دیر قبل کی آزادی اور جوش ہوا ہو چکا تھا۔اور اب اس کی جگہ غصے اور بے بسی نے لے لی تھی۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔کہ وہ فلک کا سر پھاڑ دیتی یا پھر اسے کسی کنوئیں میں دھکا دے دیتی۔یا پھر خود ہی کہیں چھپ جاتی فلک کی وجہ سے پتہ نہیں کتنی ذلت برداشت کرنی پڑے گی۔سوچ سوچ کر وہ ہلکان ہو رہی تھی۔اس نازک لڑکی کے لئے کچھ بھی اس لمحے کرنا مشکل تھا۔ اس نے ایک نظر آتے جاتے لوگوں میں اس جنگجو صفت لڑکی کو تلاش کرنے کی کوشش کی اور پھر ناکامی کے بعد بس کی جانب آ گئی۔بس پارکنگ لاٹ میں

کھڑی تھی۔اور لڑکیوں کا دور دور تک نام ونشان تک نہ تھا۔اس نے گہرہ سانس لے کر ارد گرد نگاہ دوڑائی۔اسے دور سے مان اور اس کے دوست بھاگتے نظر آرہے تھے۔اس نے جلدی سے فون نکالا اور فلک کے نام سے سیو نمبر پہ ایک لمحے کو انگلی رکھ کر اُٹھائی۔کال جا رہی تھی۔اس نے موبائل کان سے لگایا اور دوسری جانب کال اُٹھائے جانے کا انتظار کرنے لگی۔لاہور شہر کی ٹریفک اس لمحے کسی ہتھوڑے کی مانند اس کی عصاب پہ لگ رہی تھی۔اور سب سے الگ اُونچے مینار کے پہلو سے سورج غروب ہو رہا تھا۔

کہاں ہو؟ شدید غصے سے ا سکا لہجہ دب رہا تھا۔فون اُٹھائے جانے پہ وہ تقریباً دھاڑی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلک میرا دل چاہ رہا ہے۔میں تمہارا قتل کر دوں۔تمہیں اندازہ بھی ہے تم نے کیا کیا ہے۔کیا ضرورت تھی تمہیں اس سائیقو پہ ہاتھ اُٹھانے۔فون کان سے لگائے وہ مسلسل بول رہی تھی۔

بس۔۔۔بس۔۔۔بس۔۔۔

مادام اتنا شدید غصہ۔۔۔صبر کیجئے پہنچ رہے ہیں ہم۔ہنستے ہوئے کہہ کر اس نے فون رکھا اور پھر اس کے کندھے پہ چٹکی کاٹ کر سامنے آئی۔تارا نے بہت غصے سے اسے دیکھا تھا۔وہ سکارف بدل چکی تھی اور اب اسکے سامنے کھڑی ہنستی اسکی حالت کا مزہ لے رہی تھی۔تارا نے اس کے ہاتھ کو جکڑا اور تقریباً گھسیٹتے

ہوئے بائیں جانب لگے کچھ درختوں کی جانب رُخ کیا۔اور وہاں پہنچتے ہی جیسے پھٹ پڑی۔

کہاں دفعان ہوئی تھی؟ کچھ اندازہ بھی ہے۔تمہاری اس حرکت سے ہمیں کتنا نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

ریلیکس۔۔۔ریلیکس تارا ڈارلنگ۔۔۔بمب پھینکنے کے بعد میرا دماغ خراب نہیں تھا کہ خود بھی وہی کھڑی رہتی۔اور اسے کس نے کہا تھا۔کہ فلک سلطان کا ہاتھ پکڑنے جیسے گستاخی کرتا۔شکر کرو ابھی ہم نے اس گستاخ کا سر قلم نہیں کروا دیا۔محترمہ کی شوخی عروج پہ تھی۔اورسکون ایساکہ مرجانے کو جی چاہے۔ تارا کا دل چاہا اپنا سر پھاڑ لے۔اس نے تقریباً اپنے بال نوچے ہی تھے۔فلک کو ہنسی تو بہت آئی مگر دانت سے نیچلا ہونٹ دبا گئی۔اس کی شہد رنگ آنکھیں اس وقت شرارت پہ آمادہ تھیں۔

کیا ضرورت تھی۔تمہیں اس پہ ہاتھ اُٹھانے کی۔اتنی معمولی بات پہ تماشا بنوا دیا۔سب لڑکیاں مجھے ایسے دیکھ رہی تھیں۔جیسے میں کوئی عادی مجرم ہوں۔اس کے کندھے پہ تھپڑ مارتے اس نے کہا تو فلک نے افسوس سے اسے دیکھا۔

بھئی میں تو اپنی توہین برداشت نہیں کرسکتی۔کوئی میری طرف ایک انگلی اُٹھائے گا میں اسکی طرف دس اُٹھاؤں اور کوئی تماشا نہیں بنا۔میں نے کیا غلط کر دیا۔ سیلف ڈیفینس ہر آزاد شہری کا حق ہے۔لفظ سیلف ڈیفینس پہ ساتھ ہی ایک آنکھ

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بھی بند کی۔

فلک۔۔۔میرا دل چاہ رہا ہے۔میں تمہاری یہ ایک آنکھ پھوڑ دوں۔تمہیں اندازہ بھی ہے۔اگر حنان بھائی ابا یا پھر چچا وغیرہ میں سے کسی کو پتہ چل گیا تو کیا ہوگا۔پہلے ہی حنان بھائی ہماری پڑھائی کے اتنا خلاف ہیں۔اور اب ہم ان سے پوچھے بغیر ٹرپ کے ساتھ آ گئے۔میں نے تم سے کہا بھی تھا۔کہ امی سے پوچھ لیتے ہیں لیکن تم۔۔۔

خود تو تم مہم جو ہو ہی مجھے بھی کسی دن مرواؤ گی۔شدید جزباتیات میں جو اس کے منہ آ رہا تھا بولتی جا رہی تھی۔فلک نے ناگواری سے اسے دیکھا اور پھر درخت سے پُشت ٹکا لی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یار تم کتنا بولتی ہو۔سانس بھی لے لیا کرو۔اس کی بڑی سی تقریر کے جواب میں ان چند الفاظ نے تارا کو مزید گرم کیا تھا۔

ہاں۔۔بہت خوب تم لوگوں کو مارتی پھیرو ان کے سر قلم کروانے کا دعوا کرو۔ اور میں بولوں بھی ناں۔

اچھا بھئی۔بولتی رہو۔بس مہربانی کر کے بار بار پتہ لگ جائے گا۔پتہ لگ جائے نہ وغیرہ مت بولو۔تمہیں تو پتہ ہے میں چھوٹے سے دل کی عام سی لڑکی ہوں مجھ سے ٹارچر برداشت نہیں ہوتا۔کہہ کر اس نے ایک بار پھر آنکھ کھول کر بند کی تو تارا محض افسوس سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

میری تم بس ایک بات ذہن میں بیٹھا لو۔اگر اس بار پکڑے گئے۔حنان بھائی کچھ کریں نہ کریں ابا ضرور ہم دونوں کو اپنے اس بڑے منہ والے کتے کے سامنے پھینکیں گے۔اور قسم لے لو مجھ سے جو اس بار میں نے تمہیں بچا لیا تو کہہ کر اس نے خالی ہاتھ دیکھایا تھا۔جس کا مطلب تھا۔کہ اب کی بار مجھ سے کوئی اُمید مت رکھنا۔فلک نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور آگے کو ذرا جھکی ساتھ ہی درخت سے پُشت بھی چھوڑی۔

اگر ایسا کوئی موقع آیا بھی تو فلک نہیں مانے گی۔باقی تم اپنا حساب دیکھ لینا۔اس کا مطلب کیا تھا۔تارا نے خوب سمجھ لیا تھا۔اور اس کا عتماد دیکھ کر تارا دل میں داد دئے بغیر نہیں رہ سکی۔مگر اسکا برملا اظہار کرنا اپنے پاؤں پہ کلہاڑی مارے کے مصدق تھا۔فلک نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور پھر بس میں بیٹھتی لڑکیوں کو دیکھ کر خود بھی اس جانب چل دی۔

اے۔۔۔تم میرے ساتھ یہ نہیں کرسکتی۔تارا پیچھے سے چیختی اس کی طرف دوڑی۔فلک نے ہنس کر سر جھٹکا مگر مڑ کر اس کی جانب نہیں دیکھا۔وہ دونوں کبھی ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گی۔یہ کا ایک دوسرے سے کیا گیا ان کا وعدہ تھا۔اور کوئی دوسری بات ان دونوں ہی کے لئے غیر اہم تھی۔

لڑکیاں آئیں بس بھری اور چل پڑی اور اس سارے عرصے میں مان اور اس کے ساتھی بس جوتے گھسیٹنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکے۔بس کے سامنے کھڑا

مان اس لڑکی کو تلاش کر رہا تھا۔جو بس کی آخری کھڑکی سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

خیر۔۔۔یہ مان تارا اور فلک کا پہلا ٹاکراہ تھا۔اور یہ تو قدرت کا اُصول ہے۔کہ کبھی بھی کوئی شخص بغیر کسی وجہ کے ملا نہیں کرتے۔اب ان کی زندگی میں آگے کیا ہونے والا تھا۔اس سے وہ تین لوگ شاید آگاہ نہ تھے۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

جو خوشی لاہور جان کے وقت موجود تھی۔وہ اس وقت ناپید تھی۔مردان آتے ہی کل ہونے والے ٹیسٹ نے ان دونوں کو بُھلا دیا۔اور پھر وہ میوزیم حال کے واقع کو بھول کر پڑھائی میں لگ جانا چاہتی تھیں جب اُنہیں گھر سے کال موصول ہوئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شام کا وقت تھا اور تارا بغیر لباس بدلے کمر سیدھی کرنے کو ابھی پلنگ پہ لیٹی ہی تھی۔

تارا سونا مت کل اہم ٹیسٹ ہے۔جس کی ریپورٹ گھر جائے گی۔اس لئے دھیان سے پڑھ لو۔بال باندھتے شیشے کے سامنے کھڑی فلک نے اسے کہا۔تو جواب میں اس نے سر ہلا کر کروٹ بدل لی۔فلک افسوس سے اسے دیکھ کر باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔

اس کی واپسی دس منٹ بعد ہوئی تھی۔وہ غلابی رنگ کھولے ٹراؤزر پہ بے ڈول

سی سفید ٹی شرٹ میں تھی۔اور اس نے اپنے کافی رنگ بالوں کو ایک جوڑے کی شکل دے رکھی تھی۔اس نے تین ہفتے قبل ہی بالوں کو یہ رنگ دیا تھا۔

کمرے میں چھوٹا بلب روشن تھا۔اور کمرے کی پُر سکون فضا میں تارا کے خراٹے کسی بے سُری موٹر کی طرح معلوم ہوتے تھے۔اس نے افسوس سے اس سوتے ہاتھی کو دیکھا۔اور پھر شیشے میں اپنا عکس آخری بار دیکھ کر اس نے ابھی میڈیکل کی پہلی کتاب کو ہاتھ لگایا ہی تھا۔جب پلنگ پہ پڑا فون چیخا۔

اس مداخلت نے اسے خاصا بد مزہ کیا تھا۔

یہ دنیا چاہتی ہی نہیں کہ میں پڑھوں۔افسوس سے سر ہلا کر اس نے آگے بڑھ کر پہلے کمرے کا بڑا بلب روشن کیا۔اور پھر تکیئے کے قریب اُلٹے پڑے فون کو اُٹھایا۔جہاں امی جان کا نام روشن تھا۔فلک نے نیچلا ہونٹ دبا کر قدرِ شرمندگی سے فون کان کو گیا اور ساتھ ہی آنکھیں ملتی تارا کو اُٹھ کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ یقیناً وہ فون کی آواز سے جاگی تھی۔فلک کے اشارے پہ سر ہلا کر پوچھا کہ کون ہے۔اور پھر اس کے سلام امی سلطان کہنے پہ جھٹ سیدھی ہو بیٹھی۔

یعنی۔۔۔یعنی بات پہنچ گئی۔جو پہلا خیال اس لمحے تارا کے ذہن میں آیا وہ یہی تھا۔کہ ان کے آج کے کارنامے کی خبر گھر پہنچ چکی ہے۔اور اب گھر والے یقیناً اس کا انعام دینے کے لئے بلا رہے ہیں۔یہ سب سوچتے ہی تارا کے دانت بجنے لگے تھے۔جبکہ دوسری طرف فلک کہہ رہی تھی۔

لیکن امی سلطان صبح تو ہمارا ٹیسٹ ہے۔۔اور اس طرح سے ایک دم سے آنا۔گھر پہ سب ٹھیک ہیں؟

آپ کے بابا صاب(صاحب) کا حکم ہے۔کہ رات کا کھانا آپ دونوں ملتان میں کھائیں۔

ہم صبح ڈرائیور بھیج دیں گے۔آپ سامان تیار رکھئے۔ہو سکتا ہے۔زیادہ دن رُکنا پڑے کچھ بھی بتائے بغیر امی سلطان نے محض حکم سنا کر فون رکھ دیا تھا۔فلک جھلا کر رہ گئی۔

اب ڈاکٹر بننا آسان ہے۔کہ جب دل چاہا منہ اُٹھا کر گھر چل پڑو نہ کسی کو بتاؤ نہ پوچھو۔منہ بنا کر اس نے محض اتنا کہہ کر فون رکھا۔اور تکیہ درست کر کے لیٹنے والی تھی۔جب تارا بولی۔فلک نے مڑ کر اسے دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا کہہ رہی تھیں چچی جان؟

کہہ رہی ہیں۔کہ صبح وہ گاڑی بھیج رہی ہیں۔رات کا کھانا تم اور میں ملتان میں کھائیں۔لیٹتے اس نے کہا۔اور ساتھ ہی لمبی سی انگڑائی لی۔اگرچہ ڈاکٹر بننا اس کا جنون تھا۔مگر اس وقت سارے لاہور شہر کی خاک چھاننے کے بعد اس کی لمبی تان کر سونے کے سوا اور کوئی خواہش نہ تھی۔

کہیں فلک گھر والوں نے ہمیں لاہور میں دیکھ تو نہیں لیا؟

حنان بھائی۔۔۔؟؟

بابا۔۔؟

یا چچا جان نے؟

فلک نے بہت تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

بی بی نہیں دیکھا ہوگا۔لاہور وہ بغیر کسی کام کے نہیں آتے۔اب میرا سر مت کھاؤاور سو جاؤ۔شکر کرو تمہاری ٹیسٹ سے جان چھوٹی۔خاصا جنجھلا کر اس نے کہا۔مگر تارا نے نظر انداز کیا۔

اچھا اگر حنان بھائی نہیں۔تو عبداللہ کا تو پکا ہے۔عین ممکن ہے۔اس نے دیکھ لیا ہو۔دونوں ہاتھوں کو مسلتے اس نے ایک نیا رُخ دیکھایا۔تو فلک جو لیٹی تھی۔اُٹھ بیٹھی۔۔۔تارا نے اسے کہاں سونے دینا تھا۔

دیکھو تارا۔۔۔فلک نے بہت تحمل سے چونکڑی مارتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

اگر گھر میں سے کسی کو پتہ چلتا تو سب سے پہلا فون ہمیں بڑی امی کا آتا جو ہم دونوں کو ٹانگیں تڑوا دینے کی دھمکی دیتیں۔دوسرا فون امی سلطان کا ہوتا۔جو کہتیں کہ میں نے انکو خاندان کے سامنے شرمندہ کروادیا ہے۔اور خُدا کبھی مجھے اسکے لئے معاف نہیں کرے گا۔چوتھا فون ہوتا حنان فنان کا۔جو ڈائریکٹ اس بات پہ آتا کہ میں نے تو بڑے ابا سے کہا تھا۔کہ نہ بھیجیں ان بے وقوف

لڑکیوں کو اتنی دور۔اب جو ہوا ہے۔اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟سامان باندھو میں آ رہا ہوں۔نبٹتا ہوں تم دونوں سے تو میں۔جیسا کہ وہ ہمیشہ ابا بننے کی کوشش کرتا ہے۔سو اب بھی وہی کرتا۔اس نے کمال اداکاری کرتے۔سب گھر والوں کے الفاظ کہے تھے۔تارا مسکرا دی۔اسے یقین تھا۔کہ وہ سب یہی کہتے۔

اور چچا اور ابا وہ کیا کہتے؟

وہ۔۔۔

وہ خود کب کچھ کہتے ہیں۔ہمیشہ ہماری امیوں کو ہی آگے رکھتے ہیں۔جیسے ابھی خود مجھے فون کرنے کی بجائے امی سلطان کو حکم دے دیا۔کہ ہمیں وہ بتائیں کہ صبح ہمیں ہر صورت ملتان پہنچنا ہے۔فلک کو اپنے ابا سے ہمیشہ یہی شکایت رہتی تھی کہ وہ کبھی بھی کھل کر پیار کا اظہار نہیں کرتے۔ہمیشہ دور دور سے ہی بس پیار جتایا۔

ہاں تو میرے ابا تو جیسے اس کام میں بہت ماہر ہیں ناں۔تارا نے منہ بگاڑا تھا۔

ہائے۔۔۔تارو بڑے ابا تو بہت اچھے انسان ہیں۔اسے ان کا اس کا خیال رکھنا۔ فلک سے خاص طور پہ پیار جتانا سب یاد تھا۔اور انھی کی محبت کا تو نتیجہ تھا کہ وہ اور تارا گھر سے اتنی دور مردان کے میڈیکل کالج باچا خان میں زیرِ تعلیم تھیں۔ورنہ حنان نے تو پُر زور کوشش کی تھی۔اُنہیں ان کے فیصلے سے روکنے کی۔یہاں تک کہ اس کے اپنے ابا نے بھی کہہ دیا تھا۔کہ فلک کے مرادن

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جانے کا سوچیں گے۔جس کا مطلب انکار تھا۔مگر جب فلک نے روتے ہوئے بڑے ابا سے کہا۔کہ وہ میڈیکل پڑھنا چاہتی ہے۔تو اُنہوں نے فوراً اجازت دے دی تھی۔

اچھا ویسے فلک ایک بات تو بتاؤ۔وہ اب لیٹ چکی تھی۔اور لحاف کو سینے تک تان رکھا تھا۔

تم ہمیشہ حنان بھائی کو حنان کیوں بولتی ہو۔گھر کے سب بچے ہمیشہ سے حنان بھائی کو حنان بھائی ہی بولتے آئے ہیں۔مگر تم نے کبھی نہیں بولا۔کیوں؟

کیونکہ۔۔۔فلک نے شرارت سے اسکی جانب کروٹ لیتے قدرِ جھک کر کہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیونکہ وہ میرا بھائی نہیں ہے۔جب میرا کوئی بھائی نہیں تو میں خامخواہ لوگوں کو بھائی بنانے کا شوق نہیں رکھتی۔

ہاں لیکن پھر بھی۔۔۔

ہمارا بھی تو کوئی بھائی نہیں ہے۔ہم بھی تو حنان بھائی کو بھائی بولتے ہیں۔

تو تم لوگوں کی مرضی ہے۔جو مرضی بولو۔بھائی چھوڑ کر میری طرف سے لنگور بولو۔مجھے کیا عتراض۔شانے اچکاتے اس نے کمال بے پروائی سے کہا تو تارا اسے دیکھ کر رہ گئی۔اس گھر میں اگر حنان کے لئے کوئی لنگور جیسے الفاظ استعمال کرنے کی جرت کرسکتا تھا۔تو وہ صرف فلک تھی۔اور ویسے بھی میں عبد اللہ کو

بھی تو بھائی نہیں بولتی اس کا تو تم نے نہیں پوچھا۔اس کی آنکھوں میں جھانکتے اس نے ایک اہم نکتا اُٹھایا تو تارا نے جزبز ہو کر آنکھوں کا رُخ بدل لیا۔

میں نے تو ویسے پوچھا تھا۔اب تم بات کو کہاں لے جار ہی ہو۔خیر سوتے ہیں کہہ کر اس نے لحاف سر تک کھینچا تو فلک نے مسکرا کر سر جھٹکا اور بتی بھوجاتی آنکھیں موند گئی۔

بھاگم بھاگ دونوں نے چند ضروری چیزوں کو اپنے اپنے بیگوں میں رکھا۔اور ابھی وہ ناشتے کی غرض سے ڈائینگ حال میں داخل ہوئی ہی تھیں۔جب ہوسٹل کی ملازمہ نے آکر بتایا کہ ان کا ڈرائیور آچکا ہے۔اور وارڈن بلار ہی ہیں۔فلک اور تارا نے ایک دوسرے کو دیکھااور پھر سامنے پڑی ناشتے کی پلیٹ کو دھکیل کر اُٹھ گئیں۔

ہوسٹل میں اگر سب سے زیادہ رائیت تھی۔تو وہ صرف یہ دو تھیں۔ورنہ ہفتے سے پہلے گھر جانا منع تھا۔ورڈن ان کے اسرورسوخ کی وجہ سے خاموش رہتی تھی۔ورنہ اگر اس کا بس چلتا تو وہ ان دونوں کو ہفتے کو بھی نہ جانے دیتی۔اس نے ان دونوں ملتانی لڑکیوں کو آتے دیکھا۔تو وہ جو فون کان سے لگائے کسی سے بات کر رہی تھی۔جلدی فون کرنے کا کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔فلک اور تارا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وارڈن نے اب ہم سے کیا کہنا ہے۔

درائیور لینے آیا پتہ تو ہوگا تم لوگوں کو۔۔کہہ کر اس نے ان دونوں کو دیکھا تو دونوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

آج تو چلی جاؤ۔مگر آنے سے پہلے گھر والوں کو بتا دینا۔کہ پڑھائی کا نقصان ہوتا ہے۔اس لئے ہم صرف ہفتے کو ہی آ سکتی ہیں۔

سمجھی۔۔۔انداز ایسا گویا حکم دیا جا رہا ہو۔دونوں نے سر ہلا دیا۔

چلو اب جاؤ۔دونوں نے اگلے حکم کے جواب میں خُدا حافظ کہا اور باہر نکل آئیں۔ڈرائیور ان کا سامان ڈگی میں رکھ چکا تھا۔اور اب ہاتھ باندھے ان دونوں کا منتظر تھا۔دونوں کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی چلا دی۔

ملتان کی زندگی ان دونوں کے لئے ہمیشہ مثالی رہی تھی۔وہاں کھیلنا کودنا۔چھپ کر پائیں باغ میں جھولے لینا۔بہار کے آغاز میں حویلی کی چھت پہ دوستوں اور کزنز کے ساتھ مل کر پارٹی کرنا اور بہار کی آمد کے گیت گانا۔بے فکری اور ایک حد میں رہتے انہیں مکمل آزادی دی گئی تھی۔جس سے کچھ روز قبل تک کبھی اُنھوں نے ناجائز فائدہ نہیں اُٹھایا۔لمبی سڑک کا اختتام آخر ایک وسیع بھورے گیٹ پہ ہوا۔جس کے پار بیٹھے گارڈ نے پہلے ہارن پہ ہی گیٹ کے دونوں پٹ وا کر دئے۔اور سیاہ کار سرخ روش پہ پھسلتی گیراج میں جا رکی۔

کار کے رُکتے ہی دونوں نے سکون کا سانس لیا۔اور تھکے ماندے جسموں کو گھسیٹتے باہر نکل آئیں۔

ویران باغیچے اور خاموش ستون۔۔۔اس لمحے حویلی کسی بیوہ کے سے حال میں تھی۔چار سو سناٹا اور گہری خاموشی۔ان دونوں کی نظر ایک ساتھ ان آٹھ ستونوں سے ٹکرائی جس کی منڈھیر کے کنارے چڑیہ کے بچے سو رہے تھے۔وہ آج بھی وہیں تھے۔

ویران دلان سے گزرتے دونوں نے ایک دوسرے کو ہاتھ ہلا کر خُدا حافظ بولا اور اپنے اپنے حصے کی جانب بڑھ گئیں۔جہاں کے مرد حضرات دفاتر جبکہ خواتین سونے میں مصروف تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بہروز خان کی حویلی ساٹھ سال بعد بھی اسی شان کے ساتھ کھڑی تھی۔جیسے کہ ابھی تعمیر کے مراحل سے گزری ہو۔باغیچے کی صفائی ستھرائی سے لے کر گھاس پھوس تک کا خیال رکھا جاتا تھا۔اور خواتین اپنی نگرانی میں ملازمین سے تمام کام کرواتی تھیں۔غرض یہ کہ حویلی کی ہر چیز میں ایک ترتیب تھی۔

حویلی کو ساٹھ سال قبل بہروز خان کے بابا سلطان امجد نے خود اپنی نگرانی میں اپنی آنے والی نسلوں کے لئے بہت ارمانوں سے بنوائی تھی۔پاکستان بننے کے وقت لاکھوں خاندان تباہ ہوئے جن میں ایک خاندان پردادا سلطان امجد کا بھی تھا۔اگرچہ ان کے والد پہلے پہل کانگرس کے ہم خیال تھے۔مگر بعدازاں جب

اُنہیں ہندئیوں کی حقیقت کا علم ہوا۔تب تک پاکستان وجود میں آ چکا تھا اور بربادی تیزی سے ان کے خاندان کی جانب سفر کر رہی تھی۔پاکستان جانے والے ان کے تمام رشتے دار کسی نہ کسی طرح پاکستان پہنچ ہی گئے بس سلطان امجد کے بابا نے دیر کر دی۔اور آخر میں ستائیس اگست کی ایک شام سفر کے دوران مارے گئے۔سلطان امجد کی والدہ اور تین بڑے بہن بھائی ہجرت کے دوران زہریلے پانی کے پینے سے مارے گئے۔یوں چھوٹے سلطان امجد کو ان کی امی بی(مازمہ) جیسے تیسے پاکستان ان کے نانا کے پاس لے آئیں۔جو تقسیم ہند کے وقت مسلمان اکثریتی علاقے میں رہتے تھے۔ان کے نانا نے اکلوتی بیٹی کی بچی آخری اولاد کو سینے سے لگایا۔اور اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی کثر نہ چھوڑ رکھی۔آخر پردادا سلطان امجد کے ایم اے کرنے کے بعد ان کی شادی اپنے بھائی کے بیٹے سے کروا کر نانا مالکِ حقیقی سے جا ملے۔پردادا نے اپنے نانا کی وفات کے بعد حویلی ملتان میں بنوائی اور دادا اپنے بابا کی اکلوتی اولاد تھے۔دادا بہروز کیے آگے چار بچے تھے۔اور اُنہوں نے بعد میں حویلی کو مزید وسیع کروا کراس کے چار حصے اپنے چاروں بچوں کے لئے مختص کر دیئے۔

حویلی کا سامنے کا حصہ بڑے ابا یعنی مظفر بہروز اور سلطان بہروز کا ہے۔دائیں اور بائیں جانب دو دروازے بنائے گئے۔دائیں جانب کا دروازہ مظفر بہروز کے حصے کی جانب جاتا ہے۔جبکہ بائیں جانب کا دروازہ سلطان بہروز کے گھر کا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مظفر بہروز اور بتول بیگم کی تین اولادیں ہیں۔اور تین کی تین بیٹیاں۔بڑی آپی سدرہ جو کہ ایف اے کے بعد آگے پڑھائی کی اجازت نہ ملنے پہ گھر کی ہو رہیں۔آج کل ان کے لئے زورو شور سے رشتے تلاش کئے جا رہے ہیں۔

دوسرے نمبر پہ مہرین تارا جو مردان میں باچا خان میڈیکل کالج میں زیرِ تعلیم ہے۔اور آخری سال میں ہے۔ڈاکٹر بن کر اپنے خاندان کا نام روشن کرنے والی ہے۔اگرچہ اسے داکٹری مں خاص دلچسپی نہیں۔مگر فلک کی ضد پہ اس نے بھی داخلہ لے لیا۔تیسری اور آخری اولاد ان کی زنیرہ ہے۔جو آج کل بی اے کے امتحانات سے فارغ ہوئی ہے۔اور گھرداری اور رسالوں کو پڑھنے میں اول آنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔مگر کامیابی فل وقت رسالوں تک ہی محدود ہے۔

ان کے پہیلو کے پوشن میں فلک سلطان اپنے بابا سلطان بہروز اور امی زہرہ کے ساتھ رہتی ہے۔سلطان بہروز کا نام ان کے بابا بہروز خان نے اپنے بابا سلطان امجد کے نام پہ رکھا تھا۔

فلک بھی تارا کی طرح میڈیکل کالج میں زیرِ تعلیم ہے۔اور آخری سال میں ہے۔اسے ڈاکٹر بننے کا جنون ہے۔خیر جنون تو اور بھی بہت سی چیزوں کا ہے۔مگر فل وقت ان کی ساری توجہ ڈاکٹری پہ ہی مرکوز ہے۔مستقبل میں کیا کریں گی۔کچھ نہیں کہا جا سکتا۔اب ذرا پیچھے والوں کی طرف چلیں تو دیکھیں گے۔کہ

حویلی کا پیچلا حصہ بالکل حویلی کے اگلے حصے جیسا ہے۔پیچلی طرف فیضان چچا

اپنے دو بیٹوں اور بیگم یاسمین کے ساتھ رہتے ہیں۔خاندان میں چچا فیضان ہی ہیں جن کے دو بیٹے ہیں۔سو دونوں ہی سارے خاندان کی آنکھوں کا تارا ہیں۔

چچا فیضان کے بڑے بیٹے حنان ہیں۔جو کہ بی اے کے بعد آگے نہ چل سکے۔حنان بھائی بڑی بڑی مونچھوں کے مالک ہر وقت خاموش رہ کر سامنے والے کے صبر کا متحان لینے والی شخصیت ہیں۔اپنے سے چھوٹوں پہ ہر وقت غصہ کرنا اور کنڑول رکھنا۔ان کا پسندیدہ پیشہ ہے۔اس کے علاوہ محترم زمینوں کا کام بھی دیکھتے ہیں۔حنان بھائی سے چھوٹا عبداللہ ہے۔جو کہ ایم بی اے کے دوسرے سال میں ہے۔انتہا کا باتونی اور شوخ مزاج۔غرض یہ کہ اپنے بڑے بھائی سے بالکل اُلٹ۔عبداللہ اسلام آباد میں فلیٹ میں رہتا ہے۔اور وہیں کی یونیورسٹی میں ایم بی اے کر رہا ہے۔

ان کے پہیلو کا پورشن سال مں بس دو ماہ کے لئے آباد ہوتا ہے۔جہاں رہمشہ پھوپو اپنے تین بچوں کے ساتھ پنڈی سے آ کر رہتی ہیں۔ان کا چکر سال کے اختتام میں ہی لگتا ہے۔ان کے شوہر پھوپھا اکبر پولیس میں ہیں۔اور پنڈی جیل کے سپرڈینٹ ہوتے ہیں۔

ان کی تین بیٹیاں ہیں۔بڑی بیٹی مومنہ سترہ سال کی ہے۔اور ابھی ابھی کالج میں داخل ہوئی ہے۔اس کے بعد کنزہ ہے۔جوکہ سولہ سال کی ہے۔اور میٹرک میں ہے۔آخر میں شفاء ہے۔جو کہ آٹھویں جماعت میں ہے۔پھوپو ریمشہ خاصی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

محبت کرنے والی بچوں بڑوں کی آنکھوں کا تارا سمجھی جاتی ہیں۔اور خاصی شوخ مزاج اور چنچل تعبیت کی مالک ہستی ہیں۔

گھر پہنچتے ہی دونوں نے لمبی تان کر سونے کی۔ملنا ملانا بھی تبھی ہوتا۔جو اگر کوئی نظر آتا۔سب گھر والے غائب تھے۔حیرت کی بات تھی۔کہ آج گھر میں خواتین گھر پہ آرام کرنے کی بجائے کسی مہم پہ نکلی تھیں۔

فلک نے کمرے میں جاتے ہی بیگ دیوار گیر واڈروب کے قریب رکھا۔اور اے سی چلاتے لیٹ گئی۔اسے تو لگا تھا۔کہ گھر پہ سب بہت بے صبری سے ان دونوں کہ منتظر ہوں گے۔مگر یہاں تو سین ہی کچھ اور تھا۔نہ چرند نہ پرند۔اس نے اس ساری صورتِ حال کے بارے میں زیادہ سے زیادہ دس منٹ سوچا اور پھر ٹھیک دس منٹ بعد وہ گھوڑے گدھے بیچے سو رہی تھی۔

یہی حال تارا کا تھا۔تارا ویسے بھی لمبے سفر کے بعد ڈھیر ہو جایا کرتی تھی۔

اس نے باورچی خانے میں کام کرتی ملازہ سے سب کے بارے میں پوچھا تو وہ انجان تھی۔وہ شانے اچکا کر کمرے میں چلی گئی۔۔۔

سامان ملازمہ نے اس کے کمرے کے باہر رکھ دیا تھا۔کہ اس نے تنگ کرنے سے منع کر دیا تھا۔

سورج آسمان پہ آہستہ آہستہ رستہ بناتا مغرب کی جانب ڈوب رہا تھا۔سنہری دھوپ ڈھل چکی۔سائے لمبے ہوئے۔حویلی کے افراد بھی لوٹنے لگے۔اور حویلی کی رونک بھال ہونے لگی۔

فلک نے شام چھے بجے آنکھیں مسلتے اُٹھ کر ایک لمبی انگڑائی لے کر تکئے کے قریب پڑے اے سی کے ریموٹ کو اُٹھا کر اے سی بند کیا۔اور بیڈ سے اُتر کر جوتا پہنتی پاؤں گھسیٹتی دیوار گیر واڈرب کی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔اس کا سامان بیگ میں ہی تھا۔اس نے منہ بنا کر منہ میں چند ایک جملے ملازمہ کو ہڈحرامی پہ کہے۔اور بیگ سے ہلکے فیروزی رنگ ٹراؤزر کو لئے باتھ روم میں گھس گئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کی واپسی ٹھیک دس منٹ بعد ہوئی۔کمرے میں اندھیرا کچھ اور بڑھ چکا تھا۔کیونکہ کمرے کی بتیاں ابھی بھی گل تھیں۔اور کھڑکیوں کے سامنے پڑے پردے کمرے میں اندھیرے کے ساتھ ساتھ حبس کی وجہ بھی بن رہے تھے۔

اس نے شیشے کے سامنے کھڑے ہونے سے قبل اور کوفی رنگ پشت تک آتے لمبے بالوں کو سیدھے کرنے سے بھی پہلے کھڑکیوں کے پٹ وا کر دئے۔اور تازہ ہوا کو اندر آنے کا رستہ دیا۔

نیلگوں آسمان پہ پرندے اُڑ رہے تھے۔اور گھروں کی واپسی کا رستہ دیکھ رہے تھے۔

بھولے بھٹکے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے۔

فلک نے مسکرا کر آسمان کو دیکھا۔کیا خوبصورت نظارہ تھا۔

مغرب کی جانب سے سورج کی ابھی بھی کچھ نارنجی کرنیں باہر جھانک رہی تھیں۔یوں جیسے دن بھر کام کے بعد سورج کی پریاں اب آرام کرنے جا رہی ہوں۔اور بادلوں کی بگھیوں میں سوار ہو چکی ہوں۔اور اب بس ان کی نارنجی دھول باقی بچی ہو۔وہ کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گئی۔

شیشے کے سامنے کھڑے ہوتے اس کے چہرے پہ مسکراہٹ نے رقص کیا۔اور اگلے ہی لمحے۔وہ تھی اور اس کا پاگل پن۔

کمرے کی تنہائی میں وہ اکثر ایسے کام کرتی تھی۔جو اگر گھر میں سے کوئی سنجیدہ شخص اسے کرتے دیکھ لیتا تو شائد اس کے پاگل پن پہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتا۔

دائیں ٹانگ کو اُٹھاتے۔۔۔اور بائیں پاؤں پہ گھومتے وہ بلند آواز میں کچھ گا رہی تھی۔کوئی انگریزی گانا۔جس کی دھن بھی وہ منہ سے بجاتی تھی۔اور گیت کے بول بھی گُنگناتی تھی۔

Hi there! Would you

be happy if you knew

That there is someone there

Who doesn't care

If all your clothes are new?

Hey there! You might be a thousand miles apart,

Well you can have a house,

A boat, a spouse,

It matters who you are.

I live with no regrets,

But elephants never forget,

I'm colouring a life

That's turning bright.

I live with no regrets,

But elephants never forget,

I'm following a sign,

‘the road is fine'.

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

Maybe, you're gonna think that I'm a fool,

But every day I run

And have some fun

Out living by my rules...

دائیں بائیں پوؤں پہ گھومتے ہاتھوں کو فضا میں بلند کر کے منہ سے نکالی گئی۔ہر دھن پہ جھومتے وہ اس وقت چودرہ پندرہ سالہ بچی لگ رہی تھی۔جسے کوئی فکر ہو نہ فاقہ۔

وہ ایسی ہی تھی۔زندگی کے ہر ہر لمحے کو جینے والی۔گانے کے تقریباً ادھے بول گانے کے بعد وہ پیٹ پکڑے بیٹھ گئی۔اور با آواز بلند ہنسنے لگی۔اس کا سانس دھکنی کی مانند چل رہا تھا۔اور قہقہے یوں کمرے کی فضا میں گونج رہے تھے۔جیسے ویران جنگل میں ہرن کلانچیں بھر رہا ہو۔

وہ ہنس رہی تھی۔تنہائی میں بیٹھی تھی۔اور اپنے آپ کو جی رہی تھی۔

زندگی اس کے اردگرد دائرے میں گھوم رہی تھی۔اور ہر دھن پہ محوِرقص تھی۔بہت سارا ہنسنے اور گانے کہ بعد جب اسے احساس ہوا کہ ابھی اسے گھر والوں سے بھی ملنا ہے۔تو وہ ہنستی فرش سے اُٹھ گئی۔بہت سا ہنسنے سے اس کی آنکھوں سے موتی بہہ نکلے تھے۔اس نے اُنہیں پوروں سے چُنا۔اور ایک بار

اچھے طریقے سے بالوں میں برش پھیرنے کے بعد وہ کمرے سے نکل گئی۔

بہت سارا ہنسنے سے اس کے گال سرخ ہو چکے تھے۔

اس کے کمرے کے سامنے گیلری تھی۔اور گیلری سے بائیں ہاتھ نیچے کو جانے والی سیڑھیاں اُترتے اس نے دونوں گالوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔

وہ نیچے اُتر رہی تھی۔جب بیگم سلطان نے باورچی خانے سے نکلتے ملازمہ کو دودھ کا خیال رکھنے کا حکم دیتے فلک کو دیکھا۔

فلک مسکرا دی۔تو وہ بھی مسکرائیں۔اور اس کی طرف بڑھیں۔فلک سیڑھیوں سے اُترتی ان کے کندھے سے جا لگی۔

آپ کہاں گئی تھیں امی سلطان؟

میں نے تو سوچا تھا کہ آپ میری منتظر ہوں گیں۔اور میرے استقبال کے لے سارا خاندان جمع ہوگا۔ہنستے ہوئے کہتے وہ ان سے الگ ہوئی۔وہ بھی اسکی بات پہ مسکرا رہی تھیں۔فلک نے تعجب سے اسکی بے تکی بات پہ مسکراتے دیکھا۔مگر پھر اگنور کیا۔وہ ہمیشہ اسکے بے تکا بولنے پہ ڈانٹ دیا کرتی تھیں۔مگر آج ایسا نہیں ہوا تھا۔وجہ پہ اس نے غور کرنا ضروری نہیں سمجھا۔اورانکو بازوؤں کے ہالے میں لئے صوفے کی جانب بڑھ گئی۔

سوری بیٹا۔میں اور بھابی بیگم مارکٹ چلے گئے تھے۔آپ کی پھوپھو بھی ساتھ

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھیں۔شاپنگ کرتے ٹائم لگ گیا۔

بیٹھتے وہ کہہ رہی تھیں۔فلک نے ان کے کندھے سے سر ہٹاتے ذرا تعجب سے ایک ابرو اُٹھا کر اُنہیں دیکھا۔تو وہ ہنس دیں۔

خیر ہے والدہ؟

کیوں؟مسکراتے اُنہوں نے اسی کے انداز میں پوچھا۔اور پھر اسکے ماتھے کا بوسہ لیا۔تو فلک ہنس دی۔

امی سلطان۔۔۔خیر ہے ناں؟سارا خاندان جمع ہو رہا ہے۔آپ بار بار میرا ماتھا چوم رہی ہیں۔کہیں میرا کوئی رشتہ تو نہیں آ گیا۔۔۔؟

کون ہے؟کس نے یہ جرات کی؟ہم اس گُستاخ کا سر قلم کروا دیں گے۔ہاتھ اُٹھاتے کمال اداکاری کرتے وہ کہہ رہی تھی۔

امی سلطان نے پہلے اسے گھور کر دیکھا۔اور پھر اسے کان سے پکڑ کر اوقات میں رہنے کا حکم دیا۔تو وہ ہائے کرتی عزت کے لبادے میں لوٹ آئی۔

ایسا کچھ نہیں ہے۔آپ کی پھوپھو آئی ہیں۔بس اس لئے اپ کے بابا صاحب نے ایک دعوت کا سوچا تھا۔جواب رات میں آپ کے بڑے ابا کی طرف ہو رہی ہے۔اس کی ساری غلطی فہمی یا خوش فہمی پہ بہت نرمی سے پانی کی بالٹی ڈالتی اُنہوں نے کہا۔تو فلک نے منہ بنا کر گال ان کے کندھے سے لگا لیا۔

کیا امی جان۔۔۔کسی کو مجھ سے شادی کرنے کا ارمان نہیں۔لڑکیاں شہزادوں کا انتظار کرتی ہیں۔تو وہ آ بھی جاتے ہیں۔اور ایک میں ہوں۔جو ابھی تک چھڑی چھانٹ پھر رہی ہوں۔

اس کے لفظ چھڑی چھانٹ کہنے پہ امی سلطان باوجود کوشش کہ اپنی ہنسی روک نہیں پائی تھیں۔

فلک آج آپ ضرورت سے زیادہ نہیں بول رہیں۔اس کو الگ کرتے اور اپنی جگہ سے اُٹھتے اُنہوں نے کہا تھا۔فلک مسکراتی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئ۔

نہیں۔۔

اُنہوں نے گھورا۔تو وہ ڈھیٹ بنی مسکراتی رہی۔۔

بابا صاب کہاں ہیں۔اور پھوپو کیا بڑے ابا کی طرف ہیں؟

میں جاؤں؟امی سلطان کو واپس باورچی خانے کی جانب جاتے دیکھ کر اس نے با آواز بلند پاچھا تو وہ رُک کر مڑیں۔

نہیں۔۔۔پہلے دادا ابراھیم کو فون کر کہ آنے کی دعوت دو۔ان کو یاد دلا دیناکہ بابا صاب نے اُنہیں پرسوں بھی فون کرکے آنے کا کہا تھا۔سو وہ ضرور آئیں۔

دادا ابراھیم اس کے دادا بہروز مرحوم کے بہترین دوست تھے۔دادا بہروز کی وفات کے بعد دادا ابراھیم نے بہروز خان دادا کے خاندان کا بہت خیال رکھا

تھا۔ان کو ہر مشکل فیصلے میں گائیڈ کیا۔ان کے لئے ہمیشہ دعا کی۔سو سب ہی دادا ابراھیم کے قریب تھے۔فلک تو خاص طور پر ان سے قریب تھی۔وہ جب مردان سے آتی ان کے ہاں ضرور جاتی تھی۔ان کا گھر شہر میں تھا۔مگر زیادہ مسافت پہ نہ تھا۔

سو آنے جانے میں زیادہ وقت بھی نہیں لگتا تھا۔

اس نے حکم بجا لاتے سر کو خم دیا۔اور رسیور کی جانب بڑھ گئی۔امی سلطان نے اسے فون کی جانب جاتے دیکھا۔تو وہ بھی مسکراتیں سر پہ ڈالے کریم آنچل کو درست کرتیں باورچی خآنے کی جانب بڑھ گئیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے نمبر ملا کر فون کان سے لگایا۔اور گرنے کہ انداز میں صوفے پہ بیٹھی۔وہ گھر میں نارمل کم ہی ہوتی تھی۔بابا صاحب کی غیر موجودگی میں بلند آواز میں گانا۔فٹ بال کھیلنا۔اور بارش ہونے کی صورت میں اپنے کمرے کی بالکنی میں بیٹھ کر پھولوں کے گُلدستے بنانا۔اور ساتھ ہی بارش میں بھیگنا۔یہ سب اس کے خوفیہ شوق تھے۔جن سے صرف امی سلطان اور تارا آگاہ تھی۔

اس نے فون کان سے لگا رکھا تھا۔اور ڈھیلی ڈھالی صوفے پہ بیٹھی۔اپنے پاؤں کو گھور رہی تھی۔جب دوسری جانب سے فون اُٹھایا گیا۔

اسلامُ علیکم۔۔۔

اس نے دوسری جانب بہت بردبار سی آواز سُنی تو وہ جو ڈھیلی ڈھلکی سی بیٹھی

تھی۔جھٹ سیدھی ہوئی۔

وعلیکم۔۔۔وعلیکم۔۔۔۔

واہ۔۔۔قسمت۔آج محترم آپ گھر پہ۔۔۔کیسے؟اس نے دوسری طرف زین مصطفٰے کی آواز کافی دیر بعد سُنی تھی مگر وہ پہچان گئی۔کہ یہ وہی تھا۔

جی۔۔۔میں اکثر گھر پہ ہی پایا جاتا ہوں۔۔۔مگررررآپ کی تعریف؟

دوسری جانب سے اس کے اس طرح فری ہونے پہ زین نے رسیور کو کان سے ہٹا کر گھورتے پوچھا۔یقیناً اس نے اسے نہیں پہچانا تھا۔فلک مسکرا دی۔

میری تعریف کو چھوڑیں۔۔۔وہ تو سب ہی کرتے ہیں۔آپ بس میری دادا جان سے بات کروا دیں۔وہ جلدی میں تھی۔اسے پھوپو اور بابا صاب سے ملنے جانا تھا۔اور تعارف اس کہ لئے ایسا کوئی اہم نہیں تھا۔

فلک کہ اس خودپسندانہ جواب پہ زین کہ ماتھے پہ بل نمودار ہوئے۔کیا ہی خود پسندی کا عالم ہے۔

معذرت چاہوں گا۔مگر دادا کی کونسی پوتی ہے۔جو ایک دم سے نکل آئی۔اور جو میرے علم میں نہیں کیونکہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔میرے ابا کی بیٹی اور میری بہن جیسی کوئی مخلوق پائی نہیں جاتی۔تو اگر آپ بتا کر میرے علم میں اضافہ کر دیں تو بہتر ہو گا۔اس کے لہجے میں سختی تھی۔پورا پولیس والا تھا۔گھر

میں تھانداری کرتا ہے۔اس نے بے اختیار سوچ کر سر جھٹکا۔

زین اب تم خامخواہ بحث کر رہے ہو۔میری دادا جان سے بات کروؤ۔مجھے اُنہیں اپنے گھر دعوت پہ بلانا ہے۔

معذرت کے ساتھ مگر ہم نہیں آ سکتے۔ہم غیر لوگوں کے گھر نہیں جاتے۔اس نے اس کا جملہ کاٹتے کہا۔تو فلک دانت پیس کر رہ گئی۔

تمہیں بلایا کس نے ہے۔میں دادا کی بات کر رہی۔

محترمہ آپ سب بول چکی ہیں سوائے اپنے نام کےاگر بتا دیں گی۔تو بہتر ہے۔ ورنہ خُدا حافظ۔۔۔اس سے پہلے کہ وہ ناگواری سے فون رکھتا۔فلک نے تیزی سے کہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اُنہیں کہنا۔بابا سلطان کی خواہش ہے۔کہ وہ حویلی میں آج رات کا کھانا کھائیں۔ جملہ مکمل کرنے کے ساتھ ہی اس نے ٹھک سے فون رکھ دیا تھا۔

زین نے ناگواری سے فون کو گھورا۔اور پھر صوفے پہ بیٹھ کر وردی کے بازو فولڈ کرنے لگا۔

کس کا فون تھا؟باورچی خانے سے کافی کا مگ لاتےقدرِ سفید رنگت والے اسی سے اُوپر کی عمر کے بزرگ نے اپنے خوبرو پوتے سے پوچھا تھا۔(ان کی عمر اسی سال سے اُوپر تھی مگر وہ اب بھی گولف کھیلتے تھے۔اور اپنے پوتے کو اکثر ہرا

دیا کرتے تھے)جس کے ماتھے پہ انگنت بل تھے۔اور جو پولیس کی وردی میں نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہا تھا۔

حویلی سے فون تھا۔وہ لوگ آپ کو رات کے کھانے پہ بلا رہے۔ان کی کسی بد تمیز لڑکی کا فون تھا۔

ناگواری سے کہتےاس نے ان کے ہاتھ سے کافی کا سیاہ مگ پکڑا لیا۔تو وہ سمجھ کر سر ہلاتے ہنس دیئے۔

سمجھ گیا۔یقیناً فلک بیٹی ہوگی۔زین کے سامنے والے چھوٹے صوفے پہ بیٹھتے اُنھوں نے کہا۔تو زین نے کوفی کا گھونٹ لیتے شانے اُچکا دیئے۔

شاید۔۔۔

کافی اچھی بنی ہے۔آخر میں اس نے کپ سامنے کرتے کہا۔تو اُنھوں نے بھی اسی کے انداز میں شانے اچکا دیئے۔

بنائی کس نے ہے۔انداز کریڈٹ لینے والا تھا۔زین ہنس دیا۔

اس نے فون رکھ کر خاصا بد مزہ ہو کر دل ہی دل میں زین کو تہذیب میں رہتے کچھ جملے کہے اور امی جان کو بتا کر بڑے ابا کے گھر کی جانب چل پڑی۔اوہ سوری۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

چل نہیں پڑی۔گھوڑے پہ سوار ہوتی دوڑی تھی۔اس کے بال کھولے تھے۔اور دوپٹہ پیچھے پیچھے جھولتا۔اپنی قسمت کو رو رہا تھا۔

پائیں باغیچے سے گزرتے بڑے ابا کا حصہ آتا تھا۔اس نے چھلانگ لگا کر سیڑھی چڑھنے کی کوشش کی۔اور شائد سیڑھی پار بھی کر جاتی۔جو اگر سامنے سے دروازہ نہ کھولتا۔

دروازے کے کھولتے ہی ایک چیخ کے ساتھ فلک بی بی زمین پہ تھی۔اسے دیکھ کر کر انداہ لگایا جاسکتا تھا۔کہ فلک زمین پہ کیسے آتا ہوگا۔

کوہنوں کہ بل گرے اس نے سامنے کھڑے حنان کو دیکھا۔اور دوسری طرف حنان نے بھی اسے تعجب سے دیکھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم یہ کیا کر رہی ہو؟اسے زمین پہ گرا دیکھ کر بجائے اس کہ کے وہ اسے ہاتھ دے کر اُٹھاتا۔اور پوچھتا۔کہ آیا کہ تمہیں چوٹ تو نہیں آئی۔مگر وہ پوچھ رہا تھا بھی تو کیا۔فلک نے ناگواری سے حنان کی موچھوں کو دیکھا۔جو لمبائی میں اتنی بڑی تھیں۔کہ اس کے چہرے پہ موجود باقی ہر نقش کہیں پیچھے نظر آتا۔جیسے پس منظر میں۔اور فلک کو خاص طور پر۔اس کی موچھیں دیکھ کر لال بیگ یاد آجایا کرتا تھا۔تبھی بولی تو لہجے میں ناگواری کا انصر نمایاں تھا۔

ڈانس۔۔۔

نظر نہیں آ رہا۔

اور تم دیکھ کر نہیں چل سکتے۔کپڑے جھاڑتے ہتھیلیوں کو دوپٹے سے صاف کرتے اس نے گھور کر کہا۔تو حنان نے جیسے سمجھ کر سر ہلایا۔

تم پہلی تو بات تمیز سے بات کیا کرو۔دوسرا بندروں کی طرح چھلانگیں لگانا چھوڑ دو۔پھر ہر چیز ٹھیک رہے گی۔فون کو جیب سے نکالتے اس نے کہا۔تو فلک نے ہاتھ جھلا کراگنور کیا۔وہ اس وقت حنان سے گفتگو کرنے کی خواہشمند نہ تھی۔اور اب اس کے منہ لگ کر اپنا موڈ خراب نہیں کر سکتی تھی۔

میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔چلو ہٹو سامنے سےوہ اس سے کافی بڑا تھامگر مجال ہے۔جو فلک اسے کچھ گردانتی۔حنان نے ہونٹ بھینچ لئے۔مگر اپنی جگہ سے نہیں ہٹا۔

میرے سے کیوں نہیں بات کرنی؟

میں کیا اچھوت ہوں۔سینے پہ ہاتھ باندھے وہ پوچھ رہا تھا۔اور اس کے انداز سے لگتا تھا۔کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹنے والا نہیں ہے۔فلک نے ہاتھ تھوڑی پہ رکھ کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔اور مسکرائی۔۔۔

تمہیں کب سے کومپلیکس ہونے لگا؟

تم تو ہر وقت حکومت کرنے والے بندے۔پورے وڈیرے۔۔۔۔تمہیں کب

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سے اپنی شخصیت میں کمی نظر آنے لگی۔مسکرا کر پوچھتے۔۔۔بلکہ جتاتے اس کی روشن آنکھوں کے دیپ جلنے لگے تھے۔جن کی روشنی آنکھوں کو چندھیا دے۔

حنان نے مسکرا کر ایک ابرو کُھجاتے اسے دیکھا۔اور ہلکا سا آگے کو جُھکا۔فلک اپنی جگہ سے ہٹے بغیر پیچھے کو ہٹی۔اور اسے گھور کر دیکھا۔

فرق پڑتا ہے۔اور بہت پڑتا ہے۔کہتے وہ گہری مسکراہٹ کے ساتھ ایک لمحے کے لئے اسے دیکھتا رہا اور پھر اس کے سامنے سے ہٹ کر بائیں جانب سے نکل کر آگے بڑھ گیا۔فلک نے حیرت سے مڑ کر حنان کو جاتے دیکھا۔

یہ کیا کہہ کر گیا ہے؟

اس کے الفاظ سیدھے اس کے سر سے گزرے تھے۔اس نے گھور کر اس کی دور جاتی پُشت کو دیکھا۔اور پھر ہمیشہ کی طرح کندھے اُچکاتی آگے بڑھ گئی۔

اس نے دروازہ دھکیلا تو جیسے قہقہوں اور خشیوں کی بہار تھی۔جو ایک ساتھ اس کے استقبال کے لئے آگے بڑھی تھی۔

تمام افراد صوفوں پہ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔اور تارا سب کو چائے پیش کر رہی تھی۔

اسلامُ علیکم۔۔۔اس نے بآواز بلند سب کو سلام کیا۔تو سب بڑوں نے خوش مزاجی سے جواب دیا تھا۔ایک سوائے سدرہ آپی کے مگر کسی نے دھیان نہیں

دیا۔

فلک نے باری باری بڑے بابا ابا اور چچا جان کے سامنے جھک کر سر پہ پیار وصول کیا۔اور پھر پھوپو کے پہلو سے جا لگی۔

آپ کب آئیں تھیں پھوپو؟

پھوپھا نہیں آئے؟

وہ ایک وقت میں ایک سوال کم ہی پوچھا کرتی تھی۔پھوپو نے اس کے کھلکھلاتے چہرے کو دیکھا۔تو ہنس دیں۔۔

نہیں اُنہیں اسلام آباد جانا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم بتاؤ سفر کیسا گزرا۔تارا کا تو بُرا حال تھا۔تارا کی طرف پیار سے دیکھتے کہا۔تو تارا جو بڑی امی کو چائے پیش کر رہی تھی۔مسکرا بھی نہ سکی۔

اس کے کانوں میں متواتر سدرہ آپی کے کچھ دیر پہلے کے کہے گئے جملے گونج رہے تھے۔

تم جانتی ہو تمہیں مردان سے کیوں بلایا گیا ہے؟

اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔وہ اس وقت آپی سدرہ کے کمرے میں بیٹھی تھی۔وہ اس ملاقات عرصے میں پہلی بار مسکرائیں۔

تمہارا فیصلہ کرنے کے لئے۔مسکرا کر اُنہوں نے ذومعنی انداز میں کہا۔تو تارا نے

نا سمجھی سے اُنہیں دیکھا تھا۔اور تب سے اب تک تارا سمجھ اور نا سمجھی کے درمیان جھول رہی تھی۔فلک نے اسے چائے کا کہا۔تو وہ سر ہلاتی باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی۔

فلک آپی۔۔۔آپ گاتی اچھا ہیں۔شفاء نے مسکراتے ہوئے۔اس کے بائیں جانب بیٹھتے چائے کا کپ میز سے اُٹھاتے کہا۔تو فلک جو پھوپو سے ان کی اچانک آمد کا پوچھنے والی تھی۔تیزی سے شفاء کی جانب گھومی۔شفاء مسکراہٹ روکتی چائے کا گھونٹ لے رہی تھی۔فلک نے دانت پیس کر اس چھٹانک بھر کی لڑکی کو دیکھا۔جتنی چھوٹی تھی۔اتنی تیز تھی۔

گانا۔۔اس کے کان کے قریب ذرا سا جاتے اس نے مدھم انداز میں پوچھا۔جیسے کہہ رہی۔محترمہ کیا میں؟

کیا آپ مجھ سے بات کر ہی ہیں۔شفاء نے سر ہلا دیا۔تو فلک ہنس دی۔کوئی ان دونوں کی جانب متوجہ نہ تھا۔

مزاق مت کرو۔شفاء۔۔،ہاتھ ہلا کر ا سنےانکار کیا۔شفاء نے کپ میز پہ رکھ دیا۔اور اس کی جانب گھومی۔

مزاق۔۔۔؟

آپ کو لگ رہا میں آپ سے مزاق کر رہی؟

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیکھ لیں۔ثبوت بھی مل سکتا۔اس کی آنکھوں میں شرارت رقص کر رہی تھی۔فلک نے دانت پیسے۔

فلک بات سُننا۔۔۔تارا نے کیچن سے اسے آنے کا اشارہ کیا۔تو وہ شفاء کو گھورتی اُٹھ گئی۔

ٹڈی۔۔۔رُکو تم۔تمھیں تو میں پیستی ہوں۔ہلکی آواز میں اس نے کہا۔اور آگے بڑھ گئی۔

پھوپو کے بچے پورے بلیک میلر ہیں۔کیچن میں جاتے اس نے بڑ بڑا کر تارا کی جانب دیکھا کر کہا اور ساتھ ہی اشارے سے ہوچھا کہ کیا ہے۔تو وہ جو تھوڑی پہ ہاتھ رکھے کسی سوچ میں گم تھی۔فلک کے بولنے پہ اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

چچی نے بتایا کہ کیوں بلوایا تھا؟چائے کے کپ کو وہ بر چکی تھی۔اس کے سامنے رکھتے ساتھ ہی فریج کی طرف جاتے اس نے پوچھا۔تو فلک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

نہیں۔۔۔کیوں؟

بڑی امی نے بتایا تمھیں کچھ؟

فریج سے ڈرائے کیک نکال کر اس کے سامنے رکھتے تارا نے سر نفی میں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہلا یا۔اور پھر مڑ کر برتنوں کے سٹینڈ سے کانٹا لائی اور فلک کی پلیٹ میں رکھ دیا۔فلک کیک کھانے لگی۔

تمہارے خیال میں کیا بات ہو سکتی؟کیونکہ جس طرح کہا گیا۔اور جیسے بے وقت پھوپو آئی ہیں۔ضرور کوئی وجہ ہے۔فلک کے سامنے کی کرسی گھسیٹتے تارا نے کہا۔تو فلک نے سمجھ کر سر ہلایا۔

سہی کہہ رہی ہو۔میں نے امی سلطان سے پوچھا تو اُنہوں نے کہا۔کہ پھوپو کی وجہ سے ابا کا پلین بنا۔جب کہ بات کچھ اور ہے۔وہ دونوں اسی طرح کی گفتگو کر رہی تھیں۔جب زنیرہ اندر آئی۔

تو دونوں نے خاموشی اختیار کر لی۔

فلک کچھ سوچ کر اپنی جگہ سے اُٹھی اور گلاس میں پانی بھرتی زنیرہ کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔

زنیرہ یار مجھے کوئی اچھا سا ناول تو بتاؤ۔جسے پڑھ کر مزہ آ جائے۔۔۔

زنیرہ نے پہلے تعجب سے اسے دیکھا۔۔اور پھر ایک دم جیسے پُر جوش ہوئی۔

ہیں۔۔۔۔

رُکو میں یہ پانی ذرا امی کو دے آؤں پھر آ کر بتاتی ہوں۔حویلی میں ایک صرف زنیرہ ہی تھی۔جو ناول پڑھتی تھی۔اب جو فلک نے ناول کا نام لیا تو زنیرہ کے

دماغ میں ایک دم سے سارے ناول گھومنے لگے تھے۔

وہ پانی دے کر تیزی سے اندر آئی اور دونوں کے درمیان کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔فلک کھانے کا کام شروع کر چکی۔

اس حویلی میں اگر سب سے زیادہ کسی کا پیٹ ہلکا تھا۔تو وہ زنیرہ تھی۔اور بولتی وہ ایسے تھی۔کہ رکنے کا نام لے۔یوں جیسے اس کی زبان کی بریکیں فیل ہوں۔اور یہی ہوا۔اُنہیں لگا تھا۔کہ وہ بولتی بولتی خود ہی گھر میں ہونے والی تبدیلی کا بتا دے گی۔مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔جب پورا گھنٹہ زنیرہ کا ناول نامہ نہ بند ہوا۔تو فلک کو بولنا پڑا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زنیرہ ڈارلنگ ناول تو بہت مزے کا ہے۔میں یہ خود پڑھ لوں گی۔پھر ہم اس پہ بات کریں گے۔ابھی تم مجھے تم یہ بتاؤ۔کہ یہ حویلی میں آج کل کیا چل رہا ہے؟کیک کا ٹکڑا اس کے سامنے رکھتا فلک نے پوچھا تھا۔

کیا چل رہا ہے حویلی میں؟کیک کی جانب ہاتھ بڑھاتے زنیرہ نے پوچھا تو فلک اور تارا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔اور پھر فلک نے اگلے ہی لمحے اس کے ہاتھ سے اپنا کیک جھپٹ لیا۔زنیرہ کا منہ کھول گیا تھا۔

چلو نکلو یہاں سے۔سر کھا لیا۔ناول سُنا کر کر۔اور کام کی بات کا تمہیں علم نہیں۔۔۔فلک نے گھور کر کہا۔اور کیک کا پیس منہ میں ڈالا تو زنیرہ نے بیچارہ سا منہ بنا کر ان دونوں کو دیکھا مگر جب کوئی بات نہ بنی تو۔منہ میں کچھ

بڑبڑاتی اُٹھ گئی۔

منہوسیں۔یہ لفظ اس نے باہر جانے سے قبل بآواز بلند کہنا ضروری سمجھا تھا اور یہ کیسے ہو سکتا تھا۔کہ فلک بی بی بات نیچھے گرنے دیتی۔۔۔۔

تم بھی وہی۔۔۔جواب دوبدو دیا گیا

یونہی موسم کی 'ادا' دیکھ کے یاد آیا

کس قدر جلد بدل جاتے ہیں انساں جاناں

کمرہ تھا۔یا گائے بھینسیں باندھنے کی جگہ۔۔۔جہاں کوئی ترتیب ہو نہ توازن۔یہی حال فلک کے کمرے کا تھا۔اور فلک کمرے میں بلند آواز سے میوزک سسٹم پہ گانے چلائے خود شیشے کے سامنے کھڑی تھی۔

اس نے سرخ اور سکین رنگ کا ٹخنوں تک آتا فراق پہن رکھا تھا۔جس کا اُوپر کا حصہ سیاہ اور گولڈن کام سے مزین تھا۔

اس نے بالوں کو کھول کر مصنوعی کرل دیۓ اور پھر اُنہیں پونی میں باند لیا۔

اس کے سرخ و سیفد کانوں کی لو گولڈن اور سفید رنگ کے موتیوں سے دمک رہی تھیں۔

فلک نے ہلکی سی لپسٹک لگا کر مسکارا لگایا۔پاؤں میں سرخ سینڈل پہنے دوپٹے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کو دائیں بائیں کندھوں پہ پھیلائے۔کمرے سے نکل گئی۔وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

موڈرن ہونا ضروری نہیں ہوتا۔اگر آپ کو اچھا پہنا اور اچھا کھانا بنانا آتا ہے۔تو آپ اچھے اورسلیقہ مند لوگوں میں گردان کئے جاؤ گے۔ہاں ٹھیک ہے۔وہ کھانا بنانے میں تاک نہ رکھتی تھی۔پر پہنے اوڑنے میں وہ بہت اچھی اور قابلِ بھروسہ تھی۔

جس وقت وہ بڑے ابا کے پورش کی طرف آئی تمام مہمان آ چکے تھے۔

بڑے ابا،چچا اور ابا نے کچھ جاننے والوں کو بلا رکھا تھا۔وہ دعوت ان کی سوچ سے زیادہ بڑی تھی۔محض دو تین گھنٹوں میں باغیچے میں دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ملازمین کا کام قابلِ تعریف تھا۔کہ اُنہوں نے بہت کم وقت میں کھانا تیار کیا۔

باغیچے میں دو بری بڑی میزیں رکھ کر اُن پر سفید پوش بیچھائے گئے۔اور میزوں کے گرد کرسیاں رکھ دی گئیں۔

باغیچے میں موجود کوئی ایک پودا نہیں تھا۔جس کو مصنوعی روشنیوں سے سجایا نہ گیا ہو۔گولڈن رنگ بتیاں ماحول کو مزید خواب ناک بنا رہی تھیں۔فلک دل ہی دل میں باغیچے کی سج دھج کو سراہتی آگے بڑھی اور دروازہ کھولا۔

راہداری سے گزرتے بائیں جانب ڈرائینگ روم تھا۔جہاں سے اس وقت بھانت

بھانت کی آوازیں آ رہی تھیں۔اس نے تارا کو سیڑھیاں اُترتے دیکھا تو تیزی سے اس کی جانب بڑھ جانا چاہا۔جب ڈرائینگ روم سے کوئی نکلتا سیدھا اس کے کندھے سے ٹکرایا تھا۔اس ٹکر کا نتیجہ یہ نکلا۔کہ دونوں کے فون زمین پہ آ پڑے۔

فلک کا ہاتھ تو سیدھا دل کو گیا۔ہائے میرا فون۔اسے اپنے کندھے کی تکلیف بھول چکی تھی۔

اس نے کھا جانے والی نظروں سے سامنے کھڑے حضرت کو دیکھا۔جن کے چہرے پہ بھی کچھ ایسے ہی تاثرات تھے۔جیسے کہہ رہے ہوں۔آنکھیں کس کو اُدھار دے آئی ہو۔

آپ اندھے ہیں۔فون تیزی سے اُٹھا کر اسے سینے سے لگائے وہ دانت پیستی دھاڑی تھی۔تارا نے ان دونوں کی ٹکر دیکھ لی تھی۔تبھی تیزی سے ان دونوں کی جانب لپکی۔

میرا بھی کچھ ایسا ہی سوال ہے۔۔۔آپ اندھی تو نہیں ہیں؟

لگتی تو نہیں ہیں۔تحمل سے کہتے اس نے جھک کر اپنا فون اُٹھایا۔کور ہونے کی وجہ سے کوئی جانی نقصان نہ ہوا تھا۔ہاں ٹھیک ہے۔ویسے تو فون میں جان نہیں ہوتی۔لیکن مالک کے لئے فون کی زندگی سے اہم پھر بھی کچھ نہیں ہوتا۔

اکسکیوزمی۔۔

کیا آپ کو میزبان سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔بھئی بہت ہی کوئی بد تمیز ہیں پھر تو آپ۔دانت پیستے اسنے اپنی طرف سے بہت اچھا جواب دیا تھا۔زین نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

نہیں۔۔۔

بدتمیز میزبانوں سے ہم ایسے ہی پیش آتے ہیں۔کہہ کر وہ ان دونوں کے بائیں جانب سے نکل کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔تو فلک کا تو جیسے منہ ہی کھل گیا۔

۔اس قدر قرارے جواب پہ فلک کے تومانو کان دھواں چھوڑنے لگے تھے۔اوپر سے سامنے والے کا ٹھنڈا نداز۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا بھیگو کے ماری تھی اس نے۔

فلک نے مٹھیاں بھیچ کر پاؤں پٹخا۔ایک نظر تارا کو گھورا جو اپنی ہنسی روکتی بے حال ہو رہی تھی۔اور زنیرہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔اس وقت وہی سامنے نظر آیا تھا۔

فلک۔۔۔

فلک سُنو تو۔تارا بھی اس کے پیچھے لپکی۔

عجیب بدتمیز مہمان ہیں۔ہم نے توآج تک کہیں جا کرایسے نہیں کیا۔منہ بنا کر

بیڈ پہ بیٹھتے اس نے کہا۔تو زنیرہ جو شیشے کے سامنے کھڑی تھی۔اس کی جانب گھومی۔اندر آتی تارا جو اپنی ہنسی روک رہی تھی۔کو اس نے اشارے سے پوچھا کہ کیا ہوا تواسنے سر نفی میں ہلا دیا۔اور فلک کے ساتھ بیٹھ گئی۔

غصہ چھوڑو یار۔ایکسیڈنٹ تھا بس۔خامخواہ گرم ہونے کی کیا ضرورت ہے۔تارا نے اسے سمجھانا چاہا۔

یار تم نے اس مرد کی زبان نہیں دیکھی۔

میرے بڑے ابا کے گھر میں کھڑا ہو کر مجھے بد تمیز بول رہا ہے۔غصے سے اس کی بھنویں تنی ہوئی تھیں۔تارا نے گہری مسکراہٹ بمشکل روکی۔

یار فلک تم بھی تو کم بولا کرو۔کیا ضرورت تھی اسے اندھا بولنے کی۔

ہاں تو وہ کیوں اندھے بیل کی طرح باہر نکلا تھا۔ابھی میری جان میرا جگر ٹوٹ جاتا۔ہاتھ میں پکڑے فون کو ایک بارپھر اس نے سینے سے لگاتے کہا تو زنیرہ اور تارا ہنس دیں۔

ویسے وہ تھا کون؟آخر ایک اہم سوال محترمہ نے سوچ کر پوچھ ہی لیا۔

وہ۔۔۔تارا نے گہرہ سانس لیا۔دادا

ابراھیم کا پوتا ہے۔زین مصطفےٰ۔جو تین ماہ قبل باہرسے پی ایچ ڈی کر کے لوٹا ہے۔اور ابھی ابھی پولیس میں بھرتی ہوا ہے۔دادا ابرھیم اسی کی تو ابا سے باتیں

کرتے تھے۔بھول گئی تم۔تارا بول رہی تھی۔اور فلک جیسے ایک دم ٹھنڈی ہوئی۔

اچھا۔۔۔تو یہ زین تھا۔۔۔تبھی اتنا بد تمیز تھا۔کال پہ کی گئی گفتگو اسے ایک دم سے یاد آئی۔تو بے اختیار وہ ہنس دی تھی۔تارا اور زنیرہ نے یہ دھوپ چھاؤں سا نظارہ دیکھا تو نا سمجھی سے فلک کو دیکھنے لگیں۔

فلک نے ہنس کر ان دونوں کو اپنی کارستانی سُنائی تودونوں نے اسے افسوس بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

فلک نے شانے اچکا دیئے۔۔۔اب مجھے کیا پتہ تھا۔کہ وہ دادا ابرھیم کا پوتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باغیچے میں سبھی کرسیوں پہ اب افرد بیٹھ چکے تھے۔فلک نے اپنے اور تارا کے لئے ایک ساتھ کرسیاں کھینچیں تھیں۔

ان کے سامنے کی کرسی آپی سدرہ کی تھی۔بائیں جانب زنیرہ تھی۔اور پھر زنیرہ کے ساتھ کنزہ شفاء پھوپو اور پھر باقی مہمان۔اسی طرح بڑے ابا کے ایک طرف ابا جبکہ دوسری طرف چچابیٹھے تھے۔بائیں جانب ابا کے ساتھ والی کرسی پہ ابا کے ساتھ حنان اور پھر امی سلطان چچی جان اور پھر بڑی امی۔اسی طرح سارے مہمان بیٹھے گفتو شنید میں مصروف تھے۔اور ساتھ ہی کھانے کا بھی دور دوارہ چل رہا تھا۔

فلک کے بائیں ہاتھ سربراہی کرسی پہ دادا ابراھیم کے بائیں ہاتھ زین بیٹھا تھا۔جو عبداللہ کے ساتھ بات چیت کر رہا تھا۔اور وقفے وقفے سے دادا سے بھی بات کر لیتا۔دادا نے سب سے زین کا تعارف کروایا تھا۔وہ اپنے پوتے کے آنے سے بہت خوش تھے۔

دیکھو ذرا کیسے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا ہے۔فلک نے تارا کے کان میں جھک کر کہا۔تو تارا نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔تارا کی نظر نہ جانے کہاں تھی۔فلک نے اس کا دھیان نہ پا کر زنیرہ سے باتیں کرنی شروع کر دی تھیں۔وہ دونوں کسی بات پہ ہنس رہی تھیں۔جب اُنہوں نے بڑے ابا کو گلا کھنکار کر کھڑے ہوتے دیکھا۔سب سیدھے ہوئے۔بڑے ابا کم کم مسکراتے تھے۔آج وہ دن تھا۔اُنہوں نے مسکرا کر حاضرین پہ ایک نگاہ ڈالی۔اور ساتھ ہی حنان کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر تھپکی دی تھی۔تمام حاضرین نے ان کے عمل کو غور سے دیکھا۔تارا نے بے اختیار آپی سدرہ کو دیکھا تھا۔جو کولڈرنک کا گلاس منہ سے لگائے اس ساری صورتِ حال میں غیر دلچپسی سے بیٹھی تھیں۔

میں آج۔۔۔اُنہوں نے کہنا شروع کیا۔

اپنے چھوٹے بھائی سلطان بہروز خان کی جانب سے ایک اعلان کرنا چاہتا ہوں۔اگرچہ اعلان اسے خود کرنا چاہیئے۔مگر ا سکی خواہش پہ میں کر رہا ہوں۔فیصلہ سب بڑوں کی مرضی سے ہوا ہے۔توسوچا گیا۔کہ آج کی دعوت میں

NEW ERA MAGAZINE
Novel|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سب کو اس فیصلے سے آگاہ کرد یا جائے۔حنان کے کندھے کو تھپتھپاتے اُنہوں نے کہا تھا۔تارا کے دل کو وہم سا ہوا۔اس نے ایک بار پھر آپی سدرہ کو دیکھا۔وہ اب روشنیوں کو دیکھ رہی تھیں۔اُنہیں اب بھی اس دعوت میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

ہم نے فیصلہ کیا ہے۔کہ جمعے کے روز بیٹی فلک اور بیٹے حنان کی باقاعدہ منگنی کر دی جائے۔رشتہ آج سے دس سال پہلے طے کیا جا چکا تھا۔لیکن کیونکہ بچے چھوٹے تھے۔اس لئے فیصلہ کیا گیا۔کہ ابھی اس بات کو چھپا لیا جائے۔لیکن اب جبکہ آپ دیکھ رہیے ہیں۔کہ پود بڑی ہو چکی ہے۔تو ہم اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔کہ اب بچوں کو ان کے اصل سے آگاہ کر دیا جائے۔وہ کہہ رہے تھے۔اور فلک کو تو مانو سکتہ ہی ہو چکا تھا۔

بڑے ابا کیا کہہ رہے تھے۔اس نے نا سمجھی سے ارد گرد بیٹھے سب نفوس کو دیکھا۔سب کے چہروں پہ خوشی کے تاثرات تھے۔

یہ کیا ہو گیا تھا۔اس نے حیرت سے حنان کے پہلو میں بیٹھے اپنے والدین کو دیکھا۔جن کے چہروں پہ خوشی کی چمک تھی۔فلک نے حنان کو دیکھا۔جو کلف لگے سفید شلوار سوٹ میں ہمیشہ کی طرح اپ ٹو ڈیٹ لگ رہا تھا۔فلک نے گہرہ سانس لے کر اپنے والدین پہ ایک اور نگاہ ڈالی اور پھر سر جھکا لیا۔وہ ایک لمحے کو شاک میں گئی تھی۔لیکن وہ اتنی مضبوط تھی۔کہ وہ چیزوں کو جزب کر

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔اس نے حنان کے بارے میں کبھی ایک لمحے کو بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔لیکن اس کے والدین کا عتماد ان کا مان ان کی وہ خوشی و جزبات سے بھری مسکراہٹ اس نے اسے سر جھکانے پہ مجبور کر دیا۔اسے حنان کبھی بُرا نہیں لگا تھا۔بس اسے اس کی موچھیں پسند نہیں تھیں۔

فلک نے تو سر جھکا دیا تھا۔لیکن وہ اپنے پہیلو میں بیٹھی لڑکی کو دیکھ نہ سکی۔ جس کی روشن آنکھوں کے جلتے دیپ ایک دم سے مانند پڑے اور پھر بُجھ گئے تھے۔تارا نے ہاتھ میں پکڑا چمچ چھوڑ دیا۔اور سختی سے میز پوش کو پکڑلیا۔اور ہونٹ سختی سے بھینچ لئے۔کہ دل سے کوئی آہ ہی نہ نکل جائے۔کہیں تماشا نہ بنے۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے سر اُٹھا کر سامنے بیٹھی آپی سدرہ کو دیکھا۔

تو وہ جانتی تھیں۔

کہ تارا حنان سے کس قدر محبت کرتی ہے۔وہ جانتی تھیں تو کیوں نہ روکا سب کو۔تارا نے شکائتی نظروں سے اُنہیں دیکھا۔ایک آنسو بہت آہستگی سے ٹوٹ کر اس کےکُرتے کے دامن میں جزب ہوا تھا۔فلک اس کی جانب گھومی۔مگر تبھی چچی جان نے اسے اپنی جانب بلا لیا۔اس نے ایک لمحے کو اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے دبایا۔وہ کنفیوز ہوئی تھی شائد۔تارا نے اپنے اور فلک کے ہاتھ کو دیکھا۔دونوں کے ہاتھ ایک ساتھ اوپر نیچے رکھے تھے۔تارا نے فلک کے ہاتھوں

میں کپکپی محسوس کی۔اس کی نظر اپنے اور فلک کے ہاتھ پہ تھی۔جسے اُن دونوں نے مرتے دم تک تھامے رکھنے کا عہد کیا تھا۔اب وہ عہد تارا کا امتحان لینے والا تھا۔

اس نے کرسی گھسیٹی اور اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔فلک اس کی غیر موجودگی ضرور محسوس کرتی جو چچی جان اسے اپنے پاس نہ بلا لیتیں۔آپی سدرہ کی آنکھیں نم تھیں۔اُنہوں نے کچھ دیر پہلے کا خالی گلاس واپس پانی سے بھرا اور ایک ہی سانس میں پی لیا۔ماضی ان کے سامنے ایک بار پھر سے آ رہا تھا۔اور اس بار پھر ان کا بس نہیں چل رہا تھا۔اُنہوں نے بڑے ابا کو بہت شکائیت بھری نظروں سے دیکھا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر تیزی سے تارا کے پیچھے بھاگیں۔ وہاں موجود کسی شخص نے ان دو کی غیر موجودگی کو محسوس نہیں کیا تھا۔ صرف ایک شخص تھا جو یہ سارا منظر بہت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔اور کیا ہو رہا ہے۔سب سمجھ رہا تھا۔

Love Triangle

اس نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

تارا نے بھاگ کر سیڑھیاں طے کیں اور پھر کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔آپی سدرہ تیزی سے آگے بڑھیں اور دروازے کا ہینڈل گھوما کر تارا کو آواز دی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تارا۔۔۔

تارا۔۔۔ان کی آواز میں ایسا درد تھا جیسے سب ان پہ گزارہ ہو۔

تارا میری بات سُنو۔متواتر ہینڈل گھوماتے دروازے کو کندھے سے دھکا دیتے اُنھوں نے کہنا شروع کیا۔

تارا ایسا کچھ نہیں ہوگا۔وہ کہہ رہی تھیں۔

اس بار ایسا کچھ نہیں ہوگا۔دروازہ کھولو۔وہ تارا کو ایک ایسا جادوگھول کر پلانے والی تھیں۔جو تارا کا ایمان پارا پارا کر دیتا۔بہت سال پہلے کیاگیا عہد توڑ دیتا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا؟

تارا دروازے کے ساتھ بیٹھی تھی۔اور اس کی پُشت دروازے سے لگی تھی۔اس نے روتے ہوئے سر گھوٹنے سے اُٹھا کر دوسری طرف کھڑی آپی سدرہ سے پوچھا تھا۔آپی سدرہ نے سکون کا سانس لیا۔

دروازہ کھولو۔۔۔پھر بتاتی ہوں۔اور پھر تارا نے دروازہ کھول دیا۔

کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔اور وہ بیڈ پہ اُلٹا لیٹا سو رہا تھا۔اس کی ایک ٹانگ لحاف کے اندر جب کہ دوسری باہر تھی۔اسی طرح ایک ہاتھ تکیئے کے نیچے دوسرا موبائل فون پہ تھا۔وہ شائد فون ہاتھ میں لئے ہی سو گیا تھا۔

وہ گہری نیند میں تھا۔جب اس کے ہاتھ کے نیچے دھرا فون تھرتھرایا۔اس نے قدرِ غنودگی کے عالم میں ایک آنکھ کھول کر چمکتی سکرین پہ جلتے بُجھتے نام کود دیکھا اور پھر جیسے کرنٹ کھا کر اُٹھ بیٹھا۔

او شٹ۔۔۔منہ میں کچھ لفظ بڑ بڑاتے اس نے تیزی سے آتی کال اٹنڈ کی اور فون کان سے لگا کر کودتا بیڈ سے اُترا۔۔اور ساتھ ہی کھڑکی کے پردے بھی سامنے سے ہٹا کر سورج کی روشنی کو اندر آنے کے لئے جگہ دی۔

ہائے۔۔۔

نہیں۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سوری۔۔۔۔

یار بھولا نہیں تھا۔میں۔۔۔میں تمہیں کال کر رہا تھا۔پر تم نے کال ہی نہیں اٹنڈ کی۔

نہیں۔۔دیکھو۔۔۔

بات سمجھو۔۔۔

اچھا سوری۔۔۔

میں اسلام آباد آتے ہی تمہاری ساری شکائیتیں دور کر دوں گا۔وعدہ۔۔۔

دیکھو۔اب غلط بات نہیں کرو۔میں ہمیشہ تو ایسا نہیں کرتا ناں۔

کھڑکی کے پار دیکھتے اس نے دوسری جانب بیٹھی ہستی کو سمجھانے کی کوشش کی۔اور آخر میں جب دوسری جانب سے ڈانٹ کر کال کاٹی گئی تو وہ پہلے تو وہ بے بسی سے فون کو دیکھتا رہا اور پھر منہ بسورتا ہاتھ ورم کی جانب بڑھ گیا۔

حنان کا دن جوگنگ سے شروع ہوا تھا۔اور اب وہ باغیچے میں بیٹھا جوس کا گلاس پیتا اخبار پڑھ رہا تھا۔جب عبداللہ باہر آیا۔اس نے لمبی سی انگڑائی لے کر خوش گوار سے موسم کو دیکھا اور مسکرا کر حنان کے سامنے کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔حنان نے ایک نظراسے دیکھا اور واپس اپنے مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بھیا۔۔۔آپ آج بھی صبح صبح اُٹھے بیٹھے ہو؟آج تو یار تھوڑا سو لیتے۔مسکرا کر جوس گلاس میں انڈیلتے اس نے کہا تو۔حنان ایک بار پھر خاموشی سے اسے دیکھا۔اور آخبار تہ کرتا اُٹھ کھڑا ہوا۔

کیون آج ایسا کیاہے؟

بغیر کسی تاثر کے اس نے پوچھا تو جوس پیتے عبداللہ کی ہنسی نکل گئی۔حنان نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ جو منہ نیچے کئے ہنس رہا تھا۔سوری کہتا واپس سیدھا ہو گیا۔

نہیں کچھ نہیں۔۔۔آپ کے لئے ہر دن ایک ہی ہے۔مسکراہٹ دباتے اس

نے کہا۔حنان نے اسے نظر انداز کیا اور آگے بڑھ گیا۔عبداللہ چھیڑنے سے پھرباز نہ آیا۔اور جانبوجھ کر بلند آواز میں بڑ بڑاہٹ کی۔

پتہ نہیں فلک بھابھی کا کیا ہوگا۔کھڑوس آدمی کے ساتھ ان کا گزارہ کیسے ہوگا۔حنان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔مگر وہ نظر انداز کرتا چلتا رہا۔

البتہ دل میں ایک ساز سا چھڑا تھا۔فلک کا اپنے نام کے ساتھ منسوب ہونا اسے خوشی کا احساس بخش رہا تھا۔وہ اسے بچپن سے چاہتا تھا۔اور یہ اس کے لئے ساری حیات سے بھی زیادہ اہم معملہ تھا۔

حنان ناشتہ کرو۔وہ مسکراتا۔ٹراؤزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے حویلی کے اگلے حصے میں جا رہا تھا جب چچی جان نے اسے پیچھے سے آواز دی۔ا۔س نے ہاتھ ہلا کر انکار کر دیا۔

کہاں جا رہے ہو؟ اُنہوں نے آواز دے کر پوچھا۔تو بھی اس نے رُکے بغیر دیا تھا۔

تایا جان کی طرف۔کونسے تایا کی طرف یہ اس نے نہیں بتایا تھا۔اُنہوں نے مسکراتے شوخ نظروں سے عبداللہ کی جانب دیکھا۔تو وہ مسکراتے شانے اُچکا گیا۔

جلد آپ کا یہ شریف بیٹا۔آپ کے ہاتھ سے نکلنے والا ہے۔مسکراہٹ روکتے اس نے کہا۔تو چچی یاسمین نے اسے گھورا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کبھی اچھا مت بولنا۔

ویسے بھی حنان میرا بیٹا بہت سمجھدار ہے۔وہ ماں کو بیوی سے زیادہ فوقیت دے گا۔مجھے اس پہ یقین ہے۔چچی یاسمین کو ہمیشہ اس بات کا مان رہا تھا۔کہ ان کے بیٹے ہیں۔جبکہ باقی سب کی بیٹیاں۔اور اس بات کا اظہار وہ وقفے وقفے سے کرتی رہتی تھیں۔اور خاص طور پہ حنان پہ تو اُنہیں خاص مان تھا۔اسی لئے یقین سے کہا تو عبداللہ نے بُرا سا منہ بنایا تھا۔

کبھی مجھ پہ بھی ایسا یقین کر لیا کریں۔

تم بھی کوئی اچھا کام کر کے دیکھاؤ پھر تمہیں بھی ایسے ہی کہوں گی۔بلکہ سب کے سامنے کہوں گی۔مسکراتے اُنہوں نے کہا توعبداللہ سر ہلاتا اُٹھ گیا۔

اچھی۔۔امی کل میں اسلام آباد واپس جا رہا ہوں۔تو آپ ابو کو سمجھا دیجئے گا۔کچھ سوچ کر اس نے چچی یاسمین سے کہا۔تو وہ چونکیں۔

پر تم نے تو کہا تھا۔کہ تم حنان کی منگنی تک رُکو گے پھر اب؟

ہاں کہا تھا۔لیکن ایک پرابلم ہو گئی ہے یونی میں بس وہیں جانا۔تو آپ ابا کو ذرا سمجھا دیجئے گا۔

تو تم حنان کی منگنی پہ گھر نہیں ہوگے؟

کچھ کہہ نہیں سکتا۔شائد۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شائد نہیں بھی بظاہر لاپروا ہوتے اس نے کہا۔اور ساتھ ہی ایک آنکھ بچا کر اُنہیں دیکھا۔تو وہ پریشان سی تھیں۔

عبداللہ نے سکون کا سانس لیا۔کہ اُنھوں نے زیادہ سوال نہیں کئے تھے۔اور اندر کی جانب چلا گیا۔ابا کو سنبھالنے کا کام اب امی کا تھا۔

فلک نے بالوں کو اونچی پونی میں باندھ رکھاتھا۔اور پودوں کو باغیچے میں پانی دے رہی تھی۔جب دبے پاؤں چلتا حنان اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

فلک اس کے قدموں کی چھاپ پہچان چکی تھی۔اس لئے مڑی نہیں بلکہ ایسے ظاہر کیا جیسے پتہ ہی نہ ہو۔تقریباً دس منٹ تک جب حنان نے کوئی آواز پیدا نہ کی تو فلک کی برداشت جواب دے گئی۔وہ گھومی تو وہ چہرے پہ مسکراہٹ سجائے اسے دیکھ رہا تھا۔ہاتھ سینے پہ باندھ رکھے تھے۔فلک کو ہنسی تو بہت آئی مگر روکے کھڑی اسے گھورتی رہی۔

کل کی کِک بھول گئے ہو؟خاموشی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد آخر جب حنان کا ارتکاز نہ ٹوٹا تو فلک نے دانت پیس کر طنز کیا۔تو حنان ذرا شرمندہ نظر آیا۔

اپنی چیز کو دیکھنے میں بھی اب تکلیف ہے۔منہ میں بڑ بڑاتے اس نے دائیاں ہاتھ بالوں پہ پھیرا تو فلک نے یوں ظاہر کیا جیسے سُنا نہ ہو۔لیکن اندر سے وہ

خاصی حیران تھی۔رات سے حنان خاصا کھل گیا تھا۔بات بات پہ ذومعنی جملے کہہ رہا تھا۔اور رات جو اس نے اس کا بہانے سے ہاتھ پکڑا تھا۔فلک کو ابھی تک ناگواری محسوس ہو رہی تھی۔

تمہیں کوئی کام ہے؟ اسے وہیں کھڑے دیکھ کر اپنے کام میں مصروف ہوتے اس نے پوچھا تو اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔

میں تو تم سے ملنے آیا تھا۔

آہاں۔۔۔کیا سچ میں۔۔۔میں تو خوش ہو گئی۔لہجے کو خاص طور پہ ناگوار ظاہر کرتے اس نے کہا۔تو حنان نے غور سے اس کی پُشت کو دیکھا۔اوہ اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔مگر پھر خاموش ہو گیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اچھا اگر تم فارغ ہو تو ذرا ان پودوں کو پانی ہی دے دو۔ہاتھوں کو عادت سے مجبور دوپٹے سے صاف کرتے اس نے کہا۔تو حنان کا منہ کھول گیا۔

تم کہاں؟

میں دادا ابراھیم کی طرف جا رہی ہوں۔ایک نظر اس نے اسے دیکھا۔اور آگے بڑھ گئی۔حنان کو شدید ناگواری محسوس ہوئی تھی۔وہ اسے منع کرنا چاہتا تھا۔اسے زین کی شخصیت پسند نہ آئی تھی۔لیکن وہ جا چکی تھی۔فلک کا رُخ تارا کے گھر کی طرف تھا۔

اکیلے ہم ہی شامل نہیں اس جرم میں

نظریں جب بھی ملی مسکرائے تم بھی تھے

اس نے مسکراتے بڑے ابا کے گھر کا دروازہ دھکیلا اور اندر کی جانب بڑھی۔ دلان سے گزرتے اس کا رُخ تارا کے کمرے کی جانب تھا۔لیکن بڑے ابا نے اسے دلان سے گزرتے دیکھا۔تو پاس بلا لیا۔وہ مسکراتی انکے سامنے کے صوفے پہ بیٹھ گئی۔بڑی امی بڑے ابا کے لئے باورچی خانے میں ناشتہ بنا رہی تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر اس کے لئے بھی پراٹھا بنانے لگیں۔ویسے بھی فلک کو ان کے ہاتھ کے بنے پراٹھے بہت پسند تھے۔

آج صبح صبح بچہ ادھر کیسے آ گیا۔چہرے پہ سنجیدگی کے تاثرات جمائے اُنہوں نے پوچھا تو فلک مسکرا دی۔ان کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا۔بس ہونٹ ہولے سے مسکرائے تھے۔یقیناً فلک اُنہیں بہت عزیز تھی۔

جی بس مجھے بڑی امی کے ہاتھ کے پراٹھے یاد آ رہے تھے۔سوچا جا کر فرمائش کروں۔بڑے ابا کو پیار سے دیکھتے اس نے کہا۔تو بڑے ابا مسکرائے۔

چلو اچھا کیا۔

آؤ ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کریں۔ڈائننگ روم میں ناشتہ لگ رہا تھا۔اُنہوں نے کہا۔تو فلک ان کے پیچھے چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی چل دی۔اُنہوں نے اپنے ہاتھ کے جانب کی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔تووہ بیٹھ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بڑی امی نے اس کے بیٹھتے ہی مسکراتے ہوئے اس کے سامنے پراٹھا رکھا تو وہ مسکرا کر شکریہ کہتے ناشتہ کرنے لگی۔

ابھی وہ پہلے پراٹھے سے فارغ نہیں ہوئی تھی۔جب تارا اپنی ہی دھن میں ڈائینگ روم میں داخل ہوئی۔اور سامنے بیٹھی فلک کو ناشتہ کرتے دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی۔

اوہ تم بھی آئی ہو۔پھیکا سا مسکراتے اس نے ہاتھوں کو مسلتے ہوئے کہا۔تو فلک نے کھاتے ہوئے سر ہلا دیا۔

قسم سے بڑی امی آپ جیسے پراٹھے کسی کو نہیں بناتے آتے۔آپ بس آپ ہی ہیں۔امی سلطان کو بھی بنانے سیکھا دیں ناں ایسے پراٹھے۔کھاتے ہوئے تائی امی کی تعریف کرنا اس نے ضروری سمجھا تھا۔بڑی امی مسکرا دیں۔اور ایک پراٹھا اس کی پلیٹ میں رکھا۔تو بڑے ابا بھی مسکرا دئے۔

بیٹھوناں تارا۔۔تارا کو اضطراب کی حالت میں کھڑے دیکھ کر فلک نے کہا۔تو تارا نے چور نظروں سے ابا امی کو دیکھا۔اور پھر گہرہ سانس لیتی بیٹھ گئی۔بڑی امی نے اسے بھی پراٹھا دیا۔اور پھر دونوں تقریباً بیس منٹ بعد باہر باغیچے میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔

تارا نیلے اور دھانی رنگ لون کے خوبصورت پرنٹڈ سوٹ میں اُداس اور بُجھی بُجھی سی لگ رہی تھی۔جبکہ فلک سیاہ اور مالٹا رنگ لون کے سٹائلیش سے

سوٹ میں بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

فلک نے چلتے چلتے تارا کا ہاتھ پکڑا لیا۔تارا جو اپنی سوچ میں گُم تھی چونکی۔اس نے سوالیہ نظروں سے فلک کو دیکھا۔فلک نے شانے اُچکا دیۓ۔اور ہاتھ ہوا میں جھولانے لگی۔

یار تارا۔۔تم نے مجھے مبارکباد نہیں دی۔ہاتھ کو متواتر ہوا میں جھولاتے ا س نے اُداسی سے کہا۔تو تارا نے سر گھوما کر اسے دیکھا۔

مبارکباد والا سوال وہ گول کر گئی تھی۔

تم اتنی اُداس کیوں ہو؟تارا نے جو محسوس کیا پوچھ لیا۔

کیونکہ میرے ساتھ جو ہو رہا ہے۔سب اتنا اچانک ہے۔کہ مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کروں۔خوش ہوں یا اُداس۔ہونٹ لٹکا کر اس نے رکتے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے کندھے سے جھولتے دوپٹے کو درست کرتے کہا۔تو تارا نے نا سمجھی سے اس کے ہاتھوں کی سمت دیکھا۔

لیکن مجھے تو لگا تھا۔کہ۔۔۔اس نے دانستہ آگے سے جملہ چھوڑ دیا۔فلک نے ایک ابرو اُٹھا کر اسے دیکھا۔تو تارا نے نظر کا رُخ پھیر لیا۔

کہ میں اس لنگور کو پسند کرتی ہوں۔وہ وڈیرہ مجھے کبھی اس لحاظ سے اچھا نہیں لگا۔جس رُخ پہ تم جا رہی ہو۔اس نے اپنے لفظوں پہ زور دے کر کہا۔تو تارا

نے بے اختیار اس کی جانب دیکھا تھا۔ایک دم سے اس کی آنکھوں کی روشنی بڑھی تھی۔فلک نے ذرا تعجب سے اسے دیکھا۔لیکن پھر شانے اُچکا دیئے۔

تو اب کیا انکار کرو گی رشتے سے؟لہجے کو ذرا توازن میں رکھتے اس نے پوچھا تو فلک نے سر جھکا لیا۔اور پاؤں سے گھاس نوچنے۔۔۔

پتہ نہیں۔۔۔شائد نہیں۔اس کے الفاظ نے ایک بار پھر تارا کے اندر مایوسی کی لہر اُٹھا دی تھی۔کچھ دیر پہلے کی روشنی اب ایک بار پھر مانند پڑنے لگی تھی۔فلک دیکھ نہ سکی۔

تو کیا تم اپنی مرضی کے خلاف حنان سے شادی کرو گی۔آج وہ نہ دانستگی میں حنان کو بھائی نہیں بھول رہی تھی۔

پتہ نہیں۔اس نے افسردگی سے کہہ کر چند قدم چلی اور پھر تارا کی جانب گھومی۔

چھوڑو ان باتوں کو۔۔۔ابھی میں تم سے کہنے آئی تھی۔کہ آؤ دادا ابرھیم کی طرف چلیں۔موڈ بھی بہتر ہو جائے گا۔اور رات مجھے پتہ چلا تھا۔کہ تمہاری تعبیت خراب ہو گئی تھی۔تو چلو آؤ ٹنگ بھی ہو جائے گی۔سارا منصوبہ اس نے لمحوں میں بنا لیا تھا۔تارا پہلے کب فلک کو انکار کرتی تھی۔جو اب کر دیتی۔سر ہلا دیا۔تو فلک خوش ہو گئی۔

دوپہردو بجے کے قریب وہ کسی اہم کیس کی فائل لینے گھر آیا۔تو گھر میں بریانی کی خوشبو اسے استقبال کرتی ملی۔اس نے تعجب سے خالی دلان میں نظر دوڑائی۔اور دبے قدم چلتاباورچی خانے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ملازمہ چاولوں میں چمچ ہلا رہی تھی۔زین کو مایوسی ہوئی۔اسے لگا تھا۔کہ شائد ساتھ والوں کی آنٹی آج بھی بریانی بنانے آئی ہیں۔ساتھ والوں کی آنٹی دادا ابراھیم کے دوست کی بہو تھی۔جو فوج میں ڈاکٹری کے فرائض انجام دے رہی تھی۔آنٹی جب فارغ ہوتیں تو ان کے لئے بریانی بنا کر بھجوا دیتیں یا پھر خود کبھی کبھی دادا کی فرمائش پہ ان کے ہاں آ کر بنا جاتیں۔جبکہ ان کی ملازمہ اس کام میں بالکل ناکارہ تھی۔وہ بریانی کے نام پہ نہ جانے کونسی عجیب سی چاولوں کی چیز بنا دیتی۔جسے انسان نہ اُگل سکے اور نہ نِگل۔اب ملازمہ کو دیکھ کر زین منہ بناتا۔واپس مڑ گیا۔اتنا تو کوئی بریانی کھاتے منہ میں ایلاچی آنے پہ بد مزہ نہیں ہوا ہوگا۔جتنا وہ ملازمہ کو بریانی بناتا دیکھ کر ہوا تھا۔

وہ دادا کے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔جب کسی نسوانی چیخ پہ ٹھٹک کر رُکا۔اس نے ذرا پریشان ہو کر دادا کے کمرے کو دیکھا۔تبھی دادا کا جاندار قہقہ نمودار ہواتھا۔زین نے اُلجھ کر قدم دروازے کی جانب بڑھائے اور پھر دادا کے کمرے کا دروازہ دھکیل کر کھولا۔

اور حیرت سے اس کا منہ کھل گیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دادا اس وقت نیچے قالین پہ بیٹھے تھے۔تارا فلک اور شفاء دادا کے دائیں بائیں اور سامنے بیٹھی تھیں۔اور درمیان میں پڑی لوڈو پہ سب جُھکے لوڈو کھیلنے میں مصروف تھے۔

دادا کے چہرے پہ اس وقت بچوں والی شرارت تھی۔زین کو حیرت ہوئی۔وہ اس عمر میں بھی لوڈو کھیلتے تھے۔اسے علم نہیں تھا۔وہ تو اس کام کو بہت بچپنا سمجھتا تھا۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟گلا صاف کرتے اس نے دروازے میں کھڑے پوچھا تو سب نے سر موڑ کر اسے دیکھا۔دادا پُرجوش ہوئے۔

زین آؤ۔بھئی دیکھو آج میں فلک کو ہرانے والا ہوں۔کہتے ہی وہ ایک بار پھر سے ہنسنے لگے۔زین کو وہ ہنستے بہت اچھے لگے۔

وہ تو ٹھیک ہےدادا۔لیکن آپ بیمار ہو جائیں گے۔ایسے زمین پہ بیٹھنے سے۔اور اتنا اونچی آواز میں مت ہنسیں آپ کے دل پہ زور بڑھے گا۔وہ اپنی ہی ڈاکٹری جھاڑ رہا تھا۔تارا اور فلک نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔

ارے کچھ نہیں ہوتا۔یہ دو ڈاکٹر ہیں ناں میر پاس۔

اچھا۔۔۔شکل سے تو یہ محترمہ جاہل لگتی ہیں۔فلک جو دادا کے الفاظ پہ مسکرا رہی تھی۔زین کے الفاظ پہ گھومی۔جبکہ باقی تین کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔وہ اتنا براہ راست تو کبھی تنقید نہیں کیا کرتا تھا۔خاص طور پہ مہمانوں کے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ساتھ تو وہ بالکل ایسا نہیں تھا۔فلک کے مانوں کانوں سے دھواں نکلنے لگا تھا۔

مجھے لگتا۔اب آپی فلک زین بھائی کا پکا قتل کریں گیں۔اور پھر خود جیل چلی جائیں گی۔ہائے کتنا مزہ آئے گا۔تارا کے کان میں جُھک کر شفاء نے کہا تو تارا سر پیٹ کر رہ گئی۔لیکن بظاہر پیٹا نہیں بس شفاء کو گھورا۔

کیا کہا بد تمیز انسان۔۔۔وہ فوراً اس کی جانب گھومی تھی۔زین سینے پہ بازو لپیٹ کر وہیں کھڑا ہو گیا۔وہ کس کام سے آیا تھا۔وہ بھول چکا تھا۔فلک کا بھڑکنا اسے مزہ دے گیا تھا۔مسکرایہ البتہ وہ اب بھی نہیں تھا۔

اچھا۔تو آپ اندھی ہونے کے ساتھ ساتھ بہری بھی ہیں۔

سُن کر افسوس ہوا۔اگلا وار اس بھی تگڑا تھا۔فلک تیزی سے اپی جگہ سے اُٹھی۔جبکہ دادا تو اپنے پوتے کی بد تمیزیاں دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔

کیا کہا تم نے۔۔۔۔۔

وہ مڑنے لگا تھا۔جب فلک چیخی۔باقی تین نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔جبکہ وہ بڑے تحمل سے واپس گھوما۔اور جب بولا تو لہجہ مزید سُلگھانے والا تھا۔

آہستہ بولیں۔۔۔ہم آپ کی طرح بہرے نہیں ہیں۔

آپ اپنی حد سے باہر نکل رہیے ہیں۔آپ کو بالکل تمیز نہیں ہے مہمانوں سے بات کرنے کی۔فلک کی ناک لال ہو چکی تھی۔اور کان دھوئیں کی وجہ سے

کالے۔

جی۔۔۔جب مہمان بد تمیز ہوں تو میزبانوں کو بھی بعض اوقات ایسا ہونا پڑتا ہے۔وہی الفاظ وہ صورتِ حال کے پیشِ نظر بدل کر کہہ رہا تھا۔تارا اور شفاء کا منہ کھول گیا۔جبکہ دادا کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔کہ زین کا کیا کر ڈالیں۔

دادا۔۔۔پاؤں پٹختے فلک نے مڑ کر دادا کو دیکھا۔تو دادا فوراً بیچ میں کودے۔اور زین کو گھورا۔

زین۔۔۔۔تمہیں مہمانوں سے بات کرنے کی بالکل تمیز نہیں ہے۔پوتے کو گھورتے وہ گھوٹنوں پہ زور ڈالتے کھڑے ہو گئے۔

کم آن دادا۔جانے دیں۔ہاتھ جھلاتا وہ کمرے کی راہداری چھوڑتا باہر نکل گیا۔جبکہ یہ سب کی وجہ اور معملہ سمجھتے وہ سب حیران کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے۔

فلک پاؤں پٹختی واپس بیٹھ گئی۔تو دادا نے ایک نظر تارا اور شفاء کو دیکھا۔جیسے پوچھ رہے ہوں۔کہ اب کیا؟اُن دونوں نے شانے اُچکا دئے تھے۔جبکہ دوسری طرف فلک اب زین سے حساب برابر کرنے کے منصوبے بنانے لگی تھی۔

ایسے تو میں چپ نہیں رہنے والی۔بتاؤں گی تمہیں۔کہ میں کیا چیز ہوں۔دل میں عزم کرتے اس نے سب پہ ایک معزرت والی نگاہ ڈالی۔اور واپس لوڈو بیچ میں گھسیٹ لی۔

دادا نے اُنہیں لنچ کے لئے روک رکھا تھا۔اس لئے وہ ایسے جا کر اُنہیں دُکھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

تھکے ماندے وجود کو گھسیٹتے وہ دلان میں داخل ہوا۔دلان کی تمام بتیاں گل تھیں۔اور دادا یقیناً سو چکے تھے۔اس کے محتاط قدم اپنے کمرے کی جانب اُٹھ رہے تھے۔

نیم تاریک راہداری کے سامنے سے گزرتے اس نےاپنے کمرے کے سامنے رُک کر نیند سے بند ہوتی آنکھوں اور تھکی گردن کو ہلکا سا جھٹکا دے کر تھکاوٹ کو رفع کرنے کوشش کی۔اور ہینڈل گھومانا چاہا۔جب سوتے جاگتے دماغ کی تمام حسیات ایک دم سے جاگ اُٹھی تھیں۔اس نے آنکھیں سکیڑ کر کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔یوں جیسے دروازے کے دوسرے جانب کچھ محسوس کرنے کی کوشش کی ہو۔

وہ جو دروازے کے ہینڈل پہ وزن ڈال کر اسے گھومانے والا تھا۔اس نے ہاتھ ہٹا لیا۔اور بہت آہستہ سے کمرے کے دروازے کو لاک کر دیا۔یوں کہ دروازے نے ایک بھی آواز پیدا نہ کی۔وہ دبے قدموں واپس دلان کی طرف مڑا۔البتہ اب اس کی نیند اور تھکاوٹ بھاگ چکی تھی۔اور اس کی جگہ چُستی نے لے لی تھی۔اس نے پاؤں کی انگلوں پہ چلتے ہولڈر سے چھوٹا سا پستول نکالا۔اور

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ساتھ سیفٹی کیچ ہٹا دیا۔

دلان کا دروازہ اس نے بہت آہستہ سے کھولا اور بہت احتیاط سے قدم اُٹھاتا باغیچے کی جانب نکلا۔اس کے قدم ایسے اُٹھ رہے تھے۔جیسے وہ پانی پہ چل رہا ہو۔

وہ ابھی باغیچے کے وسط میں پہنچا تھا۔جب کوئی اس کی بلکنی کی منڈھیر سے نیچے گھاس پہ کودا اور اگلے ہی لمحے بائیں جانب کی دیوار کی طرف دوڑا۔

زین جو اس لمحے کے لئے تیار تھا فوراً بھاگنے والے کے پیچھے لپکا۔

اوئے۔۔۔۔وہ دھاڑا۔

جو کوئی بھی ہو وہیں رُک جاؤ ورنہ گولی چلا دوں گا۔اس کی اواز میں جوانی کا جوش ہلکورے لے رہا تھا۔بھاگنے والا رُک گیا۔

ہاتھ اُوپر کرلو۔محتاط قدم اُٹھاتے ہاتھوں کو ہوا میں بلند کئے۔مقابل کی پُشت پہ گن تانے اس نے اگلا حکم دیا تھا۔جسے فوراً مان لیا گیا۔

زارا سی بھی چلاکی کی تو قسم ہے مجھے میں گولی چلا دوں گا۔اس کے قریب جاتے اس نے کاٹ دار لہجے میں کہا تھا۔

گھومو۔۔۔وہ دھاڑا۔۔۔

اب کی بار مقابل اپنی جگہ سے ہِلا بھی نہ۔

میں نے کہا گھومو۔وہ دوبارہ اس پہ دھاڑا اور اس کے قریب جا کر اس نے پستول کی نالی مقابل کے کندھے پہ ماری جس سے وہ تکلیف سے بلبلا اُٹھا اور گھٹنوں کے بل گرا۔زین نے متواتر پستول کی نالی اسی پہ تان رکھی تھی۔نیم تاریکی میں وہ اس کا چہرہ واضع نہیں دیکھ پایا تھا۔ہاں البتہ اس کے بال گھنگرایالے اور رنگ سیاہ معلوم ہوتا تھا۔جس کی تصیق بعد میں ہوگئی۔

زین نے اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔پستول کی نالی کو مقابل کے گھٹنۓ سے لگاتے وہ اب کی بارا تنی آہستہ بولا کہ سامنے بیٹھا شخص بمشکل سُن پایا۔

ذرا سی بھی ہلنے کی کوشش کی تو اپنی ٹانگیں کھو دو گے۔۔۔

اب آرام سے اُٹھو۔۔اور میرے ساتھ اندر چلو۔اس کے لہجے کی کاٹ اور الفاظ بتا رہے تھے۔کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔مقابل منہ سے کچھ نہ بولا۔اور ہاتھ فضا میں بلند کرتا اُٹھ کھڑا ہوا۔زین نے اسے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ چل پڑا۔

اب زین اس کی پُشت پہ پستول کی نالی تانے چل رہا تھا۔جبکہ دوسرے ہاتھ سے موبائل اس نے کان کو لگا رکھا تھا۔وہ اپنے تھانے میں فون کر رہا تھا۔

جب سے اس کو یہ نیا کیس ملا تھا۔کچھ نہ کچھ اس کی زندگی میں عجیب ہی ہو رہا تھا۔بلکہ نہیں جب سے اس نے پولیس فورس میں کرسی سنبھالی تھی۔تب سے ہی وہ عجیب عجیب حالات کا شکار ہو رہا تھا۔لیکن خیر اس سب کی ٹریننگ

لے کر ہی تو وہ اس مقام تک پہنچا تھا۔

اختر۔۔۔فون کان سے لگائے مقابل پہ گن تان کر چلتے اس نے لائن کی دوسری جانب بیٹھے تھاندار کو پُکارا۔کرسی پہ نیند میں جھولاتا تھندار جھٹ ڈھلکتی ٹوپی سیدھا کرتا اُٹھ بیٹھا۔اور سلام جھاڑا جیسے زین اس کے سامنے کھڑا ہو۔

ان تکلفات کا وقت نہیں ہے۔ایک ڈالا لے کر میرے گھر پہنچو۔ایک بندہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔

سمجھ رہے ہو میری بات میں کیا کہہ رہا ہوں۔ڈھاڑتے اس نے کہا تو دوسری جانب کھڑے اختر نے فوراً سر ہلایا۔یوں جیسے وہ دیکھ رہا ہو۔زین نے کال کاٹ دی۔وہ دونوں دلان کے داخلی دروازے کے سامنے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دروازہ کھولو۔۔۔زین نے اگلا حکم دیا تو فوراً تعمیل ہوئی۔

اندر چلو۔اس کے کندھے پہ پستول کی نالی سے وزن ڈالتے ا س نے کہا۔تو قیدی چل دیا۔اس کی خاموشی اور اس کا یوں ہر حکم بجا لانا زین کو چُبھ رہا تھا۔وہ اس کے ساتھ ڈٹ کر لڑ سکتا تھا۔وہ جسمانی طور پہ اتنا کمزور نہیں لگتا تھا۔زین نے کچھ سوچ کر اندر کی جانب چلتے مرد کے سر پہ پستول سے زور دار وار کیا۔جس سے وہ چیختا زمین پہ ڈھیر ہو گیا۔اس سے پہلے کہ پولیس پہنچتی زین مصطفےٰ آدھا کام کر چکا تھا۔اس نے ایک کرسی پہ اس آدمی کو بیٹھا رکھا تھا۔اور اس کے ہاتھ پاؤں رسی سے باندھے رکھے تھے۔اور اس کے منہ میں

ٹیشو ڈال دیا تھا۔تاکہ وہ وہ ہوش میں آنے کے بعد شور نہ کرے۔دادا جو چیخ کی آواز سُن کر گھبرا کر اُٹھ بیٹھے تھے۔اب بہت خاموشی سے اور سنجیدگی سے اپنے پوتے کی کام میں مہارت دیکھ رہے تھے۔

زین تمہیں دیکھ کر تو ایسے لگتا ہے۔جیسے لوگوں کو کڈنیپ کرنے کا کام تم بھی کرتے رہے ہو۔اُنہوں نے اس کے رسی باندھے والا انداز کو دوسرے لفظوں میں سراہا تھا۔

یار دادا اس طرح کی صورتحال میں بھی آپ مزاق کر رہے ہیں۔وہ رسی باندھنے ک بعد اس اس بے ہوش وجود کی اپنے فون میں تصویریں لے رہا تھا۔جب دادا کی بات پہ مسکراہٹ روکتا بولا۔دادا ابراھیم مسکرا دئے۔

فوجی ہوں۔۔۔مجھے کوئی بھی چیز حیران نہیں کر سکتی۔اور نہ ہی مجھے متاثر کرنا اتناآسان ہے۔چہرے کو بظاہر ہر احساس سے عاری کرتے اُنہوں نے کہا تو زین ایڑیوں پہ گھوما۔آپ سے کس نے کہا۔کہ میں آُپ کو متاثر کر رہا ہوں۔اس کے چہرے پہ بظاہر حیرت تھی۔اُنہوں نے لاپروائی سے کندھے اچکا دئے۔

کر بھی سکتے ہو۔زین مسکرا دیا۔اس نے آنکھیں سکیڑ کر سامنے ڈھلکی گردن کے ساتھ بیٹھے مرد کو دیکھا۔اس کی چند تصویریں مزید لے کر فون واپس جیب میں رکھا ہی تھا۔جب ذیہن نے کسی گڑبڑ کا سگنل دیا تھا۔اس نے چونک کر اپنے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔اور بھاگتا ہوا سیڑھیاں پار کر گیا۔

لیکن اب کیا فائدہ تھا۔اب تو گڑبڑا ہو چکی تھی۔زین نے چابی گھوما کر دروازہ کھولا تو اس ے کمرے کی الماری کا لاکر کھولا تھا۔اور خالی لاکر اسے منہ چڑھا رہا تھا۔وہ بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔فائل ہاتھ سے نکل چکی تھی۔

اسلام آباد کی سڑک پہ اس کی سرخ رنگ کار فراٹے بھرتی آگے بڑھ رہی تھی۔اس نے کار کو نسٹ بزنس سکول کے رستے میں آتی ایک پھولوں کی دُکان کے سامنے روکا۔اور کار سے باہر نکلا۔وہ عبداللہ تھا۔جس کے ہشاش بشاش چہرے پہ ایک دلفریب مسکراہٹ تھی۔وہ سیاہ رنگ شرٹ اور نیلی جینز میں آنکھوں پہ چشمہ لگائے بھلا معلوم ہوتا تھا۔

اس نے دُکان کے باہر کھڑے ہو کر پھولوں کا آڈر دیا اور خود کار میں جابیٹھا۔معلوم ہوتا تھا۔کہ وہ اکثر یہاں سے پھول لیتا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد پھولوں والے نے رنگین پھولوں سے سجا ایک بُکے اسے پیش کیا تو عبداللہ نے سر کے اشارے سے شکریہ کہا والٹ سے نکال کر پیسے ادا کئے۔اور پھول لیتا اگلی سیٹ پہ رکھتا۔آنکھوں پہ چشمہ لگائے واپس اپنے سفر کی جانب چل دیا۔پھولو ں کو دیکھ کر اس کے چہرے پہ ایک مسکراہٹ تھی۔۔۔۔جو بار بار مچل جاتی تھی۔

جمعے کا روز یوں آیا کہ منگنی کی تیاریوں میں پتہ بھی نہ چلا۔وہ اس وقت اپنے کمرے میں قالین پہ بیٹھی تھی۔اور اس ک جھولی میں لیپ ٹوپ دھرا تھا۔جس کی سکرین پہ مختلف تصویریں سلائڈ کی صورت چل رہی تھیں۔وہ تمام تصویریں حنان کی تھیں۔بچپن سے لے کر لڑکپن اور پھر جوانی کی۔وہ ہر ہر تصویر پہ ہاتھ پھیر کر اپنے آنسو صاف کرتی تبھی اگلی آ جاتی۔

حنان۔۔۔اس کے لب ہلے۔

تم میرے ساتھ ایسے کیسے کر سکتے ہو۔اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں تمہیں نظر کیوں نہیں آتا۔اس کا دل ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو رہا تھا۔جس کی آواز اتنی تھی۔کہ کمرے کی ہر چیز اس کے بولنے پہ گواہ بن رہی تھی۔

تم۔۔۔تم کو فلک ہی نظر آئی میں۔۔۔۔میں کیوں نہیں۔بہت مدھم بولتے اس نے شکوہ کیا۔یوں جیسے حنان سُن رہا ہے۔اور اس کو جواب ضرور دے گا۔

حنان تم فلک سے منگنی کر لو گے۔پھر ایک روز آئے گا شادی کر لو گے۔تو۔۔۔۔

تو حنان میں کیا کروں گی۔میرا کیا ہوگا حنان میں کیسے تمہیں بھول پاؤں گی۔۔۔تکلیف سے کہتے اس نے لیپ ٹوپ نیچے قالین پہ رکھا اور سر گھوٹنوں پہ رکھ کر مزید شدت سے رونے لگی۔

جس چیز کو اس نے بچپن سے اپنی ملکیت میں سمجھا تھا۔اب ایک دم سے کسی اور کی ہوتے دیکھنا تارا کے لئے جان لیوا ثابت ہو رہا تھا۔وہ رو رہی تھی اور کمرے میں تنہا تھی۔اور نہ جانے ایسے بیٹھی کب تک روتی جب کسی نے بہت آہستہ سے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر قدم رکھا۔وہ آپی سدرہ تھیں۔

تارا۔۔اس کے لہجے میں دُکھ ہلکورے لے رہا تھا۔تارا نے پہلی ہی آواز پہ سر اُٹھا کر آپی کو دیکھا۔اور لیپ ٹوپ کی سکرین تیزی سے نیچے کر دی۔وہ آپی سے اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ اس کی طرف بڑھیں اور پھر اس کے ساتھ ہی بائیں جانب بیٹھ گئیں۔

تارا یہ تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے۔یہ وہ الفاظ تھے۔جو کبھی تاراآپی کے لئے بولا کرتی تھی۔تارا نے سر اُٹھ کر اُن کی جانب نہیں دیکھا۔

کچھ کام تھا آپی؟آنسوں نے اس کے لہجے کو نم کر رکھا تھا۔آپی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

آج منگنی ہے۔۔۔۔

جانتی ہوں۔اس نے آنسو صاف کرتے سر اثبات میں ہلایا۔تو آپی نے افسوس سے اسے دیکھا۔

تم جا پاؤ گی منگنی پہ؟

شائد۔۔۔ہاں

شائد نہیں۔۔۔

وقت ابھی بھی گزرا نہیں ہے۔اب بھی بہت کچھ ہے جو بدلا جا سکتا ہے۔اس کا ہاتھ پکڑے اُنہوں نے کہا تو تارا نے اُنہیں دیکھا۔آنکھوں میں بہت سے سوال ایک ساتھ جمع ہوئے۔

تم حنان کو کہو۔کہ فلک اس سے منگنی نہیں کرنا چاہتی وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔۔وہ بہت سوچ کر بول رہی تھیں۔تارا نے جھٹکے سے ان کا ہاتھ چھوڑا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یہ جھوٹ ہے۔۔۔

نہیں۔۔۔آپی نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔

میں نے تم سے کہا تھا۔تم فلک کو جانتی ہو لیکن غلط۔۔۔وہ زین کو چاہتی ہے۔اور اس نے یہ بات تم سے چُھپائی ویسے ہی جیسے تم نے اپنی پسند اس سے بقول تمہارے چھپا کر رکھی۔۔۔زہر کا پیلا اب بھی سامنے دھرا تھا۔وہ ابلیس کے بہکاوے میں آنے والی تھی۔۔۔۔شائد ہاں۔۔۔۔

یا پھر شائد نہیں۔۔۔۔۔

یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔تارا اس بات پہ یقین نہیں کرنا چاہتی تھی۔

آپی سدرہ کی آنکھوں کے سامنے تمام پیچھلے مناظر چلنے لگے۔فلک کا زین سے ٹکرانا۔اس کا زین کو کھانے کی میز پہ گھورنا۔۔۔اور زین کا جواب میں اسے نظر انداز کرنا۔یہ سب اس روز دعوت میں انکی توجہ کا کسی حد تک مرکز رہا تھا۔اُنہیں زین سے کوئی عتراض نہیں تھا۔لیکن وہ فلک کو اپنی زندگی میں کسی کانٹے کی طرح محسوس کرتی تھیں۔نو سال پہلے کا واقع ان کی زندگی کو دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔وہ نو سال سے اپنے محبت کو دیکھنے سے ترس رہی تھیں۔وہ محبت جو ان کی محرم تھی۔ایک نفرت کا اُبال تھا جو ایک دم سے اُٹھا تھا۔وہ تارا کے قریب سے اُٹھ جانا چاہتی تھیں لیکن اُٹھی نہیں۔اُنہوں نے ایک دم تارا کے کندھوں کو تھام کر زور زور سے جھٹکے دیے۔بولیں تو یوں لگا جیسے ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی ہوں۔وہ لڑکی پیدا ہونے سے اب تک ہمیں کسی دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ہم سے ہمارا سب کچھ چھین چکی ہے۔یہاں تک کہ ہمارے والدین بھی ہم سے پہلے اسی کے بارے میں سوچتے ہیں۔تمھیں کیا لگتا ہے۔یہ سب اتفاق ہے۔

نہیں تارا۔۔۔نہیں۔ان کی آنکھوں میں زخم تھے۔اور یوں لگ رہا تھا جیسے آنسو کی جگہ لہو ٹپک رہا ہو۔

آپی۔۔۔آپی سنبھالیں خود کو۔اپنے کندھے سےان کے ہاتھوں کو ہٹاتے وہ چیخی تو آپی واپس ہوش میں لوٹیں۔اور ایک نظر تارا کو دیکھ کر سر تھام کر بیٹھ گئیں۔تارا آنکھیں پھیلائے حیرت سے اُنہیں دیکھ رہی تھی۔اُنہوں نے ایک نظر

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسے دوبارہ دیکھا۔اور اس کی کتابیں فون لیپ ٹوپ وغیرہ اُٹھانے لگیں۔ان کا انداز شرمندگی لئے ہوئے تھا۔

میں معزرت چاہتی ہوں۔۔۔جانے سے پہلے اُنہوں نے کہا۔

امی نیچے بلا رہی ہیں ان کی بات سُن لو۔تارا کی حیران پھیلی آنکھوں سے نظر چراتے اُنہوں نے ہاتھ مسلتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل گیں۔جبکہ پیچھے بیٹھی تارا کا دل آہستہ آہستہ ڈوب رہا تھا۔

آختر۔۔۔

جی سر۔۔۔ہاتھ میں فائل پکڑے کھڑے باوردی اختر نے فوراً چستی سے ایڑیاں اُٹھا کر کہا تو وہ جو فون ہاتھ میں پکڑے مصروف تھا اس کی جانب متوجہ ہوا۔

یار اس آدمی نے منہ کھولا کہ وہ کس کا آدمی ہے؟اور فائل کس نے چوری کی؟اس کا اشارہ اس کے گھر سے پکڑے جانے والے چور کی جانب تھا۔اختر نے سر نفی میں ہلایا

نہیں سر۔۔۔لیکن ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔

ہم م م۔۔۔۔اس نے کچھ سوچتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

تمہارے خیال میں کون ہو سکتا اس سب کے پیچھے؟وہ ایک اہم نقطہ اُٹھا رہا

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھا۔اختر نے کچھ سوچتے زین کی جانب دیکھا۔جس پہ پولیس کی وردی بہت بچ رہی تھی۔اور ہلکے سے کھنکارا۔زین نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

اور کون ہو سکتا۔۔۔اس کا انداز ڈھکا چھپا تھا۔زین سمجھ گیا۔

خیر۔۔۔اس بات کا فیصلہ بھی ہوجائے گا کہ اس سب کے پیچھے کون تھا۔ابھی تم اس بات کا ذکر کسی مت کرنا۔اس کا اشارہ فائل کی چوری کی جانب تھا۔اختر نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔

سر اور کوئی حکم ؟

ہاں !یار وہ جو بتھ خور ہم نے کل رات پکڑے تھے۔انہیں تو ذرا لے کر آؤ۔ہاتھ میں پکڑے فون کو کہنے کے ساتھ میز پہ رکھتے اس نے اگلا حکم دیا اور سامنے پڑے بھاپ اُڑاتے چائے کے مگ کو اُٹھا لیا۔وہ ابھی ابھی دفتر پہنچا تھا۔اور تھانے میں داخل ہوتے ہی درپش ہنگامے سے پتہ چلا کے کل رات گشت کرتے دو سپاہئیوں نے کچھ بھتہ خور پکڑے ہیں۔جو صبح سے سلاخوں کے پیچھے بیٹھے شور مچا رہے ہیں۔تو وہ محض سر ہلا کر اپنے دفتر میں آگیا۔اور اب وہ ان دونوں بھتہ خوروں سے ملنے کا خواہاں تھا۔اس نے کچھ سوچتے گھر کا نمبر ملایا۔

دوسری جانب جاتی گھنٹی کو چند لمحے ا سنے تحمل سے سُنا تھا جب رسیور اُٹھا لیا گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سلام بابا۔۔۔خالص بنگالی انداز میں سلام کہا گیا تو زین نے محض سر ہلایا۔گویا سلام کا جواب دیا جیسے وہ دیکھ رہی ہو۔

دادا کو ناشتہ کروا دیا؟وہ سیدھا مطلب کی بات پہ آنے والا شخص تھا۔تمہید سے اسے نفرت تھی۔

جی۔۔۔بابا کروا دیا۔

اور دوا؟اُنہیں کل رات سے بخار تھا۔اور بڑھاپے کے اس بخار نے زین کو کافی حد تک پریشان کیا تھا۔

جی وہ بھی کھلا دیا۔

اچھا۔۔۔چلو رکھتا رہوں۔اگر کوئی مسلہ درپیش ہو تو فوراً فون کر دینا اور فوری طور پر ساتھ والی آنٹی کو بلا لینا۔وہ اسے تاکید کر رہا تھا۔جب اختر کی میت میں دو سانڈھ نما انسان زین کے کمرے میں داخل ہوئے۔زین ابھی بات کر ہی رہا تھا۔جب اس نے ان دونوں کو اپنے سامنے کرسیوں پہ بیٹھتے دیکھا۔زین کے ماتھے پہ جہاں بل نمودار ہوئے وہیں۔پیچھے کھڑے اخترنے بھی اس بدتمیزی پہ دونوں کی گردن پہ ایک ایک جڑ دی تھی۔دونوں اپنی جگہ سےاُچھل کر کھڑے ہوئے

زین نے دونوں سیاہ رنگت اور گھنگریالے بالوں والے مردوں کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور اپنی کرسی چھوڑتا اُٹھ کھڑا ہوا۔اسے وہاں آئے ابھی زیادہ عرصہ

نہیں ہوا تھا۔اس لئے کچھ چیزیں اس کے لئے ابھی نئ تھیں۔البتہ بھتہ خوری آج کل عام نظر آرہی تھی۔جس سے وہ کافی پریشان نظر آ تاتھا۔چھوٹے چھوٹے نہ جانے کتنے گروہ تھے۔جو بھ خوری جیسے کام میں ملوث تھے۔

اس نے ہونٹ بھینچے پنٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ان دوںوں کی جانب سفر کیا اور پھر بالکل سامنے جا کر میز کے کنارے پہ بیٹھ گیا۔دونوں آنکھوں میں وحشت لئے اس کی جانب متوجہ تھے۔

زین مسکرایا۔۔۔پہلے کتنی بار اس کام میں پکڑے گئے ہو؟

سر۔۔اختر نے کچھ کہنا چاہا تھا جب زین نے ہاتھ اُٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔وہ دونوں اس کی اس حرکت پہ مسکرائے تھے۔زین کو ان کی مسکراہٹ ذومعنی سی لگی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

صاب اس بات سے کیا لینا دینا۔کام کی بات کریں تو تمہارا وقت بھی بچے گا اور ہمارا بھی۔ایک قدرِ موٹی زبان والے نے مسکراتے ہوئے کہا۔تو زین کی آنکھوں میں چمک ایک دم سے بڑھی۔وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا۔

تم جانتے ہو کیا بات کر رہے ہو؟

ہم تمہیں بھی حصہ دیں گے۔پر اپنے بندوں سے کہو۔کہ ہمیں تنگ نہ کریں۔پہلے بھی تمہارے بندے بہت لوگوں کو تنگ کرتے آئے ہیں۔خامخواہ بات بڑھے گی تو معملہ اوپر تک جائے گا۔تم بھی پریشان ہو گے۔اور ہم

بھی۔۔۔اس لئے۔۔۔بات کو۔۔۔

تھانے میں کھڑے ہو کر پولیس والے کو رشوت دینے پہ کونسی دفع عائید ہوتی ہے جانتے ہو۔اگلا سوال بہت نرمی سے پوچھا گیا۔تو سامنے کھڑے شخص کی مسکراہٹ میں کوئی کمی نہیں آئی۔اس نے جواب میں ابھی سر ہلایا ہی تھا۔جب زین کا ہاتھ اُٹھا۔اور ساتھ ہی ایک ٹانگ بھی حرکت میں آئی تھی۔

زین نے مقابل کے اگلے الفاظ سُنے بغیر ہاتھ کو فضامیں بلند کیا۔اور ایسا تھپڑ رسید کیا۔جس نے سامنے کھڑے شخص کے چودہ اور چودہ سے اوپر جتنے طبق تھے سب روش کر دیے۔صرف اتنا ہی نہیں اس نے اپنے بوٹ کو استعمال میں لاتے ہوئے مقابل کی ٹانگ کا نشانہ لیا تھا۔جو کان پہ ہاتھ رکھے کچھ لمحے کے لئے کان سے بہرہ ہو چکا تھا۔ٹنگ کی تکلیف سے وہ بلبلا اُٹھا تھا۔اس کے پہلو میں کھڑا اس کا ساتھی ہونٹ بھینچے زین کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔

تمہاری ہمت کیسے ہوئی تھانے میں کھڑے ہو کر ایک باوردی پولیس والے کو رشوت دینے کی۔یہ تمہارے جسم پہ چربی ہے ناں اسی میں لوہے کی گرم سلاخ سے پگھلائیوں گاناں تو سمجھ آئے گی۔کہ پولیس والے کو رشوت کا محض کہہ دینے سے کیا نجام ہو گا۔کہتے ہوئے اس نے اس کے گھورتے ساتھی کو بھی ایک رکھ کر لگائی اور پھر اُنہیں وہاں سے بھیج دیا۔اختر کی مسکراہٹ بہت گہری تھی۔جسے وہ زین کے سامنے عیاں کرنے سے ڈرتا تھا۔

جتنوں کو روکو گے اتنےا ور اُٹھیں گے۔۔۔ہم پہ تم نے ہاتھ اُٹھا کرا چھا نہیں کیا۔باہر جاتے ہوئے بھی اس سانڈھ کا نداز ایسا تھا۔کہ زین بمشکل ضبط کر پایا تھا۔البتہ اس کے الفاظ نے اسے کافی کچھ سوچنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

وہ کچھ سوچتا اپنی کرسی کی جانب بڑھا اور بیٹھ کر ہاتھ کی مُٹھی بنا کر ہونٹوں پہ جمالی۔۔۔

منگنی کے شور میں کان پڑی آواز سُنئی نہ دیتی تھی۔منگنی کا سارا انتظام گھر کے باغیچے میں کیا گیا۔اور بہت خوب کیا گیا۔باغیچہ پہلے ہی خوبصورت تھا۔اور کسی ماہر ہاتھ نے اسے اور خوبصور بنا دیا تھا۔یہاں بات صرف باغیچے ہی کی نہیں تھی۔فلک بھی نظر لگ جانے ک حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔اس کی آنکھیں جھکی تھیں۔جن میں ایک عجیب سے بے بسی جھلک رہی تھی۔وہ حنان سے منگنی پہ لاکھ دل کو سمجھاتی مگر دل تھا کہ جُھکنے کو تیار ہی نہ تھا۔

لڑکپن کے آغاز سے لڑکیاں خواب دیکھنے لگتی ہیں۔یہ حقیقت ہے۔کہ ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے۔کہ اسے ایک چاہنے واالا شخص ملے۔اس کی خواہش محض یہ نہیں ہوتی کہ کوئی صرف اسے چاہے۔اس کی خواہش یہ ہوتی ہے۔جسے وہ چاہے وہ شخص ہی صرف اسے چاہے۔دیکھنے میں تو کوئی فرق نہیں لیکن اگر غور کرو تو وضع فرق نظر آئے گا۔

حنان اسے چاہتا تھا لیکن کسی نے یہ نہیں دیکھا تھا۔کہ وہ حنان کو نہیں چاہتی تھی۔

والدین بیٹیوں کے پیدا ہوتے ہی ان کے لئے شادی کے خواب دیکھنے لگتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ وہ کسی شہزادے سی آن بان والے شخص کے ساتھ اپنی شہزادیوں جیسی بیٹی رُخصت کریں۔بیٹی جب بڑی ہوتی ہے۔اس کا ماحول اسے یہی سکھاتا ہے کہ کوئی آئے گا جو اسے سب سے کہیں دور لے جائے گا۔جس کی محبت کی چھاؤں میں رہ کر وہ ایک اچھی زندگی گزارے گی۔وہ ایسے خواب دیکھنے لگتی ہے۔کسی سے کہتی نہیں ہے۔پر اندر ہی اندر بچپن میں ماں کی سُنائی گئی کہانیوں والے شہزادے کا انتظار کرتی ہے۔اور پھر آخر ایک ایسے شخص کے ساتھ رُخصت کر دی جاتی ہے۔جو بعض اوقات سرے سے ان چاہا شخص ہوتاہے۔بعض اوقات سمجھوتہ کرتی ہے۔تو قدرت اچھا پھل ضرور دیکھاتی ہے۔اور بعض اوقت اچھے پھل کے لئے مزید صبر کرنا پڑتا ہے۔یہ سب عجیب ہے۔مگر یہی اس دنیاکا ماحول اور ریت رواج ہے۔اب بھی ہمارے ملک میں بہت کم خاندان ہیں جو نکاح کے وقت بیٹی کی اس سے مرضی جانتے۔بعض محض خانہ پوری کے لئے پوچھتے ہیں مگر کرتےاپنی مرضی ہیں اور بعض سرے سے پوچھتے ہیں نہیں۔

والیدین کی ماننا اچھی بات ہے۔والدین ہمیشہ سمجھداری سے ہی فیصلہ کرتے ہیں۔لیکن والدین اگر دین کو اول سمجھتے ہوئے تھوڑے رویئے میں نرمی رکھتے

ہوئے دین کے مطابق رشتے بنانے کا فیصلہ کریں تو شائد طلاقیں اتنی ناں ہوں۔

دھانی اور سنہری رنگ فراک میں سر کو دونوں رنگوں سے امتزاج کھاتے دوپٹے کے ساتھ ڈھامپ رکھا تھا۔اس کا سر جھکا ہوا تھا۔جس کی وجہ سے کان میں پہنے خوبصورت خالص سونے کے جُھمکے اس کے گالوں کا بوسہ لیتے معلوم ہوتے تھے۔حنان سامنے سے چلتا جب اس کے ساتھ آ کر بیٹھا تو ایک لمحے کے لئے اس کے اندر کسی نے بہت محبت سے فلک کی نظر اُتاری تھی۔دل نے کہا تھا۔کہ لڑکی تمہیں کبھی کسی کی نظر نہ لگے۔تم ہمیشہ یوں ہی میرے لئے منتظر رہو۔میرے نام رہو۔اور خوش رہو۔اور میں کبھی تمہیں خالی ہاتھ نہ لُٹاؤں۔۔۔

فلک جب آ کر بیٹھائی گئی تب اس کے ساتھ صرف پھوپو اور امی تھیں۔تارا پیچھلے دو گھنٹوں سے غائب تھی۔اور فلک کے بلانے پہ مسلسل بہانے بنا رہی تھی۔جن میں سدرہ آپی اس کے ساتھ تھیں۔فلک کو لگا تھا۔کہ شائد سچ میں تارا کی تعبیت ناساز ہے۔تبھی چپ سادھلی تھی۔

ابھی بھی وہ سر جُھکائے بیٹھی تھی۔اور بہت سی نظریں اس پہ تھیں۔جن میں ایک زین کی تھی۔

زین ابھی کچھ دیر قبل پیشانی مسلتا باغیچے میں داخل ہواتھا۔اس کے ایک ہاتھ

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں فون تھا۔جبکہ چہرے پہ پریشانی کے اثار واضع تھے۔

اس نے وہاں تقریباً بیس منٹ گزارے چند ایک بار بمشکل مُسکراتی فلک کو دیکھا۔اور پھر میزبانوں کو خُدا حافظ بولتا اُٹھ آیا۔دادا اس کے آنے کی وجہ جانتے تھے۔اُنہوں نے بھی ساتھ آنے کی خواہش ظاہر کی مگر زین نے نرمی سے منع کر دیا تھا۔وہ بخار کے باوجود بمشکل منگنی کی خاطر سفر کر کے آئے تھے۔وہ چاہتا تھا۔کہ وہ کچھ دیر یہاں اچھا وقت گزاریں تب تک وہ اپنے کام نبٹا لیتا۔

رات کی تاریکی میں نہر کے کنارے ویرانے میں تین پولیس کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔اور زین پسلیوں پہ ہاتھ جمائے نہر سے برامند ہونے والی نعش کو بہت خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔وہ نعش اختر کی تھی۔

وہ جس وقت فلک کی منگنی پہ پہنچا ابھی گیٹ پار کر رہا تھا۔جب اس کا فون بجا۔فون اُٹھانے پہ جس خبر نے اس کے عصاب کو جھٹکا دیا وہ یہی تھی۔کہ تھنیدار اختر کی نعش نہر میں تیرتی ملی ہے۔

اس نے اسے صبح ہی مسکراہٹ روکتے دیکھا۔اس کے علاوہ بھی وہ سارا دن تھانے میں خاصا اچھا دن گزار کر گھر جا رہا تھا۔جب وہ نہر میں گرا۔اس کی بائک کی اگلی بتی شائد خراب تھی۔اور بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا۔کہ اختر کی حادثے

میں موت ہوئی ہے۔لیکن زین جو کہ اختر کی نعش کے سامنے کھڑا تھا۔جیسے کچھ سوچ رہا تھا۔کچھ تھا جو اس کی آنکھوں کی چمک کو بڑھا رہا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے گہرہ سانس لے کر اندر کی گھوٹن کو کچھ کم کرنے کی کوشش کی اور دائیں جانب دیوارپہ لگے بجلی کے بورڈ پہ ہاتھ مار کر سارے بٹن گرا دیئےاور کمرے پہ ایک طائرانہ نظر ڈالتا وہ پاؤں تقریباً گھسیٹتا اپنے بیڈ تک پہنچا جس کی سفید بیڈ شیٹ سلوٹوں کے بغیر بتاتی تھی۔کہ وہاں سے کسی کا گزر نہیں ہوا تھا۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی ٹوپی کو بیڈ کی سائڈ ٹیبل پہ رکھا اور پھر بغیر جوتے اتارے بیڈ پہ لیٹ گیا۔اس کی ٹانگیں آدھی بستر سے نیچے آدھی اُوپر تھیں۔

تیز روشنی سے بچنے کے لئے اس نے آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لئے۔اور آنکھیں موند لیں۔

کل غائب ہونے والی فائل اس کے دماغ سے نکل چکی تھی۔اور اب اس کی جگہ اختر کی موت نے لے لی۔اس کا دماغ ایک ہی نقطے پہ آ کر پھنستا تھا کہ یہ سب کون کر سکتا تھا۔؟کون ایک باوردی پولیس افسر کو قتل کرنے کی جرت کرسکتا تھا۔؟

اس کے دماغ کی تنابیں کسی ہوئی تھیں۔اور مسلسل اختر کی بیوی اور بڑی بیٹی

کی سسکیاں اس کے دماغ کی چولیں ہلا رہی تھیں۔یہ اس کا پہلا کیس تھا جس میں پہلی بار وہ کسی افسر کی موت یا شہادت پہ دل سے غمگین تھا۔اس لئے یہ پہلا تجربہ تھا کسی اپنے جاننے والے کو کھونے کا۔

کان میں گونجتی سسکیوں سے نکلنے کے لئے وہ بیڈ سے اُچھلنے کے سے انداز میں اُٹھا اور باتھ روم کی جانب بڑھا۔اس نے بغیر لباس کو بدلے ہی جوتوں سمیت شاور کے نیچے کھڑے ہو کر شاور کھول دیا۔

یہ اس لمحے اس کے اندر کا اضطراب تھا۔جو اس کے دماغ کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو وقتی طور پر جیسے مفلوج کر رہا تھا۔

دل ایسے بے چین تھا جیسے اندر کوئی بارود کا گولا ہو جو حلق میں کہیں اٹک سا گیا ہو۔

وہ نماز کے پابند کبھی کسی سے دشمنی نہ رکھنے والے شخص تھے۔تھانیدار اختر کی بیوی کے الفاظ اس کے کان میں ایک بار پھر سے گونجے۔زین نے کانوں کی لوؤں کو مسلنا شروع کر دیا۔کانوں کو مسلنے سے کیا ہونا تھا۔وہ آواز تو اس کے دماغ میں جزب تھی۔

سر میری خواہش ہے۔کہ میری بیٹی ڈاکٹر بنے۔میں اسے سفید اورآل میں دیکھوں۔وہ لوگوں کی ہمدرد ہو۔اختر نے ایک بار بہت جزبے کے عالم میں زین کو بتایا تھا۔شائد یہ زین کی وہاں مجودگے کے آغاز کے ایام تھے۔زین نے ضبط

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سے ہونٹ بھینچ لئے اور کانوں کو مسلنے کا کام چھوڑ دیا اور وہیں دیوار کا سہار لے کر کھڑا رہا۔اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے۔بس تکلیف تھی۔کسی بے کس کی موت وہ بھی زین مصطفٰے کے علاقے میں۔۔۔زین کے لئے یہ بات برداشت کرنا ناممکن تھا۔

اختر کی موت کیسے ہوئی یہ بات اس کی نعش کے ملنے کے ٹھیک آدھے گھنٹے بعد اسے بتا دیا گیا تھا۔اور زین کو یہ جان کر بالکل حیرت نہیں ہوئی تھی۔کہ اختر کی موت کوئی حادثہ نہیں بلکہ سوچی سمجھی چال تھی۔اختر کی قمیض کا پھٹا گریبان اس بات کا ثبوت تھا۔کہ قاتل اور اختر کے درمیان ہاتھ پائی ہوئی تھی۔چند منٹ تک زین نے پانی کے نیچے کھڑے ہو کر دماغ کو پُر سکون کرنے کی سیعہ کی اور پھر جب کسی حد تک کامیاب ہوا تو شاور کو بند کرتا دیوار گیر واڈروب کی جانب بڑھ گیا۔

رات کی سیاہی دن کے اُجالے میں پھیلنے کو بےتاتب تھی۔جب منگنی کا اختتام ہوا۔اور مہان اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔چونکہ زیادہ تر مہمان گاؤں کے تھے۔تو مہمانوں کو واپس جانے میں کوئی مشکل نہیں ہوئی تھی۔اور جو شہر سے آئے تھے وہ بھی زیادہ دور سے نہیں آئے تھے۔اس لئے وہ بھی تقریب کے ختم ہوتے ہی واپسی کے مختصر سے سفر پہ روانہ ہوگئے۔

www.neweramagazine.com

فلک دلان میں صوفے پہ محض تین گھنٹے بیٹھنے کے بعد ایسے ہو گئی تھی۔جیسے اسے کسی نے دار پہ لٹا دیا ہو۔اس کی کمر بالکل اکڑ چکی تھی۔اور ساتھ ہی ٹانگوں میں اُٹھنے والی ٹیسوں نے اس کے چہرے کے زاویئے بگاڑنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی تھی۔پھوپو نے جب اس کی حالت دیکھی تو وہ اسے کمرے میں لے آئیں تھیں۔

کمرے میں آتے ہی فلک نے بغیر کسی قسم کے تاثر کے اپنے ایک عکس کو شیشے میں دیکھا۔اور پھر باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔

اس کے کانوں میں مسلسل سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔اور ایک بے تابی تھی جو محسوس کی جا سکتی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے بیڈ پہ لیٹتے غیر ایرادی طور پر ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو گھومانا شروع کر دیا۔

حنان کا مسکراتا چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔اس نے بے بسی سے کروٹ بدلی اور چہرے پہ ہاتھ رکھ کر ماتھے پہ ہلکا سا وزن ڈال کر دماغ کو ایک ٹرانس سے نکالنے کی کوشش کی۔

بلند آواز سے چلتا میوزک اس کے صبر کو آزما رہا تھا۔مگر سب کے علاوہ اس کے چہرے پہ جہاں ناگواری کا تاثر تھا۔وہیں ایک انجانا سا ڈر اور خوف بھی

تھا۔وہ جو قدم اُٹھانے جا رہی تھی۔اس ایک قدم کے اُٹھانے سے یا تو وہ بہترین نتائج حنان کی صورت حاصل کر لیتی یا پھر دوسری صورت میں موت ہوتی جو مقدر ٹھہرتی۔اب کیا ہونا تھا یہ وقت اور اس کی چال کو ظاہر کرنا تھا۔

اس نے محتاط قدم اُٹھاتے اردگرد دلان میں دیکھتے گیسٹ روم کی جانب رُخ کیا۔جو اس وقت بالکل خالی تھا۔اس نے اندر جاتے ہی تیزی سے دروازہ بند کیا اور کلچ میں رکھا فون نکال کر ٹھلتے ہوئے ایک نمبر ڈائل کرنے لگی۔

اس کے قدم اضطرابی انداز میں دائیں بائیں چکر کاٹ رہے تھے۔اور وہ اس لمحے ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہی تھی۔

وہ موبائل کان سے لگائے ابھی دوسری جانب جاتی گھنٹی سُن رہی تھی۔جب باغیچے سے شور و غوں غاں اور ہائے وہو ہا کی آوازوں نے ثبوت دیا کہ منگنی کی رسم ادا کی جاچکی ہے۔اس کی آنکھ سے کچھ چھن کر ٹوٹا اور اس کی قدموں میں گر گیا۔

اس سے پہلے کے اس کے گلے سے کوئی سسکی نمودار ہوتی دوسری جانب سے کال اُٹھا لی گئی۔

ہیلو۔۔۔منیزہ ؟

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

سگار کا بڑا سا کش لگا کر اُنہوں نے سارا دھواں فضا میں منتقل کیا اور اپنے

بائیں جانب کھڑے سیکٹری کو کن اکھیوں سے دیکھا۔جو بہت اضطرابی انداز میں فائل کے اوراق پلٹ رہا تھا۔ایسا وہ پندرہ منٹ میں شائد بیس بار کر چکا تھا۔

سر۔۔۔سر یہ فائل وہ نہیں ہے۔ہونٹ کاٹتے آخر اس نے وہ خبر سُنا ہی دی۔جو اسے موت کے قریب لے کر جا سکتی تھی۔یوں جیسے اس نے اپنی موت کا مژدہ خود سُنایا ہو۔ساتھ ہی اس نے خشک ہوتے ہونٹوں کو تر کیا جو اس کے خوف و اضطراب کو ظاہر کر رہے تھے۔

ضیاء صاحب اپنی کرسی پہ گھومے اور ہاتھ میں پکڑی سگار کو سامنے کانچ کی میز پہ پڑی ایش ٹرے میں پٹخ دیا۔

کیا یہ فائل تم اب دیکھ رہے ہو؟انکا لہجہ کسی بھی احساس سے عاری تھا۔عیاز نے اثبات میں سر ہلایا۔اور ساتھ ہی ایک بار پھر سے خشک ہوتی زبان کو تر کیا۔

جی سر۔۔۔بس وہ کل۔۔۔کل آفس سے گھر لیٹ گیا تو۔۔۔۔۔

میں نے تم سے تمہید نہیں مانگی بے وقوف۔۔۔وہ دھاڑے تو عیاز کے چھکے چھوٹ گئے۔اس کا ہاتھ بے اختیاری انداز میں اپنی ٹائی کی ناٹ کی جانب گیا۔جسے اس نے قدرِ ڈھیلا کر نے کی سیعہ کی۔جیسے اس کا سانس رُک رہا ہو۔اور وہ سانس لینا چاہتا ہو۔

میرے پاس کام کرتے تمہیں دو سال ہونے کو آئے ہیں اور تم اتنے احمق اور

کندِ ذہن ہو کہ اپنے کام چوری چُھپانے کے لئے ایک اچھا بہانہ تک نہیں بنا سکتے۔ان کی آواز میں جہاں قہر تھا وہیں ان کی شخصیت میں سحر تھا۔عیاز نے شرمندگی کے باوجود ان کے گہرے نیلے قیمتی سوٹ کو دل میں سراہا تھا۔

سوری سر۔۔۔۔

سوری۔۔۔؟ وہ دھاڑے۔۔۔

تمھیں لگتا ہے۔کہ ایک سوری سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔بے وقوف آدمی۔ان کا سرخ چہرہ ضبط سے مزید سرخ ہو رہا تھا۔

وہ دو ٹکے کا پولیس والا۔تمہاری اس حماقت کی وجہ سے چوکنا ہو چکا ہو گا۔اور یقیناً اصلی فائل بھی اب وہ کسی اور مقام پہ چھپا چکا ہو گا۔۔۔ان کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔کہ وہ کیسے اُپنے سامنے کھڑی شخص کو وہاں سے غائب کر دیں

بس بہت ہوا۔۔۔اُنہوں نے ہاتھ اُٹھا کر جیسے کچھ فیصلہ کیا۔عیاز کا دل زور سے دھڑکا اور اس نے سر اُٹھا کر بیچاری سی نظروں سے سامنے بیٹھے شاندار شخصیت کے حامل اپنے بوس کو دیکھا۔جس کی شاطر آنکھیں اس وقت اس وقت عیاز پہ ہی جمی تھیں۔

دلاور کو میرے پاس بھیجو۔۔۔تم آج سے محض فیکٹری کا کام سنبھالو گے۔اب جاؤ اور اگلے تین دن تک مجھے اپنی شکل بھی مت دیکھانا۔ہاتھ کو کرسی کے بازو پہ مارتے اُنہوں نے چلا کر کہا تو عیاز کی جیسے جان میں جان آئی۔وہ تیزی

سے سر ہلا کر آفس سے باہر نکلا تھا۔جبکہ اندر بیٹھے ضیاء صاحب جیسے اپنی قسمت پہ افسوس کر کے رہ گئے تھے۔

گھورک سیاہ رات۔۔۔۔

تاریک آسمان اور ہلکی کھنکتی ہوا۔اس نے فیکٹری کی عمارت سے نکلتے ہوئے باہر سیاہ آسمان کے نیچے سڑک کے کنارے لگے سٹریٹ لائٹ پولز کی مدد سے ماحول پہ ایک طائرانہ نظر ڈالی اور کوٹ کی جیب سے کار کی چابی نکالتا پارکنگ لاٹ کی جانب بڑھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسلام آباد میں موسم آجکل خوشگوار تھا۔

اس کے قدم مکینکی انداز میں کار کی جانب بڑھ رہے تھے۔اور جوتوں کے نیچے آنے والے پتھر جب چرچراتے خاموش فضا میں ان ک آواز یوں معلوم ہوتی جیسے کوئی زخمی بھیڑیا تاریک ویران جنگل میں تنہا چل رہا ہو۔وہ بھی اس وقت کسی زخمی بھیڑے کی طرح ہی خود کو محسوس کر رہا تھا۔کیونکہ ضیاء صاحب اس وقت بھی آفس میں اپنے نئے سیکٹری دلاور کے ساتھ مصروف تھے۔اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ دلاور نے آتے ہی ضیاء صاحب کو متاثر کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھ چھوڑی تھی۔تبھی لنچ کے اوقات میں بھی وہ دلاور کو ہی ساتھ لے کر گئے تھے۔جبکہ عیاز کو تو اپنے ساتھ ایک گلاس پانی تک نہ پینے دیتے۔حسد کی

ایک ان دیکھی آگ نے اسے اندر سے جلا ڈالا تھا۔لیکن وہ صبر کا گھونٹ پینے کے سوا کچھ نہ کر سکا۔

اس نے کار کے قریب پہنچ کر کار کو ان لاک کیا۔اور فیکٹری کے داخلی دروازے سے اوپر تیسرے پورشن میں بنے دفتر کی روشن کھڑکی کو دیکھتا۔گہرہ سانس لے کر بیٹھ گیا۔

ابھی اس نے کار چلا کر سڑک پہ ڈالی ہی تھی۔جب ڈیش بورڈ پہ پڑا عیاز کا فون ایک مخصوص دھن پہ گُنگنانے لگا۔فون کی گھنٹی کی آواز سُن کر اس نے کار آہستہ کی اور ساتھ ہی کال بغیر دیکھے موصول کر لی۔اس وقت اس کی نظر سامنے سڑک پہ تھی۔اور چونکہ یہ فیکٹری کا علاقہ تھا تو یہاں رش قریباً نہ ہونے کے برابر تھا۔بس کوئی کوئی سواری تھی۔جو کبھی کبھی گزرتی نظر آ جاتی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جی؟سلام کا تو جیسے رواج ہی نہ تھا وہاں۔

کسے ہیں عیاز روبانی صاحب؟ جی کے جواب میں دوسری جانب سے بڑے ذومعنی انداز میں حال پوچھا گیا تو عیاز کے ماتھے پہ بل نمودار ہوئے تھے۔اگرچہ وہ ایک بے وقوف شخص مشہور تھا۔لیکن اتنا تھا نہیں وہ اپنے بوس کے نام کو اپنے حق میں استعمال کرنا بڑے اچھے سے جانتا تھا۔اور اکثر ایسا رویہ دیکھاتا تھا جیسے کوئی بہت بڑی ریاست کی مشیر ہو۔

کون؟فون کان سے ہٹا کر اس نے پہلی بار سکرین کو دیکھا تھا۔نمبر انجان تھا۔

تمہارا باپ کدھے۔۔۔کہہ کر ایک بے ہنگم قہقہ لگایا گیا۔تو عیاز کے ماتھے پہ مزید بل نمودار ہوئے اس نے کار کو سڑک کے کنارے ایک جانب روک دیا۔

میرے باپ کو تو مرے ہوئے بھی سال بیت گئے۔تُو کونسا میرا باپ ہے بے۔۔۔دانت پیس کر اس نے کہا تو دوسری جانب ایک بار پھر سے قہقہ لگایا گیا۔یوں جیسے اس کی بات سے مقابل خوب محظوظ ہوا تھا۔

ہے ایک تیرا باپ جسے تو بھی نہیں جانتا۔خیر۔۔۔اس بات کو کسی اوروقت کے لئے سنبھال رکھ۔اور اب ذرا میری بات دھیان سے سُن۔

وہ جو فائل تُونے چوری کی ہے ناں۔وہ مجھے دے دے۔پولیس والے سے معافی مانگ لے اور معملہ رفع دفع کر دے۔تُو کون ہے۔یہ وہ زین مصطفٰے جانتا تھا۔تجھے وہاں کس نے بھیجا یہ بھی اس کے علم میں ہے۔وہ پاگل ہوا پھر رہا ہے۔۔۔ویسے بھی تیرے بوس کے خلاف جو فائل اس نے اس وقت سنبھال رکھی ہے۔وہ تیرے بوس کی پہنچ سے بہت دور ہے۔اس لئے بہتر ہے کہ تو سن سانڈھوں کی جنگ میں اپنے آپ کو مت مروا اور وہ فائل مجھے دے دے۔وہ شخص خاصا تیز معلوم ہوتا تھا۔عیاز روبانی نے بمشکل اپنی گھبراہٹ روکی۔

ک۔۔۔کونسی فائل؟

میں نے کوئی۔۔۔کوئی فائل چوری نہیں کی۔

ایک شریف آدمی پہ چوری ا لزا م لگاتے شرم آنی چاہیئے تمہیں۔آئندہ مجھے تمہاری کال آئی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔کہہ کر اس سے قبل کہ مقابل کچھ کہتا اس نے فون بند کر کے تقریباً ڈیش بورڈ پہ پٹخا تھا۔ضیاء صاحب جو اسے بے وقوف بولتے تھے سہی بولتے تھے۔اور اس نے یہ ثابت بھی کر دیا تھا۔اس کا یوں گڑبڑنا دوسری جانب بیٹھے شخص کو بتا دینے کے لئے کافی تھا کہ فائل کس نے چورائی تھی۔

عیاز جان نہیں پایا تھا لیکن وہ ایک پروٹیسٹ فون کال تھی۔جو پولیس کی جانب سے کی گئی تھی۔

باسط نے فون کان سے ہٹا کر بمشکل اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا اور پُشت کی جانب بیٹھے زین سے مخاطب ہوا۔تو لہجہ مہذب تھا۔

سر آپ نے ٹھیک کہا تھا۔فائل ضیاء کے ہی سیکٹری نے چورائی تھی۔وہ مانا نہیں لیکن اس کے انداز نے بتایا دیا۔کہ وہی چور ہے۔

ہم م م۔زین کرسی پ گھوم کر سامنے کی جانب آیا۔

ان کے خلاف ایک ایف آئی آر درج کرو۔اور کیس میں تیزی لاؤ۔یہ اب میرے ہاتھوں سے نہیں بچیں گے۔اس کے لہجے میں درشتی تھی۔باسط گڑبڑا گیا۔

لیکن سر وہ فائل صرف ضیاء آفندی کے حوالے سے تو نہیں ہے۔وہا ں تو اور

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بھی بہت سارے لوگوں کے نام درج ہیں ہم ان پہ فلحال ہاتھ ڈالنے کی پوزیش میں نہیں ہیں۔باسط نے اپنی طرف سے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔تو زین نے محض ایک نظر جواب میں دیکھا تھا۔باسط کی سیٹی وہیں گم ہوگئی۔وہ جی سر کہتا سلوٹ کر کے وہاں سے نکل آیا۔

یہ صاب خود بھی مریں گے اور ہمیں بھی مروائیں گے۔اختر کے قتل سے دو دن بعد ہی تھنیدار باسط کو ضلع ملتان کے تھانے میں بھیج دیا گیا تھا۔باسط اکتیس سال کے قریب کا مضبوط قامت رکھنے والا خوش مزاج نوجوان تھا۔

زین نے فون کان سے لگا کر کچھ دیر قبل ملائے گئے نمبر سے جواب موصول ہونے کا انتظار کیا تھا۔تیسری بیل پہ فون اُٹھایا گیا تو زین نے بمشکل اپنے آپ کو سخت الفاظ کہنے سے روکا تھا۔

کہاں تھے طیب؟کتنی بار کہا ہے کہ موبائل کو اپنے پاس رکھا کرو۔دانت پیس کر اس نے کہا تو طیب نے بمشکل ضبط کیا۔اور سوری سر کہہ کر معملہ سنبھالا۔

میں نے جس بندے کی تصویریں تمہیں بھیجی تھیں۔اس کی رپورٹ مجھے ابھی تک موصول نہیں ہوئی۔

وجہ جان سکتا ہوں۔لہجے میں طنز سمیٹے اس نے کہا تو طیب جو کمپوٹر کے سامنے بیٹھا سکرول کر رہا تھا۔گہرہ سانس لے کر رہ گیا۔زین نے سارے علاقے کی واٹ لگا رہی تھی۔تو وہ کیا چیز تھا۔

سر میرا ہوم ورک بالکل مکمل ہے۔اور میں وہی سب بتانے کے لئے آپ کو فون کرنے والا تھا۔لیکن چونکہ رات کا وقت تھا۔تو۔۔۔۔

اچھا۔۔اچھا تمہید باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔بس مطلب کی بات کرو۔اور آئندہ کام ہوتے ہی فوراً فون کر دینا۔

جی سر۔۔۔۔

سر جس شخص کے بارے میں معلومات آپ چاہتے ہیں۔وہ

طیب تیزی سے بات مکمل کرو۔اب کی بار وہ پھر سے دھاڑا تو طیب کا دل چاہا ہاتھ میں پکڑا فون سامنے دیوار پہ دے مارے۔مگر افسوس کے وہ ایسا نہیں کر سکتا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جی سر۔۔۔مرے ہوئے لہجے میں کہہ کر اس نے دوبارہ بات کا آغاز کیا تھا۔

سر اس کا نام شکور باجواہ ہے۔اور ادھر ملتان میں اس کا بوکسنگ کلب ہے۔خود بھی یہ ایک بوکسر رہ چکا ہے۔2003 میں اس کی بیوی کی حاثاتی طور پر موت ہوگئ تھی۔جس کے بعد اس نے بوکسنگ چھوڑ دی۔اس کے چار بچے ہیں۔تین بیٹیاں اور ایک بیٹا۔

اس کی بڑی بیٹی ایک نجی سکول میں پڑھاتی ہے۔باقی دو بھی بڑی کی طرح نجی سکولوں میں پڑھاتی ہیں۔ساتھ ہی پڑھائی کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔بس سر

بیچارے کی بیٹے کے معملے میں ذرا قسمت خراب نکلی۔طیب کی ایک ایک بات زین بغور سُن رہا تھا۔

سر اس کا ایک ہی بیٹا ہے اکرام شکور۔۔۔جسے سر یار دوستوں نے نشے کی عادت ڈال دی۔اس کا بیٹا اٹھارہ سال کی عمر سے نشہ کر رہا ہے۔اور سر اکثر سڑک پہ راہگیروں سے مار کھاتا نظر آتا ہے۔نشے کی وجہ سے اس کے بیٹے کا کئی بار ایکسیڈنٹ بھی ہوا ہے۔مگر وہ اپنی حرکتوں سے بعض نہیں آتا۔

طیب کا سارا ہوم ورک تیار تھا۔زین نے گہرہ سانس لے کر نئے احکامے دئے اور پھر کُرسی دھکیلتا اُٹھ کھڑا ہوا۔

میں دس منٹ سے یہاں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔جھنجھلا کر اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل کو زور سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پہ مارا اور پھر کندھے اور کان کے بیچ رکھے فون کو وہاں سے نکال کر ہاتھ سے پکڑا۔

سوری بس میں صبح لیٹ ہو گیا تھا۔۔۔مسکراہٹ روک کر کار چلاتے۔۔۔۔بلکہ دوڑاتے اس نے کہا تو نمرہ دانت پیس کرر ہ گئی۔

سوری۔۔۔سوری ڈارلنگ غصہ مت کرو۔بس دو منٹ دو میں آ رہا ہوں۔سرخ کار کو اسلام آباد کی سڑک پہ بھگاتے اس کا رُخ تیزی سے جنوب سمت کی جانب تھا۔

تم کبھی بھی وقت کی پابندی نہیں کرتے۔مجھے سمجھ نہیں آتی تم رات بھر جاگ کر کونسے خزنے تلاش کرنے کے منصوبے بناتے ہو جس کی وجہ سے تم ہر روز لیٹ ہوتے ہو۔نازک اندام لڑکی کا مزاج اس وقت کوئلے کی مانند گرم تھا۔عبداللہ نے ہونٹوں سے پھوٹتی مسکراہٹ بمشکل روکی تھی۔

تمہارا اوراپنا مستقبل محفوظ کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور کیا کروں گا۔

اور اب غصہ مت کرو۔بس میرا انتظار کرو۔میں آ رہا ہوں۔

جلدی آءؤ۔۔۔آج میری اہم کلاس ہے۔تم جانتے ہو۔میں نے کل ہی تمہیں کہہ دیا تھا۔پر تم۔۔۔تم کبھی میری بات کو اہمیت نہیں دیتے۔ضبط سے کہتے لڑکی نے آخر رابطہ ختم کر دیا۔۔۔اور سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے شوہر کا انتظار کرنے لگی۔

وہ اس وقت سیاہ جینز پہ خاکی گھٹنوں تک آتی شرٹ پہنے گولڈن ڈائی کئے بالوں کو کھول کر نیچے سے مصنوئی کرل دیۓ۔اچھی لگ رہی تھی۔اس کی خاندانی ناک پہ اس وقت غصہ سوار تھا۔جس کا گراف وقت کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا تھا۔

عبداللہ کی آنکھوں کے سامنے بار بار نمرہ کا پاؤں پٹخنا۔۔۔شدید غصے میں مُٹھیوں کو بھینچ لینا اور پھر چہرہ پھیر لینا گھوما تو دل چاہاکہ اُڑ کر اس تک پہنچ جائے۔وہ یہی چاہتا تھا۔لیکن قسمت خراب کہ جب وہ اُڑ کر پہنچنے کے منصوبے

بنا ہی رہا تھا۔بالکل عین اُسی لمحے اس کی کار میں سے گیس ختم ہو گئی۔۔اس نے قدرِ حیرت سے چلتے چلتے ایک دم سے دھیمی ہو کر رُکتی کار کو دیکھا۔اور پھر سامنے لگے میٹر پہ صفر تک جاتی سوئی کو دیکھ کر وہ ماتھہ پیٹ کر رہ گیا تھا۔

اس نے بے بسی سے ہاتھ کی ہتھیلی کو دو تین بار کار کے سٹیرنگ پہ مارا اور پھر سیٹ بیلٹ ہٹاتا دروازہ کھولتا باہر نکل آیا۔

وہ اس وقت چیک شرٹ پہ نیلی جینز پہنے خالی سڑک دیکھ کر اپنی قسمت کو رو رہا تھا۔جب ڈیش بورڈ پہ پڑا فون ایک بار پھر سے بجا۔کال موصول کئے بغیر بھی وہ جانتا تھا۔کہ یقیناً دوسری جانب اس کی منکوحہ نمرہ تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کے چہرے سے کچھ دیر پہلے کی مسکراہٹ غائب تھی۔اور اب اس کی جگہ بے بسی نے لے لی تھی۔اس نے کال اٹنڈ کر کرکے موبائل فون کان سے لگایا ۔دوسری جانب وہ کہہ رہی تھی۔

عادی تم آرہے ہو یا نہیں۔۔۔میرے سارے د ن کی بینڈ بجا کر رکھ دی ہے تم نے۔وہ کس صورتِحال سے گزر رہی تھی عبداللہ کو انداہ ہو رہا تھا۔

سوری۔۔ڈارلنگ میری کار میں گیس ختم ہو گیٰ ہے۔میں اس وقت رستے میں اٹکا کھڑا ہوں۔۔۔۔

سوری۔آخر میں اس نے سوری بول کر جیسے جان بخشی کی درخواست کی تھی۔

بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری کھٹارا کار۔اور آئندہ مجھے لینے مت آنا۔دانت پیس کر اس نے کہا اور پھر ساتھ ہی فون بھی رکھ دیا تو عبداللہ محض گہرہ سانس لے کر رہ گی تھا۔

کھٹارہ کار پہ ایک بار اس نے مڑ کر اپنی قیمتی کار کو دیکھا تھا۔سرخ رنگ ئی نکور کار اس کی پُشت پہ کھڑی عبداللہ کو منہ چڑھاتی محسوس ہوئی تھی۔وہ کار کے بونٹ پہ چڑھ کر بیٹھ گیا۔

یار تم نے اچھا نہیں کیا۔یقیناً یہ شکوہ اس کا اپنی کار سے تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تارا۔۔۔

اُٹھو۔۔۔وہ اس سے لحاف کھینچتی اس کے کان میں دھاڑی تو تارا نے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ کر ہنستی فلک کو دیکھا تھا۔جو ا س کے سر پہ کھڑی تھی۔اور اس کے ایک ہاتھ میں ٹوکری تھی۔جس میں شائد کچھ اشیاء تھیں۔

تارا نے ایک نظر اس کے تروتازہ چہرے کو دیکھا اور کروٹ بدل لی۔فلک نے حیرت سے اسے دیکھا۔اور پھر ہاتھ میں پکڑی ٹوکری زمین پہ پٹخنے والے انداز میں رکھی۔

اُٹھتی ہو یا پھینکوں پانی۔دھمکی دیتے اس نے میز پہ پڑے پانی بھرے جگ کو اُٹھایا تو تارا گہرہ سانس لے کر رہ گئی۔

فلک تنگ مت کرو۔مجھے سونا ہے۔اس سے پہلے کہ فلک اپنا کہا پورا کرتی اس نے کہہ دینا ضروری سمجھا تھا۔فلک اسے گھور کر رہ گئی۔اور جگ واپس میز پہ رکھ دیا۔

میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا کہ تم اس وقت کیا چاہتی ہو۔میں نے یہ کہا ہے۔کہ اُٹھو مجھے تمہارے ساتھ باہر گھومنے جانا ہے۔فلک نے ایک بار پھر سے کہنے کے ساتھ اس پہ سے لحاف کھینچا تو تارا جھنجھلا کر اُٹھ بیٹھی۔

یار فلک سمجھ کیوں نہیں آتی تمہیں مجھے نہیں جانا کہیں۔پلیز تنگ مت کرو۔بکھرے بالوں کے ساتھ سوجی ہوئی آنکھوں کو جھکا کر اندر چُھوپے درد کو فلک کی نظر سے چُھپاتےاس نے قدرِ بےزاری سے کہا تو فلک اسے گھور کر رہ گئی تھی۔اس کی نظریں چورانے کی حرکت پہ فلک نے غور کیا تھا یا پھر شائد غورکر کے انجان بن گئی تھی۔

تار پیچھلے کتنے دن سے ہم ملتان میں ہیں۔ہم ایک بار پھر باہر گھومنے نہیں گئے۔اب ضد مت کرو۔چلو ناں پلیز۔اب وہ باقائدہ تارا کو بستر سے اُتار کر نیچھے کھڑا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

تارا آخر تھک کر اُٹھ کھڑی ہوئی جانتی تھی۔وہ ایسے ٹلنے کی نہیں۔

اس نے کھڑے ہوتے اب ذرا غور کیا تو اسے فلک کی تیاری نظر آئی تھی۔

نیلے رنگ کی کاٹین کی شرٹ تھی۔جس کے گلے پہ سفید رنگ کی دھاگے کی

کڑھائی ہوئی تھی۔قمیض کے بازو کھولے کھولے تھے۔اور بازوؤں کے کناروں پہ بنے باڈر میں بہت خوبصورت پھول بنے تھے۔جو مختلف رنگوں کے پھولوں سے مزین تھے۔اسی طرح کے پھول قمیض کے دامن پہ بنے تھے۔سوٹ خوبصورت تھا اور پہننے والی پہ تو اور بچ رہا تھا۔تارا کے اندر جیسے کسی احساس نے سر اُٹھایا تھا۔اس نے نظر جُھکا لی۔فلک نے اسے جانچا۔

کیا ہوا رُک کیوں گئی جاؤ ناں۔اسے وہیں کھڑےہاتھ مسلتے دیکھ کر فلک نے پوچھا تو تارا نے اب کی بار سر اثبات میں ہلایا اور باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔

محترمہ کو ایک تو بے وقت کی نیند آتی ہے۔اس کے جاتے ہی فلک نے مسکرا کر صاف سُتھرے کمرے پہ ایک نظر ڈالتے تارا کے کمرے کی جنوبی قد آدم کھڑی کے شیشے سے پار آسمان کے پہیلو میں چھپتے سورج کو دیکھا تھا۔سورج غروب ہونے کو تھا۔مرد حضرات لوٹنے والے تھے۔وہ پائیں باغ میں جان کا ایرادہ رکھتی تھی۔جس کا ایک حصہ باہر کے مردوں کے لئے مختص تھا۔اور جہاں اکثر رات میں کین کی کُرسیاں رکھ کر پیچائیت سجائی جاتی تھی۔چونکہ وہی حصہ سب سے زیادہ خوبصورت تھا تو فلک وہیں جانے کا ایرادہ لئے آج تارا کی طرف آئی تھی۔لیکن تارا کو اس وقت سوتا دیکھ کر وہ سر پیٹ کر رہ گئی تھی۔اسے تارا پہ شدید غصہ آیا تھا۔مگر اس نے شائد یہ سوچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔کہ تارا ایک محض سر کے درد کو لئے ہی کیوں بیٹھی ہے۔پہلے تو کبھی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایسا نہیں ہوا تھا۔

تارا دس منٹ بعد جب باتھ روم سے نکلی تو وہ کافی بہتر معلوم ہوتی تھی۔اس نے ایک نظر مسکراتی فلک کو دیکھا اور پھر بال برش کرنے لگی۔وہ ابھی سُستی سے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔جب پیچھے آ کر کھڑی ہوتی فلک نے ا سکے ہاتھ سے برش لے لیا۔اور پُھرتی سے مگر نرمی سے برش پھیرتے اس نے تارا کو دیکھا تھا۔جو پیچھے آ کر کھڑی ہوتی فلک کو دیکھ رہی تھی۔اس کے دیکھنے کا نداز ایسا تھا کہ فلک کے چہرے کی مسکراہٹ لمحے کو غائب ہوئی تھی۔فلک نے ایک ابرو اُٹھا کر اس سے پوچھا تھا۔

ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کچھ نہیں۔تارا نے نظر پھیر لی۔

کچھ تو ہے۔۔۔بتاؤ مجھے۔

نہیں کچھ نہیں۔بس ویسے ہی۔۔۔فلک کا بار بار مسکرانا تارا کو تکلیف دے رہا تھا۔اسے یوں محسوس ہوتا تھا۔کہ جیسے فلک اس پہ اس کی بے مقصد اور بے معنی سی محبت پہ ہنس رہی ہو۔

پاگل کیا محبت کبھی معنی اور مقصد کے کئے بھی کی جاتی ہے۔اپنی ہی سوچ پہ تارا نے سر جھٹکا تھا۔فلک سب دیکھ رہی تھی۔

تارا کیا سوچ رہی ہو بتاؤ ناں مجھے بھی۔اس کے کندھے پہ تھوڑی ٹکاتے شیشے میں اپنا اور اپنی دوست کا عکس دیکھتے اس نے تارا سے پوچھا تو تارا اس کو محض دیکھ کر رہ گئی۔

بس یہ سوچ رہی تھی۔کہ تم حنان سے منگنی کر کے کافی خوش نظر آ رہی ہو۔جبکہ اس روز تو تم نے کچھ اور ہی کہا تھا۔دل میں آئی بات کہہ دینے کا یہی سہی وقت تھا۔فلک اس کی بات سُن کر مسکرائی۔اس نےاس کے کندھے سے تھوڑی ہٹائی اور پھر بالوں کو پونی میں باندھنے لگی۔فلک کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔اور تارا کی بے تاب نظر جیسے اس ایک مسکراہٹ میں کچھ تلاش کرنے کو بے چین تھی۔

ہاں۔۔۔جب آپ کو معلوم ہو کہ کوئی آپ کو بہت شدت سے اور دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے تب ایسے ہی ہوتا ہے۔آپ بات بے بات مسکراتے ہو۔ہر چھوٹی بات پہ قہقہ لگاتے ہو۔اس کی جُھکی پلکیں تارا کو جو کہانی سُنا رہی تھیں۔اس نے تارا کا دل کاٹ ڈالا تھا۔اس کے اندر جیسے کچھ تھا جو بہت خاموشی سے چھن کر کے ٹوٹا تھا۔تارا نے فلک کے شیشے میں نظر آتے دلفریب عکس سے نظر چُرائی اور اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

وہ اس وقت پیلے اور سبز رنگ کے کاٹن کے شلوار قمیض میں اچھی لگ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے کندھے پہ دوپٹہ درست کرتے ایک نظر فلک کو دیکھا اور جب بولی تو لہجہ کسی بھی احساس سے عاری تھا۔

آؤ چلیں۔۔۔میں تیار ہوں۔۔۔

دلاور۔۔۔

جی سر۔

ہاتھ باندھے کھڑا دلاور فوراً اس کی ایک پُکار پہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

شیروز اکرام کا نمبر ملاؤ۔شیروز اکرام بزنس میں ان کا حریف تھا۔لیکن چونکہ فائل میں شیروز اکرام کا بھی نام موجود تھا۔تو وہ اسے آگاہ کر کے کوئی فیصلہ کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔وہ ان شخصیات میں سے نہیں تھے جو تن تنہا ساری تکلیف سہہ لیتے ہیں۔

جرم کی سزا تو تب ہی ملتی ہے جب جُرم ثابت ہو۔لیکن تکلیف تو وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں پکڑے جانے کاخوف اندر کہیں کنڈلی مار لے۔اور ان کے اندر دور کہیں خوف تھا جو کہہ رہا تھا۔کہ جلد کوئی طوفان ضرور اُٹھے گا جو اُن کی ہستی کو مٹا ڈالے گا۔اور وہ اُسی طوفان سے بچنے کے لئے کچھ داؤ پیچ کھلینے کے منصوبے بنائے بیٹھے تھے۔۔۔اور اُن منصوبوں پہ وہ کسی صورت بھی تنہا عمل نہیں کر سکتے تھے۔اُنہیں کسی کی مدد کی ضرورت تھی۔اور جس شخص کا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

خیال ان کے زیہن میں آیا وہ کسی اور کا نہیں ان کے سب سے بڑے حریف کا تھا۔اُنہیں قوی اُمید تھی۔کہ شیروز اکرا کے ساتھ مل کر وہ ضرور کوئی نہ کوئی حل نکال لیتے۔

دلاور نے پُھرتی سے ایک نمبر ملا کر فون کان سے لگایا اور دوسری جانب چند منٹ تک کال کو مسٹر شیروز تک منتقل کرنے کا انتظار کیا تھا۔

ایش گرے سوٹ میں ملبوس۔۔بالوں کو جیل سے سیٹ کئے۔آنکھوں پہ نظر کا چشمہ لگائے مسٹر شیروز اس وقت اپنے سامنے بیٹھی خاتون کی کسی بات پہ ہنس رہے تھے جب سیکٹری دروازے پہ دستک دے کر اجازت ملنے پہ اندر داخل ہوئی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سر۔۔۔وہ مسٹر شیروز کے کان کے قریب قدرِ دھیمی آواز میں اُنہیں مسٹر ضیاء کی فون کال سے آگاہ کر رہی تھی۔جو کہ یقیناً غیر متوقع تھی۔

شیروز تم نے کہا تھا۔کہ دو گھنٹے تم ہر قسم کے کام سے آف رہو گے۔اور اب۔۔۔سیاہ ٹخنوں تک آتی میکسی میں ملبوس اپنی عمر سے کم نظر آتی خاتون نے ذرا ناراض ہو کر کہا تو مسٹر شیروز جواب میں محض مسکرائے تھے۔اور فون کان سے لگایا۔

جی۔۔۔ضیاء صاحب۔۔۔اُنہوں نے جانبوج کر ضیاء صاحب کا نام لیا تھا۔جس کے نتیجے میں سامنے بیٹھی عورت کے چہرے کے تاثرات ایک دم سے بدلے

تھے۔اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔مسٹر شیروز جوعورت کے ہی چہرے کے پہ نظر رکھے ہوئے تھے جیسے ایک د م پُرسکون ہوئے تھے۔

وہ آج بھی اُن سے اُتنا ہی چڑھتی تھیں۔اُتنی ہی نفرت کرتی تھیں۔یہ بات ان کے لئے قابلِ اطمینان تھی۔اُنہوں نے اس خوبصورت چہرے والی عورت پہ ایک پیار بھری نظر ڈالی اور پھر نظر گھوما کر عورت کے بائیں جانب بنی قد آدم کھڑی سے باہر نظر آتے آسمان کو دیکھنے لگے۔

ان کی انگلیاں مکینکی انداز میں میز پہ تھرک رہی تھیں۔اور جسم کے سارے عضا اس لمحے کان بنے ہوئے تھے۔

اُن کے منہ سے ایک لفظ نہ نکلا تھا۔البتہ آنکھیں تھیں جو سب کہہ رہی تھیں۔ جو دیکھا رہی تھیں کہ۔۔۔

جیسے کوئی طوفان تھا جو اُٹھ رہا تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

تنہائی میں فریاد تو کر سکتا ہوں۔

ویرانے کو آباد تو کر سکتا ہوں۔

جب چاہے تمہیں مل نہیں سکتا لیکن

جب چاہے تمہیں یاد تو کر سکتا ہوں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ بول غزل کے تھے یا پھر تار ا کے دل کی آواز وہ فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔اُستاد نصرت فتح علی خان کی آواز میں کہے گئے یہ الفاظ اسے اپنی ذات کے گرد گھومتے معلوم ہو رہے تھے۔تارا نے فون میں چلتی غزل کی آواز بڑھا دی۔اور کان میں ہینڈز فری ڈال کر باغیچے میں چہل قدمی کرنے لگی۔موسم آج خاصا سخت تھا مگر وہ کمرے میں اے سی کی ٹھنڈک میں بیٹھنے کی بجائے باہر نکل آئی تھی۔دل تھا کہ بس بے چین تھا دن گرنے کو نہ آتا تھا۔کہ وقت پر لگا کر گرے اور وہ واپس ہوسٹل لوٹ جائیں۔تارا کو شک سا تھا۔کہ شائد اگر جو وہ واپس ہوسٹل چلی جائے تو شائد کچھ اس کی حالت میں بہتری آ جائے ۔میں جو اس وقت دل کی حالت تھی وہ نا اُمید ہو چکی تھی۔

اس نے گہرہ سانس لے کر دل میں اُٹھتے غبار کو دبانے کی ناکام کوشش کی اور پھر جانم کے درخت کے نیچے بنے سنگی بنچ پہ جا بیٹھی۔بینچ کی پُشت حویلی کے داخلی حصے کی جانب تھی۔اور رُخ کیاروں کی جانب۔

اس نے بیٹھتے ساتھ ہی کانوں کو تاروں سے آواز کیا اور سر سنگی بینچ سے ٹکا لیا۔

ایسے کہ اُوپر آنکھوں کے کچھ حصے کو دوپٹے نے ڈھک رکھا تھا۔اس نے ایسا دانستگی میں کیا تھا۔

اس نے ہونٹ بھینچ کر دماغ میں چلتے فلک کے الفاظ کو دوہرایا۔کہ اس کی بے

بسی پہ ایک آنسو بہت خاموشی سے آنکھوں کا بند توڑتا باہر آ نکلا۔اور کان کی طرف سے ہوتا بالوں میں جزب ہو گیا۔اور پھر یہ برسات جیسے پہلی بوند کی ہی منتظر تھی۔آنسو بہت خاموشی سے اس کی پلکوں کے دریچوں سے نکلتے تارا کے بالوں میں جزب ہونے لگے۔دل سے جیسی ٹیس اُٹھ رہی تھی۔وہ آنسو جو وہ بہا رہی تھی بہت کم تھے۔اپنے اندر کی گھوٹن کو دبائے رکھنے کے لئے اسنے ہونٹوں کو آپس میں ایسے پیوست کر لیا تھا۔کہ انجانے میں بھی منہ سے کوئی سسکی نہ نکلے۔

حنان آپ۔۔۔حنان کا نام زبان سے ادا ہونا تھا کہ دل کااضطراب مزید بڑھ گیا۔اس نے اس سے شکوہ کرنا چاہاتو وہ بھی دل کہنے سے انکاری ہوا تھا۔تارا کا دل چاہاکہ دنیا سے نکل کرکہیں خلاء میں چلی جائے۔مگر افسوس کہ وہ وہاں بھی جاتی تو بھی اپنے آپ کو حنان کی محبت سے آزاد نہیں کروا سکتی تھی۔وہ سر بینچ سے ہٹاتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

اس کے سامنے کیاروں میں لگے پودے گرمی کی شدت سے مرجھائےہوئے تھے۔تارا کے چہرے پہ مجروح کن سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔لگتا ہے تمہیں بھی کسی سے محبت ہے۔ایک کلی کو ہاتھ کی ہتھیلی پہ رکھتے اس نے کہا تھا۔بلکہ پوچھا تھا۔جیسے اُمید تھی کہ پھول جواب دے گا۔اسے اپنا آپ اس پول کی طرح لگ رہا تھا۔

تارا۔۔تارا حویلی کی جانب پُشت کئے بیٹھی چنبیلی کے پودے سے باتیں کرنے میں مصروف تھی جب حنان کی اواز پہ وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔اور جھولی میں پڑا فون زمین بوس ہوا۔

حنان نے اس کا ہربڑا نوٹ کیا تھا۔تارا نے جُھک کر اپنا فون اُٹھایا مگر مڑ کر حنان کی جانب نہیں دیکھا۔رونے سے اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔اور وہ کسی صورت حنان کی جانب نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔حنان اس سے کچھ ہی فاصلے پہ کھڑا تھا۔

تارا تم یہاں کیا کر رہی ہو۔تمہیں گرمی نہیں لگ رہی۔؟جانچتی نظروں سے تارا کو دیکھتے حنان نے پوچھا تو تارا کا دل ایک دم سے خوش فہمی کا شکار ہوا۔(تو حنان میری فکر کرتے ہیں)سوچ کر ہی دل کو انجانی سے خوشی اور راحت محسوس ہوئی تھی۔

تارا میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔تارا کی جانب سے کوئی جواب نہ پاکر اس نے اسے دوبارہ مخاطب کیا تو اب کی بار اس کے لہجے میں ذرا سی سختی تھی۔

وہ۔۔وہ میں بس ویسے ہی باہر تازہ ہوا کھانے آ گئی تھی۔کوئی جواب نہ بن پڑا تو اس نے یہی کہہ دیا۔اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔جیسے پسلیاں توڑ کر بس نکلنے کو ہو۔وہ اپنے دل کی دھڑکن اپنے کانوں میں محسوس کر سکتی تھی۔اس نے دل پہ ہاتھ رکھ کر اسے ہلکے سے تھپکا۔

حنان جو اس کے پیچھے کھڑا تھا تارا کی کانپتی آواز سُن کر چونکا تھا۔

اچھا مجھے تو کہیں ہوا نظر نہیں آ رہی۔۔۔اس کے لہجے میں طنز تھا۔تارا نے محسوس نہیں کیا۔وہ بس مسکرا دی۔رشتے کی بات کے بعد شائد وہ پہلی بار مسکرائی تھی۔

ہوا نظر کب آتی ہے وہ تو بس محسوس کی جاتی ہے۔بالکل محبت کی طرح۔۔۔بہت ذومعنی سی بات تھی۔حنان نے ایک ابرو اُٹھائی۔ایسی بات وہ اس سے پہلی بات کر رہی تھی۔

تمہاری تعبیت ٹھیک ہے۔؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تارا ایک بار پھر سے پھیکے سے مسکرائی۔مجھے تباہ کر کے پوچھتے ہیں کہ میں ٹھیک ہوں۔کیسا مزاق کرتے ہیں۔دھڑ دھڑ کرتے دل کو تھپکتے اس نے خود سے بڑبڑاہٹ کی۔مگر جب بولی تو الفاظ مختلف تھے۔

مجھے کیا ہو گا؟اس کا لہجہ ہلکاسا کامپا تھا۔

تم چہرہ کیوں موڑ کر کھڑی ہو؟

اگر طعبیت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلی جاء۔اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں لے جاتا ہوں۔مگر تاراکو یہی سُنائی دیا۔

نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔کہہ کر اس سے پہلے کہ حنان کچھ اور کچھ کہتا

وہ وہاں سے ہٹ کر تیزی سے اپنے پورش کی جانب آ گئی۔

اس لڑکی کے ساتھ ضرور کوئی مسلہ ہے۔دور جاتی تارا کو دیکھ کر حنان نے سوچااور پھر سر جھٹکتا ابا سلطان کے پورش کی جانب بڑھ گیا۔

جس وقت وہ چھوٹے ابا کے گھر میں داخل ہوا۔تو وہاں اسے صرف خاموشی بولتی محسوس ہوئی تھی۔حویلی کا سب سے زیادہ خاموش رہنے والا حصہ۔اس نے سرجھٹ کر دل میں اُٹھتی فلک کو دیکھتی خواہش کو رد کیا اور سلطان بہزاد کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلک نے منہ بسور کر کمرے میں چلتے گانے کو بند کیا۔اور پھر کھولے بالوں کو باندھتی کمرے سے نکل آئی۔

دلان کمرے مہمان خانے سب کچھ انسانوں سے خالی اور خاموش تھیں۔یوں لگاتا تھا جیسے کئی دنوں سےوہاں کوئی آیا نہ ہو۔ہاں البتہ اس سارے عرصے میں باہر حویلی کی منڈھیر کے کنارے چڑیوں کے گھونسلے سے کچھ آوازیں آجاتی تھیں۔فلک نے دلان سے گزرتے مہمان خانے میں گردن ترچھی کر کے دیکھااور باورچی خانے میں گھس گئی۔جس وقت حنان وہاں سے گزرا وہ فرائز بنا رہی تھی۔واپسی مُن باورچی خانے میں کسی کو پا کر حنان اس طرف آ گیا۔اور پھر فلک کو سامنے دیکھ کر دل کی دعا قبول ہونا کسے کہتے ہیں اسے پتہ چل گیا

تھا۔وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

گنہگاروں کی دعا ایسے بھی قبول ہوتی ہے مجھے اندازہ نہیں تھا۔پسلی پہ ہاتھ رکھتے دوسرے ہاتھ میں فائل تھامے اس نے کہا تو فلک نے ہلکی سی گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا اور پھر واپس کام میں لگ رہی۔

پھر مجھے کہنے دو کہ تمہارا ایمان کمزور ہے۔یہ تو ناممکن تھا کہ فلک کسی بات کو جانے دیتی۔حنان نے اُمڈتی مسکراہٹ بمشکل روکی تھی۔

کیا میں یہ خواہش کر سکتا ہوں کہ مجھے بھی اس سب میں حصہ دار بنایا جائے۔اس کا اشارہ فرائز کی جانب تھا۔فلک نے قدرِ حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

مجھے حیرت ہے کہ تم مجھ سے فری ہونے کی کوشش میں ہو اور ناکام ہو۔اپنے الفاظ کہنے کے ساتھ ہی اس نے ایک بار پھر سےتلنے کا کام شروع کر دیا۔

وہ اس وقت ہلکے لیمن اور سفید رنگ لون کے شلور قمیض میں بالوں کا جوڑا بنائے گرمی کی ستائی معلوم ہو رہی تھی۔اس کا اس طرح سے باورچی خانے میں کام کرنا حنان کو خوش دے رہا تھا۔وہ اسے یہ سب اپنے کیچن میں کرتا دیکھنا چاہتا تھا۔

اس میں فری ہونے والی تو کوئی بات مجھے نظر نہیں آئی۔بس میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں اپنی منگیتر کے ہاتھ کے فرائز کھاؤں۔

مجھے افسوس ہے کہ حنان تمہاری مزاح کی حس بہت سستی ہے۔کہہ کر اس نے آدھے ہونٹ کے ساتھ مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر وہاں سے نکل گئی۔حنان کو شدید سبکی نے آ لیا تھاوہ مسکرا بھی نہ سکا۔وہ ہونٹ بھینچ کر گھر کے داخل دروازے کی جانب بڑھ گیا۔کچھ دیر قبل جو آنکھوں میں رشنیوں کے دیپ جل اُٹھے تھے وہ ایک دم سے ماند پڑ گئے تھے۔

دادا مجھے کوفی بنانا سیکھا دیں پلیز۔۔۔کافی کا مگ دادا ابراھیم کے ہاتھ سے لیتے فلک نے ایک دم سے جوش میں کہا تو دادا ہنس دیے۔تارا تو جیسے وہاں غیر حاضر بیٹھی تھی۔

سیکھا دوں گا بھئی۔ابھی تم لوگ بس میرے کیچن سے نکلو۔

فلک اور تارا کو کل واپس مرادن چلے جانا تھا۔ان کے امتحانات شروع ہونے کو تھے اور وہ کافی سے زیادہ دن ملتان میں لگا چکی تھیں۔جاتے ہی وہ پڑھائی میں لگ جاتیں اور پھر نہ جانے کب واپس آتیں یہی سوچ کر وہ دونوں داد ا ابراھیم کے پاس ملنے چلی آئیں جہاں ہمیشہ کی طرح وہ اُنہیں انتظار کرتے ملے۔

دادا آپ اتنے بڑے گھر میں بور نہیں ہوتے۔خاموش سے گھر پہ نظر ڈالتے باورچی خانے سے نکلتی تارا نے ذہین میں آیا سوال دادا سے پوچھا تو وہ جو ان دونوں کے پیچھے چلے آ رہے تھے پھیکے سے مسکرا دیے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں تو بیٹا سیاچن جیسے ویران علاقے میں رہ آیا ہوں۔جہاں نہ چرند نہ پرند یہاں تو چلو پھر کسی نہ کسی کی آواز سُنائی دے جاتی ہے۔وہ تو ایسی جگہ ہے جہاں سے آسیب بھی سامان باندھ کر بھاگ جائے۔آخری بات اُنھوں نے ہنس کر کہی تو وہ دونوں بھی جواب میں مسکرا دیں تھیں۔

وہ ضعنوٹا کہاں ہے؟ دلان میں دیواروں پہ سفیدی کی مناسبت سے صوفے اور باقی فرنیچر رکھا گیا تھا۔دلان کی سیٹنگ قابلِ داد تھی۔فلک نے چھوٹے صوفے پہ بیٹھتے دادا سے پوچھا تو دادا نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگے۔

کس کا پوچھ رہے ہو بیٹے؟

تارا بھی فلک کو دیکھ رہی تھی۔فلک نے مگ سامنے میز پہ رکھ دیا۔اور ہونٹ سے پھوٹتی مسکراہٹ بمشکل روکی۔

دادا زین نظر نہیں آ رہا۔آسان لفظوں میں وہ یہی پوچھ رہی تھی۔تارا نے بات سمجھ کر اسے گھورا تو وہ نظر انداز کر گئی۔البتہ دادا کا قہقہ نظر انداز کئے جانے والا نہیں تھا۔

دادا جی باہر کوئی شیخ صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔اس سے پہلے کہ دادا ابراھیم اپنے پوتے کے ڈیفینس میں کوئی جواب دیتے ملازم اُنہیں بلانے آگیا اور وہ اس کے ساتھ باہر چل دئے۔یقیناً کوئی جاننے والا تھا شائد وہ اس سے ملنے کے منتظر تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ویسے دادا کا گھر پیارا ہے۔صوفے سے اُٹھ کر کھڑے ہوتے اور ارد گرد نظر دوڑاتے اس نےایک نظر صوفے پہ بیٹھی تارا کو دیکھ کر نیچلا ہونٹ دانت سے دبایا۔تارا نے اسے نا سمجھی سے دیکھا تھا۔

پہلی بار تو نہیں دیکھ رہی ہو۔

ہاں لیکن میں پھر بھی دیکھنے کی خواہش رکھتی ہوں۔کہہ کر اس نے قدم آگے کی جانب بڑھا دئے۔تارا نے سر جھٹک کر اس جاتے دیکھا اور پھر واپس کافی پینے لگی۔اس وقت اس کے دل و دماغ صرف حنان احمد تھا اور اس کے سحر نے اسے اتنا جکڑ رکھا تھا کہ وہ کسی قسم کی بھی سوچ سمجھ اور بحث و تکرار سے فرار چاہتی تھی۔تبھی اس نے فلک کو اُوپر جانے سے نہیں روکا تھا۔ویسے بھی آج کل فلک اور اس کے ستارے گردش میں تھے۔

فلک نے جانچتی پرکھتی نظروں سے خالی گھر پہ ایک نظر دوڑائی اور محتاط قدموں سے چلتی زین مصطفٰی کے کمرے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔کمرے کا دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے راہداری میں اور نیچے دلان میں ایک نظر دوڑا لینا معیوب نہیں سمجھا تھا۔کیا پتہ تھا کہ وہ آ ہی جاتا۔فلک نے جب مکمل اطمنان کر لیا تو دروازہ دھکیلتی کمرے میں داخل ہو گئی۔

کمرے میں نیم تاریکی تھی۔بالکنی کا دروازہ اگرچہ اندر سے بند تھا لیکن سامنے سے پردہ ہٹا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے کانچ سے چھن کر روشنی سیدھی لکڑی

کے فرش پہ بکھر کر کمرے میں پھیل رہی تھی۔

فلک نے کمرے پہ ایک طائرانہ نظر دوڑائی۔

کمرے میں ایک گول جہازی بیڈ پڑا تھا جس کی پُشت چوکلیٹ براؤن تھی۔اسی رنگ کے چوکلیٹ براؤن پردے تھے اور کھڑکی کے بائیں جانب رائٹنگ ٹیبل تھی۔جسے پردوں سے کنڑاسٹ کرنے کے لئے سفید رنگ میں رکھا گیا تھا۔کمرے کی تمام چیزیں سفید اور چوکلیٹ براؤں تھیں۔بیڈ کی پُشت اگر براؤن تھی تو بیڈ پہ بیچھی چادر سفید تھی۔۔۔اس طرح کمرے میں ہر چیز ایک ترتیب لئے ہوئے تھی۔فلک نے مسکرا کر داد دینے والے انداز میں سر ہلایا۔اور پھر جوتوں والے ریک کی جانب بڑھی۔سب سے پہلے اس نے جواتوں والے ریک کو زمین بوس کیا۔یہ اس روز کی بے عزتی کا چھوٹا سا بدلہ تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مجھے کہہ رہا تھا بد تمیز اکڑو۔۔۔اب مزہ آئے گا جب اپنے کمرے کی ابتر حالت دیکھے گا۔

سمجھتا کیا ہے خود کو۔۔۔۔ہے کیا چیز۔۔۔

فلک سلطان کو مزاق سمجھ رکھا تھا۔منہ میں بڑبڑاتے اس نے جوتوں کے ریک کو گرانے کے بعد بھی جب دل میں سکون محسوس نہ کیا تو اس کے ایک بوٹ کو پاؤں کے نیچے اچھے طریقے سے کُچل دیا۔جوتا منہ بسورتا اپنی بد بختی پہ رو دیا تھا۔کہ آخر کس بلا کے ہتھے چڑھ گیا تھا۔

جب جوتے کی حالت بگاڑ کر بھی محترمہ کے دل نے کہا کہ ون مور۔۔۔تو وہ سیدھی اس کے قد آدم واڈروب کی جانب بڑھی تھی۔

اس نے جیسے ہی واڈروب کا پٹ وا کیا خشبو کا ایک جھونکا جیسے اُٹھا تھا۔یقیناً وہ بہت زیادہ خشبو استعمال کرتا تھا۔فلک کو ایک لمحے کو لگا کہ وہ اس کے پیچھے ہی کھڑا ہے۔اس نے گڑبڑا کر پیچھے دیکھا مگر یہ اس کا محض وہم تھا۔

اس نے اس کی نیلے رنگ کی برنڈڈ شرٹ باہر نکالی اور دانت کو استعمال میں لاتے شرٹ کے اُوپر کے تین بٹن توڑ دیے۔

لو پہننا لنگڑی شرٹ۔ہنسی کو روکتے اس نے منہ میں بڑبڑا کر کہا اور پھر اسی استری شُدہ شرٹ کے ہینگر کو واپس لٹکا دیا۔

جب اس کام سے بھی دل پہ جلتے بھامبڑ نے ٹھنڈا ہونے سے نکار کیا تو فلک بی بی نے ڈھیٹ پن کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے اس کی استری شُدہ کالی رنگ شرٹ اُٹھا لی شرٹ کے پہلے تو محترمہ نے اُوپر کے دوبٹن توڑے اور پھر شرٹ کو اچھے طریقے سے مسل کر اس کی گیندبنا کر جوتے سے اس کے بیڈ کے نیچے دھکیل دی۔اور ساتھ ہی منہ سے پھوٹتی ہنسی کو بھی بمشکل روکا۔اب تم مجھے ہمیشہ یاد رکھو گے۔اور سُنو اپنے بچوں کو میرے بارے میں بتانا مت بھولنا۔وہ خیال ہی خیال میں جیسے اسے مشورے بھی دے رہی تھی۔

خود دل ہی دل میں داد دیتے اس نے ہاتھ جھاڑے اور کمرے کے فرش پہ پھیلے جوتوں کو دیکھا۔۔۔پھر ایک جوتے کو مسلتے سنگل صوفے کے سامنے پڑی چھوٹی میز سے کانچ کا خوبصورت نازک سا شوپیس اُٹھا لیا۔کانچ کے بنے خوبصورت تاج محل کو دیکھ کر ایک لمحے کو اس کا دل چاہا کہ اسے نہ توڑے لیکن پھر دماغ نے کہا کہ توڑ دے۔ہو سکتا ہے اسے پسند ہو۔اور پھر یہ خیال کا آنا تھا کہ محترمہ فلک سلطان صاحبہ نے ظلم کی انتہا پہ جاتے ہاتھ کو فضا میں بلند کیا اور پھر کانچ کے تاج محل کر زمین پہ پٹخ دیا۔

شوپیس چھناکے کی آواز سے ٹوٹ گیا۔اور فلک کا دل جیسے واہ واہ کر اُٹھا۔اس نے مسکرا کر کمرے کی ابتر حالت پہ ایک مصنوعی افسوس بھری نظر ڈالی اور پھر کمرے سے نکل آئی۔کمرے سے نکل کر اس نے احتیاط سے ایک بار پھر خالی راہداری میں نظر دوڑائی اور پھر دبے پاؤں سیڑھیاں اُترتی دلان میں آ گئی۔جہاں بیٹھی تارا کی نظر اگرچہ سامنے چلتے سکرین کے مناظر پہ تھی۔لیکن ذہین کہیں دور بہت دور تھا۔کسی کے قدموں کسی کے دل کا بوسہ لے لے کر لوٹ رہا تھا۔فلک کو آتا دیکھ کر تارا اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

چلیں گھر۔۔۔

ہاں چلو۔فلک بھی یہی چاہتی تھی۔کیا پتہ تھا کہ دادا کا وہ ہٹلر کسی لمحے بھی گھر پہنچ جاتا۔اور پھر کوئی بعید نہیں تھا کہ وہ اسی سے پھر صاف بھی کرواتا۔اس

لئے فلحال بھاگ جانا ہی بہتر تھا۔اس نے آئندہ پیش آنے والے حالات کو دل ہی دل میں سوچا محظوظ ہوئی اور پھر ملازم کو بتا کر دونوں باہر کی جانب بڑھ گئیں۔

وہ ابھی داخلی دروازے کی جانب سے نکلی ہی تھیں۔جب ان کے پیچھے ہی دادا آ گئے۔

سوری بیٹا۔۔آج آپ بور ہو کر جا رہی ہو۔میرے جاننے والے کا مسلہ تھا بس وہی سُننے بیٹھ گیا تھا۔اُنہیں خُدا حافظ کہتے اُنہوں نے کہا تو فلک اور تارا نے نرمی سے اُنہیں معذرت کرنے سے روک دیا۔

کوئی مسلہ نہیں دادا جان۔ویسے بھی گھر کی ہی بات ہے۔ابھی کل تو ہم واپس جا رہے ہیں۔اُمید ہے کہ جلد امحانات کے بعد لوٹیں گے۔پھر میں آپ کے ساتھ گولف کھیلنے بھی جاؤں گی۔اور میرا وعدہ ہے کہ فلک سلطان اس بار آپ کو ضرور ہرائے گی۔مسکراتے ہوئے اس نے نرمی سے کہا تو دادا ہنس دئے۔

ہاں بھئی کیوں نہیں۔۔۔کیوں نہیں۔اب بس میچ ہوگا۔اور جج کے فرائض تارا بیٹی ادا کرے گی۔خاموش کھڑی تارا کو بھی اُنہیں نے بیچ میں حصہ لینے کا موقع دیا تو وہ محض مسکرا دی۔

بس پھر آپ ہارنے کے لئے تیار رہیں۔کہہ کر۔اس نے ہاتھ ماتھے تک لے جا کر سلوٹ کیا تو دادا ابراھیم ہنس دئے۔فلک بھی مسکرا کر مڑی تھی۔جب گیٹ

کے دونوں پٹ ایک دم سے وا ہوئے اور زین مصطفٰے کی سیاہ کار بڑے کروفر سے سرخ اینٹوں کے پورچ پہ پھیسلتی گیراج میں جا رُکی۔اس نے کار سے نکلنے سے پہلے آنکھوں سے سیاہ چشمہ ہٹا دیا۔اور وہیں ڈیش بورڈ پہ چشمہ رکھتے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔فلک کے دل نے ایک بیٹ مِس کی تھی۔اس کے ماتھے کے انگنت بل بتاتے تھے۔کہ محترم آج کچھ اچھے موڈ میں نہیں ہیں۔

خیر اچھے موڈ میں تو یہ کبھی بھی نہیں ہوتا۔دل میں سوچ کر اس نے سر جھٹکا۔وہ تینوں زین ہی کی طرف متوجہ تھے۔جب وہ نپے تلے قدموں سے چلتا ان دونوں کے قریب سے گزرتا دادا جان کے پاس رُکا۔ان دونوں سے اس نے سلام لینا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔لیکن خیر وہاں ضرورت بھی کسے تھی۔

آپ نے کھانا کھا لیا۔؟ان دونوں کو مکمل نظرانداز کرتے اس نے پوچھا تھا۔دادا نے سر نفی میں ہلا دیا۔

ویسے ہمارے ہاں مہمان کو کھانا کھلائے بغیر رُخصت نہیں کرتے۔لیکن چونکہ آپ روز آتی ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس کی ضرورت محسوس نہیں کریں گی۔اس کا اشارہ کھانے کی دعوت پر تھا۔دادا نے ایک نظر گھور کر پوتے کو دیکھا تھا۔

فلک کے چہرے پہ مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔جبکہ تارا کے دونوں گال ایک

دم شرمندگی سے سرخ ہوئے۔

آج ہم اچھے موڈ میں ہیں اس لئے آج ہم آپ سے بحث نہیں کریں گے۔کمال شہانہ انداز میں کہتے جلا دینے والی مسکراہٹ اس کی جانب اُچھالتے اس نے دادا کو خُدا حافظ کہا اور دونوں اپنی کار کی جانب آ گئیں۔زین نے گھور کر فلک کی پُشت کو دیکھا اور پھر واپس پلٹ گیا۔

بھاڑ میں جائے میری طرف سے۔دادا تن تک وہاں کھڑے رہے جب تک ان کی کار نظر آنا بند نہیں ہوگئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ ایک دفتر کا پیچھلا حصہ تھا جہاں نیم اندھیرے میں منظر آہستہ آہستہ واضع ہو رہا تھا۔

کمرے میں کوئی روشنی نہیں تھی۔بس کھڑکیاں تھیں جن کے سامنے سے پٹ ہٹا دئے گئے تھے۔اور پردے باندھ دئے گئے تھے۔کمرے میں ہر چہرہ ایک دوسرے کو محض اس لئے دیکھ سکتا تھا کہ کھلی کھڑکیوں سے سورج کی کرنیں سیدھی کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔

کمرے کا منظر واضع ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑی میز تھی۔جس کے دونوں اطراف کرسیاں رکھی گئی تھیں۔چھ کرسیاں تھیں اور اُن چھ کرسیوں پہ سوٹڈ بوٹڈ حضرات بیٹھے تھے۔اُن میں سے دو پارٹیوں کے چیئر مین تھے جبکہ تین

بزنس مین مسٹر شہروز اور ضیاء آفندی بھی اسی کانسفرنس میں شامل تھے۔اور اس وقت ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ان پانچ افراد کے سیکٹری ہاتھ باندھے اپنے بوس کے پیچھے کھڑے تھے۔جن میں سے صرف ایک لڑکی تھی۔

مجھے اندازہ ہوتا ہے۔کہ اے ایس پی وہ فائل جلد نیب کے حوالے کرے گا۔یہ آواز ضیاء آفندی کی تھی۔

کرنے دو۔۔۔یہ آواز مشہور سیاستدان نوابزادہ حق نواز کی تھی۔جو آج کل الیکشنز کی تیار بڑے زورو شور سے کر رہا تھا۔

جانے دیں نوابزادہ صاحب۔آپ جانتے بھی ہیں آپ کیا بات کر ہے ہیں۔ایک بار یہ بات میڈیا تک چلی گئی تو الیکشن تک بہت مشکل ہو جائے گی۔یہ اقبال بابر تھے۔اور یہ حضرت بھی الیکشنز میں حصہ لینے والے تھے۔اور آج کل میڈیا میں بہت اِن بھی تھے۔

میڈیا والے تو بس وفادار کتے کی طرح ہوتے ہیں۔جو ان کے سامنے ہڈی ڈالے گا یہ اس کے وفادار۔یہ جمشید کاظمی تھے۔جمشید کاظمی صاحب خود بھی ایک دو چینلز کے مالک تھے کاسمیٹکس اور کپڑے بھی ان کے ہاں سے ہی باہر کے ممالک میں بھیجے جاتے تھے۔کہتے ہیں کہ ملک کی معشیت کو چلانے والے ایک کاظمی صاحب بھی ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لیکن ان کے کرپشن اور بلیک منی کے کتنے کیسز تھے یہ بات ہمیشہ میڈیا میں آنے سے روک دی جاتی تھی۔اور باقی سیاستدان اور بزنس مین بھی ان کو پیسہ دے کر ایسے کام اپنے لئے کرواتے رہتے تھے۔

قُل ملا کر یہ پانچ لوگ وہ تھے جو ملک کی معشیت کو بظاہر سہارا دئے ہوئے تھے۔لیکن اصل میں یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے باقی ممالک میں بھی گند مچا رکھا تھا۔

کاظمی صاحب آپ کہتے ہیں تو مان لیتے ہیں ویسے ہمارا اس حوالے سے کوئی خاص تجربہ نہیں ہے۔ضیاء صاحب نے ہنس کر کہا تو باقی تمام حضرات کے چہروں پہ بھی مسکراہٹ رینگ گئی۔جب کہ کاظمی صاحب نے بس پہلو بدلا تھا۔

دیکھیں ابھی تک فائل سامنے نہیں آئی۔اور اگر آئی بھی تو ہم اسے میڈیا تک نہیں آنے دیں گے۔اور پھر سیاستدان تو جانتے ہی ہیں کہ دشمن کی کونسی چال کو کس وقت اس پہ اُلٹنا ہے۔آپ بس بے فکر ہو کر الیکشنز کی تیاری کریں۔اس بار اسمبلی میں دو سیٹیں ہماری ہی ہونی چاہئیں۔مسٹر شہروز نے گلا کھنکار کر تمام حضرات کو سمجھانا چاہا تو سب متفق نظر آئے تھے۔سوائے ضیاء آفندی کے۔اس بار سُننے میں آیا ہے۔کہ اے ایف پی بہت اُلٹی کھوپڑی کا ہے۔اس کے علاقے میں بھتہ خوری بالکل بند ہوچکی ہے۔کافی لوگ اس سے

پریشان ہیں۔آؤ دیکھتا ہے نا تاؤ۔بس مارنا شروع کر دیتا ہے۔

یہ کوئی عقل مندی تو نہ ہوئی ناں ضیاء صاحب۔آپ نہیں جانتے ایسے لوگوں کے تو دُشمن بھی بہت ہوتے ہیں۔کب کس وقت کون انہیں مار دے کون بتا سکتا ہے۔مونچھوں کے نیچے ہونٹ بڑے ذومعنی انداز میں مسکرائے تو وہاں بیٹھے افراد کے ہونٹ بھی کھنچے گئے۔

شیروز اکرام کسی چیز کی ٹینشن لے یہ ناممکن تھا۔

زیادہ پھڑپھڑائے گا تو سیدھا گولی مار دینا سالے کو۔اور فائل کب اور کیسے غائب کرنی ہے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔کاظمی صاحب بھی شیروز اکرام کے حامی تھے۔ضیاء صاحب پُر سکون ہوگئے۔اب وہ پانچ ایک ساتھ تھے۔

ویسے کچھ پتہ کیا آپ نے کہ یہ سورما ہے کون۔ان کا اشارہ زین کی طرف تھا۔ضیاء صاحب نے ہنس کر سر جھٹکا۔

اور پھر پیچھے کھڑے اپنے سیکٹری کو ایک انگلی سے اشارہ کیا۔دلاور تیزی سے آگے بڑھا اور ہاتھ میں پکڑی فائل سامنے کھول دی۔

وہاں موجود تمام افراد نئے اے ایس پی کے متعلق بات چیت اور رائے دینے میں مصروف تھے جب شیروز اکرام کی سیکٹری کے ہاتھ میں پکڑا فون گُنگنایا۔اس نےہاتھ میں پکڑے فون کو سامنے کیا۔تو سامنے ہی شیروز اکرام کی محبوبہ کا نام جگمگا رہا تھا۔سیکٹری کے ماتھے پہ ایک لمحے کو بل نمودار ہوئے جسے

اس کے پہیلو میں کھڑے کاظمی کے سیکٹری نے فوراً نوٹس کیا تھا۔

وہ شیرازی صاحب کے پیچھے سے جگہ چھوڑتی باہر راہداری میں نکل آئی۔

جی میم۔۔۔لہجے میں اب کی بار شیرینی تھی۔

ماہم شیروز کہاں ہیں۔نزاکت سے جھنجھلا کر دوسری جانب سے کہا گیا۔تو ماہم نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکا۔

میم سر میٹنگ میں مصروف ہیں۔کوئی اہم پیغام ہے تو دے دیں۔میں ان کے فارغ ہوتے ہی اُن تک پہنچا دوں گی۔

نہیں۔۔۔اس کی ضرورت نہیں ہے۔بس جب وہ فارغ ہو جائیں تو تم مجھے میسج کر دینا۔میں خود ان سے بات کروں گی۔اُداسی سے کہہ کر فوراً فون رکھ دیا گیا ۔تو ماہم سر جھٹکتی واپس اندر کی جانب بڑھ گئی۔

محبت ہار کر دل نے بہت کچھ سہنا سیکھ لیا۔۔۔

حنان اُنہیں ہوسٹل لے کر آیا۔اور سارا ارستہ وہ وقفے وقفے سے فلک سے بات چیت کرتا رہا۔اس کے لہجے میں موجود فلک کے لئے محبت و بے‌تابی تارا سے ہرگز چھپ نہیں سکی تھی۔وہ جو بہت کچھ سوچے بیٹھی تھی بس روتے کرلاتے دل کو محض سہلا کر رہ گئی تھی۔سارے رستے اس نے پچھلی سیٹ کی جانب

ذرا لمحے بھر کو بھی توجہ نہ دی۔اور اترتے وقت بھی جب تارا نے افسردہ دل کے ساتھ اسے خُدا حافظ کہا تو اس نے محض تکلفاً سر سے اشارہ کر دیا۔

تارا کو یاد تھا۔کہ حنان نے فلک کو کال کرنے کا کہا تھا۔اور جواب میں فلک نے اسے نظرا نداز کرد یا۔سارے رستے بھی حنان ہی وقتاً فوقتاً فلک سے بات چیت کرتا رہا تھا۔فلک نے خود سے تو ایک بار بھی اسے نہیں بلایا تھا۔لیکن حنان پہ تو جیسے فلک کی محبت کا جنون سوار تھا۔فلک لاکھ اس سے سخت لہجے میں بات کرتی لاکھ اسے نظر انداز کرتی وہ کبھی بھی کسی کے بھی سامنے فلک کی عزت کو کم نہیں کرتا تھا۔چاہے جواب میں وہ اس سے کیسا بھی رویہ رکھتی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جیسے تارا حنان سے محبت میں دیوانی تھی ویسے ہی حنان فلک کے لئے دیوانہ تھا جنونی تھا۔اس نے اگرچہ خود پہ ایک لحاف ڈال رکھا تھا۔لیکن یہ بات صرف وہ اور اس کا خُدا ہی جانتے تھے۔کہ وہ کیسی دیوانوں والی محبت میں مبتلا تھا۔

بعض اوقات فلک کا رویہ دیکھا کر اسے تکلیف ہوتی تھی۔اس کا دل چاہتا وہ فلک کو ایک دفعہ تو جھنجھوڑ دے اور اسے کہے کہ وہ کیوں اس کے ساتھ ایسے پیش آتی ہے۔کیا محبت کرنے والوں کے ساتھ ایسے رویہ رکھتے ہیں۔۔۔لیکن وہ سب محض وقتی ہوتا۔وہ ہمیشہ سر جھٹک دیتا۔اور اس بات اور اس یقین سے دل کو تسلی دیتا کہ شادی کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گی۔یقیناً یہ رشتہ اس کے لئے

غیر یقینی سا ہے۔وہ حالات کے ساتھ یقیناً چلنے کی کوشش میں ہے۔وہ شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے گی۔وہ اسے ٹھیک کر لے گا۔اسے کامل یقین تھا۔

لیکن وہ شائد بھول گیا تھا۔کہ کائنات میں کچھ بھی کامل نہیں ہے۔ایک سوائے اللہ کی ذات کے۔۔۔

زین نے ایک بڑے سی انگڑائی لے کر تھکی کمر کے تمام کس بل نکالنے کی کوشش کی۔ہاتھ میں پکڑی اخبار کو مروڑ کر پکڑا اور پھر کمرے کے دروازے کا ہینڈل پکڑ کر گھوما دیا۔

دروازے پہ وزن پڑتے ہی دروازے کا پٹ وا ہو گیا۔اور تاریک کمرہ اس کے سامنے تھا۔اس نے ہاتھ بڑھا کر وہیں راہداری میں کھڑے کھڑے دیوار گیر سرکٹ کے بٹن گرا دیئے۔

سویا کمرہ ایک دم سے جاگ اُٹھا۔کمرہ ایک دم روشن ہوا تو۔زین نے ایک لمحے کو آنکھوں کو جھپکا۔اور جب آنکھیں کھولیں تو سامنے کا منظر اس کے سارے طبق رشن کرتا چلا گیا۔

اس کے ماتھے پہ ناگواری کا بل نمودار ہوا۔اور اس نے آنکھیں سکیڑ کر اجڑے کمرے کا جائزہ لیا۔بکھرے مسلے جوتے۔ٹوٹا ہوا شوپیس اس کی صاف ستھری طعبیت پہ خاصا گراں گزرا تھا۔تبھی اس نے کمرے سے نکلتے ایک نظر بلکنی کے

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اندر سے مقفل دروازے کو دیکھا اور تن فن کرتا باہر نکلا۔

ہاتھ میں گول مول کیا اخبار اب مکمل طور پر اپنی شکل کھو چکا تھا۔بلکہ اب وہ پڑھنے والی شے کی بجائے ردی کا ایک ٹکڑا معلوم ہو رہا تھا۔

اس نے تیزی سے دلان کا حطہ پار کیا اور باغیچے میں نکل کر ملازم کے کواٹر کی جانب بڑھا۔اس کے ماتھے کی اُبھری رگ اس بات کا ثبوت تھی۔کہ وہ ا س وقت صبر کے کڑے مراحل سے گزر رہا ہے۔اس نے مُچڑی ہوئی۔۔۔کسی زمانے میں رہنے والی اخبار کو دائیں ہاتھ سے بائیں میں منتقل کیا۔اور پھر کواٹر کے دروازے کو ہاتھ سے تقریباً پیٹ ڈالا۔

دروازہ اتنی زور سے دھڑ دھڑایا تھا۔کہ یقیناً اندر سویا ملازم دہلا اُٹھا تھا۔تبھی ملازم جس حولئے میں تھا بکتا جھکتا باہر نکلا۔اور پھر سامنے مالک کو کھڑا دیکھ کر شرمندہ سا نظر آیا۔

سرکار آپ؟کچی نیند سے کھلی آنکھ میں سرخی کے ڈورے تھے۔زین کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو۔تو کچھ ڈھیلا پڑ گیا۔

میرے ساتھ آؤ۔۔۔اس سے پہلے کہ ملازم کوئی سوال کرتا اس نے حکم دیااور پھر تیز قدم اُٹھاتا گھر کے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔بڑھاپے کو جاتا ملازم بھی پُھرتی سے پیچھے لپکا۔البتہ اندر سے اسے وہم وہ رہے تھے۔

زین نے تیزی سے زینے پار کئے۔اور کمرے کے سامنے رک کر ملازم کی

جانب دیکھا۔جو زین سے قدم ملانے کے چکر میں ہانپتا آیا تھا۔اس نے ایک نظر زین کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھا۔اور پھر ڈرتے ڈرتے کمرے میں ایک نظر گھومائی۔

کمرے میں پھیلے جوتے اور کانچ کے بکھرے ٹکڑے دیکھ کر اسے ساری کہانی کی سمجھ آگئی تھی۔اس نے کن اکھیوں سے زین کو ہونٹ بھینچتے دیکھا۔اور پھر ہاتھ باندھ لئے۔

جناب مجھے اس سب کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔۔۔بے بسی سے اس نے یوں کہا جیسے اس سب کارستانی کے پیچھے ہو نہ ہو اسی کا ہاتھ ہو۔

میں نے کب کہا کہ تم نے کیا۔

مجھے بس یہ بتاؤ۔کہ میرے کمرے میں کون آیا تھا۔؟دانت پیس کر اس نے پوچھا تو ملازم نے گہرہ سانس لیا۔شکر کہ کہیں بن بلائی بلا گلے نہ پڑ گئی۔ویسے بھی زین جتنا صفائی کے معملے میں سخت تھا،وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

معذرت خواں ہوں جناب میری ناقص عقل کو معلوم نہیں۔۔۔

تو آپ مجھے بابا بتاناپسند کریں گے کہ آپ سارا دن گھر میں کیا کرتے ہیں۔میرے کمرے میں ایک شخص آیا اس نے کمرے کی تلاشی لی اور چلا بھی گیا۔لیکن آپ کی ناقص عقل کو علم نہیں۔کمال ضبط سے کام لیتے اس نے طنز کیا۔تو سامنے کھڑے ملازم کی شرمندگی سے گردن مزید جھک گئی۔اور وہ

بولا۔تو لہجہ کمزور تھا۔

معذرت سرکار۔۔۔

بابا آپ کی معذرت کا کیا میں اچار ڈالوں۔آپ کی ایک ذمہ داری ہے۔اور آپ اسے بجائے فکر سے پورا کرنے کے بات بے بات معذرت پہ معذرت ڈال رہے ہیں۔

سرکار میں آج سارا دن باہر باغیچے میں رہا۔بڑے صاحب کے حکم پہ باہر صاف صفائی کر رہا تھا۔کمروں کی صفائی اس بنگالن نے کی ہے۔آپ اس سے پوچھ لیں ہو سکتا اس کے کسی بچے نے کیا ہو۔بولتے ہوئے ملازم کے لہجے میں محسوس کی جانے والی سختی اور ناپسندیدگی تھی۔زین نے گہرہ سانس لیا۔یہ سیاسیات وہ بخوبی سمجھتا تھا۔یہ بابا اصل میں اپنی بیوی کو اس بنگالن کی جگہ رکھوانا چاہتا تھا۔تبھی وقفے وقفے سے بات بے بات اس بیچاری کو بیچ میں گھسیٹ لاتا۔کہ مالک کسی طریقے سے تنگ آ کر اسے نکال دیں۔

آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟

کیونکہ سرکار اس کا چھوٹا بچہ بہت شرارتی ہے۔آج صبح جب میں باغیچے کی صفائی کر رہا تھا۔اس کے بیٹے نے گیند مار کر ایک گملا گرا دیا۔گملا گرتے ہی ٹوٹ گیا۔گملے میں لگے پھول جو پہلی بار کھلے تھے وہ بھی ٹوٹ گئے۔پھر۔۔۔

اس ساری کہانی کا مقصد مختصر کر کے بیان کر دیں تو بہتر ہوگا۔اخبار کو وہی

کمرے کے باہر بائیں جانب پڑی ٹوکری میں پھینکتے اس نے کہا۔اور کمرے میں چلا گیا۔ملازم وہیں کمرے کی راہداری میں,ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

جناب ا گر آپ کو یقین نہیں تو آپ خود ان کو بلا لیں۔۔۔میں بلا لاتا ہوں۔زین کے بیزاری سے کہنے پہ اس نے تیزی سے کہا تو زین نے ہاتھ جھلا کر اسے ایسا کرنے سے منع کردیا۔وہ یہ سب صبح پوچھ سکتا تھا۔کمرے میں کوئی بھی چیز اتنی قیمتی نہیں تھی۔کہ جس کی چوری کے خوف سے وہ خامخواہ ایک ملازمہ کو رات کے اس پہر تنگ کرتا۔

جائیں اب یہ سارا گند اب صبح صاف کر دیجئے گا۔اور خیال رکھئے گا کہ بچے کہ ہاتھ نہ لگے۔جھک کر بوٹ کھولتے اس نے اگلا حکم صادر کیا تو ملازم نے منہ بنایا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جی بہتر۔۔۔کہہ کر وہ مڑنے والا تھا۔جب زین کی پکار پہ مڑا۔

آج گھر پہ کون کون آیا تھا؟کسی خیال کے تحت اس نے پوچھا۔

کوئی خاص مہمان تو نہیں آئے جناب۔دو حویلی والی بیبیاں تھیں۔اور ایک دو لوگ بڑے صاحب کو ملنے والے تھے۔جن میں سے اُنہوں نے ایک سے ملاقات کی تھی۔

کیوں دوسرے ایک سے کیوں نہیں کی؟

معلوم نہیں سرکار۔۔بس صاحب نے کہا تھا۔کہ جا کر کہہ دوں کہ صاحب دوا لے کر سو رہے ہیں۔اس نے کمال ُردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔تو زین نے سر اثبات میں ہلا دیا۔وہ اس وقت کچھ سوچ رہا تھا۔اور کمرے کی حالت اور اس کے پیچھے کے تخریب کار سے اس کا دماغ ہٹ چکا تھا۔

اچھا نام کیا بتایا تم نے اس ملنے والے کا؟

جناب نام مجھے معلوم نہیں۔۔۔

بابا آپ سے دس باتیں پوچھو تو نو باتوں کا علم آپ کی ناقص عقل کو نہیں ہوتا۔آپ سارا دن گھر میں کرتے کیا ہیں۔اسے اب پھر سے غصہ آیا تھا۔ملازم گڑبڑا گیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جناب نوکر مالک کی باتیں کان لگا کر سُنے یہ کوئی اچھی بات تو نہیں۔۔۔

کل سے تم یہ بھی کرو گے۔چلو اب جاؤ۔مجھے آرام کرنے دو۔کہہ کر اس نے ساری کہانی کو لپیٹا اور کپڑے تبدیل کئے بغیر ہی بیڈ پہ دراض ہو گیا۔ملازم نے جانے سے قبل کمرے کی بتی گل ِکر دی۔اور چھوٹا لیمپ جلاتا دروازہ بند کرتا واپس مڑ ِگیا۔

زین بیڈ پہ سیدھا لیٹا تھا۔اور نظر ناک سیدھ میں دیوار پہ تھی۔جو نیم تاریکی میں ایک ہیولہ سا معلوم ہو رہی تھی۔

میرے ہمسفر

میرے چارہ گر

نہیں اور کچھ بھی تیرے سوا

میری دوستی

میری زندگی

میری خاموشی

میری بے بسی

میرا علم بھی

میرا نام بھی

کہ میری صبح

میری شام بھی

جو مل سکیں میرے دام بھی

وہ سبھی تجھے وہ عطا کرے

میرے چارا گر تو یقین تو کر

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مجھے مانگنا تو نہ آ سکا

میں نے مانگی پھر بھی یہی دعا

کہ گواہی دے گا میرا خُدا

میں نے جب بھی مانگی کوئی دعا

نہیں مانگا کچھ بھی تیرے سوا۔۔۔

لینے آ رہا ہوں تیار رہنا۔موبائل کی پپ پہ اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب کو سائڈ ٹیبل پہ اُلٹا کر کے رکھا اور لیٹے لیٹے پاس پڑے فون کو اُٹھا کر سکرین پہ چمکتے خوبصورت الفاظ پڑھنے لگی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عبداللہ ہمیشہ اسے منانے کے لئے ایسے الفاظ ڈھونڈتا کہ وہ بس سمجھتی رہ جاتی۔جیسے ابھی اتنی گہری غزل پڑھ کر وہ چکرا کر رہ گئی تھی۔اس نے بچپن سے لڑکپن تک بیس سال باہر گزارے تھے۔اور اب جب واپس لوٹی تو اس کی بنیادں اتنی کمزور تھیں۔کہ کوئی بھی شخص پہلی نظر میں اسے دیکھ کر اور اس کے رکھ رکھاؤ پہ اسے پاکستانی نہیں کہہ سکتا تھا۔زبان کا علم تو دور کی بات تھی۔وہ جدید دور کی حالات کی ستائی ڈپریش کے مرض میں مبتلا ایک عام سی لڑکی تھی۔جسے ہر لمحے اپنے وجود کے کھو جانے کا احساس ڈنک مارتا تھا۔جو اگرچہ باہر کی پلی بڑھی تھی۔لیکن پناہ وہ بھی مرد کے پیچھے ہی تلاش کرتی آئی تھی۔اور وہ مرد عبداللہ تھا۔

عبد اللہ سے اس کا نکاح کیسے ہوا یہ ایک الگ داستان ہے۔جو وقت آنے پہ سامنے ضرور آئے گی۔

اس نے مسکرا کر الفاظ پڑھے اور موبائل کو سینے پہ رکھ کر چھت کو دیکھ کر ہونٹوں پہ مچلتی مسکراہٹ کو روکتی الفاظ سوچنے لگی۔

میں نہیں آ رہی۔۔۔میں ناراض ہوں۔مسکرا کر آخر اس نے لکھا اور پھر پیغام بھیج کر دیوار پہ لگے گھڑیال کو دیکھا جو رات کے دس بجے کا پیغام دے رہا تھا۔

اسی لئے تو بلا رہاں کہ منا سکوں۔اب اگر ملو گی نہیں تو مناؤں گا کیسے۔جواب چند ہی سکینڈوں بعد حاضر تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایک وقت تھا جب عاشق اپنے محبوب کو خط بھیجتا تو وہ خط سو مراحل سے گزر کر اپنے منزل پہ بمشکل پہنچ پاتا تھا۔اور ایک آج کا دور ہے۔کہ ادھر موبائل پہ پیغام لکھو اور ادھر بھیج دو۔خط اور پیغام تیزی سے سفر کرنے لگے ہیں۔یقناً سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے۔لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔

میں مانوں گی تب ناں۔۔۔شریر سا جواب تھا۔

تم آؤ تو سہی۔۔۔ماننے نہ ماننے کا فیصلہ بھی ہوجائے گا۔وہ بھی عبداللہ تھا مجال ہے جو پروں پہ پانی پڑنے دیتا۔

عبداللہ۔۔۔؟

جی مسز عبداللہ۔۔۔

تم کبھی سنجیدہ بھی ہو جایا کرو۔

سنجیدہ ہی ہوں۔اب اور کیا نماز کی نیت باندھ لوں۔پھر سے مزاق۔نمرہ نے پھوٹتے قہقہ کو بمشکل روکا۔اور جواب لکھنے لگی۔

مجھے تم سے بات نہیں کرنے اب مجھے میسج مت کرنا۔آخر میں دانت پستا ایموجی تھا۔عبداللہ نے بے اختیار قہقہ لگایا۔اس وقت وہ فلیٹ میں اکیلا تھا۔

لیکن بات تو ہم اب بھی نہیں کررہے ڈارلنگ۔ہم تو ٹاءپ کر رہے ہیں۔وہ اس سے بحث کے موڈ میں تھا۔

تم سے تو بحث ہی فضول ہے۔وہ بھی اس سے گفتگو میں لطف اندوز ہو رہی تھی۔

جب جانتی ہو تو کیوں اپنے چھوٹے سے ذیہن کو تھکاتی ہو۔مان کیوں نہیں جاتی۔

کہاں ناں نہیں آوں گی۔تو مطلب نہیں آوں گی۔جواب دو ٹوک تھا۔عبداللہ مسکرا دیا۔

اچھا سُنو۔۔۔میں تمہارے گھر آ جاؤں؟وہ پوچھ رہا تھا۔نمرہ کی آنکھیں پہلے پھیلیں

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور پھر ایک دم سکڑ گئیں۔

ہاں آ جاؤ۔۔۔لیکن یہ ذہن میں رکھنا کہ میرے باپ کو شکار کا بہت شوق ہے۔ایسا نہ ہو کہ دن چڑھنے سے پہلے میرا باپ ایک ریچھ کا شکار کر لے۔پیغام دوبدو دے کر وہ اب اس کے جواب کی منتظر تھی۔عبداللہ کے لئے اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا۔تو وہ ہنستا ہی چلا گیا۔

میں نے کیا تمہیں کبھی بتایا کہ میرے دادا نے تمہارے باپ کو شکار کھیلنا سیکھایا تھا۔؟

اوہ شائد میں بتانا بھول گیاہنسی روکتے اس نے کہا تو نمرہ بھی ہنستی چلی گئی۔اس بندے کے پاس جواب ہمیشہ تیار رہتا تھا۔وہ ہنس کر سر جھٹک گئی۔

ایسا کبھی نہیں ہوا۔۔۔

خیر میرے گھر آنے کاسوچنا بھی مت۔اور نہ اب مجھے میسج کرنا کیونکہ میں سونے جا رہی ہوں۔اللہ حافظ بات مکمل کر کے اس نے اختتامیہ الفاظ لکھے اور بھیج کر موبائل آف کر دیا۔وہ اب اسے جواب نہیں دینے والی تھی۔کیونکہ صبح شائد وہ یونی نہ جا پاتی۔اسے صبح اپنی ماں سے ملنے جانا تھا۔اور وہ یہ بات عبداللہ کو نہیں بتانا چاہتی تھی۔

عبداللہ نے افسوس سے سامنے موبائل کی سکرین کو دیکھا اور موبائل فون آف کر کے رکھ دیا۔سونے سے پہلے دونوں کے چہروں پہ یکساں اطمینان بھری

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مسکراہٹ رقصاں تھی۔

یہ منظر ہے اسلام آباد کے ایک مصروف اور پُر رونک سے پارک کا۔جہاں سنہری دھوپ ہر طرف پھیل چکی اور مارگلہ کے پہاڑوں سے اُٹھتی ٹھنڈک کا بہترین حل تھی۔مارگلہ کے پہاڑوں کے درمیان خود کار آباد اس شہر کی عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لئے اس پارک میں تھیں۔

نمرہ نے اپنی کار سے نکل کر پارک کے ایک مخصوص گوشے کو دیکھا۔اور سر کو سکارف سے چھپاتی اس گوشے کی جانب بڑھنے لگی۔

وہ اس وقت نیلے رنگ سکرٹ شرٹ میں ملبوس تھی۔جس پہ ایک لکیر تک کا نشان نہ تھا۔اس نے ڈائی شُدہ بالوں کی اونچی پونی بنا رکھی تھی۔اور سر کو سرخ رنگ سکارف سے ڈھک رکھا تھا۔اس کے چہرے پہ نرمی کا تاثر تھا جو اس کی آنکھوں پہ لگے چشمے نے کافی حد تک چھپا دیا تھا۔

جنوب میں ایک بڑا درخت وسیع رقبے پہ پھیلا ہوا تھا۔اس درخت کی شاخوں پہ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے گھر شوپیس کے لئے بنا کر رکھے گئے تھے۔نمرہ اس درخت کے نیچے سنگی بینچ پہ جا بیٹھی اور آنکھوں سے چشمہ ہٹا دیا۔

اس نظر ابھی اطراف کا جائزہ ہی لے رہی تھی۔جب اس نے کسی کو اپنے پہلو میں بیٹھتے دیکھا۔نمرہ کے دل کی ایک ڈھڑکن مِس ہوئی۔اس نے کن اکھیوں

سے اُنہیں دیکھا اور ہلکے سے مسکرائی۔

آج آپ لیٹ ہیں۔۔۔

ہاں باسٹھ سیکنڈز۔۔۔

پیچھلی بار جب میں لیٹ ہوئی تھی تو آپ نے کہا تھا کہ انسان کو وقت کا پابند ہونا چاہیے۔آج کیا کہیں گی۔ مسکراہٹ روکتے اس نے کہا۔تو جہاں آرا کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ مچل گئی۔جسے اُنہوں نے لمحے سے پہلے چھپا لیا۔

ماں کو تو سات خون بھی معاف ہوتے ہیں۔

لیکن آپ خون کیجئے گا مت۔ان کی جانب گھومتے اس نے ان کا ہاتھ پکڑتے کہا تو وہ دھیمے سے مسکرا دیں۔اور جھک کر نزاکت سے اس کے گال کا بوسہ لیا۔

وہ آج سیاہ پنٹ پہ خاکی شرٹ پہنے ہوئی تھیں۔بالوں کو اُنہوں نے بیٹی ہی کی طرح پونی میں باندھ رکھا تھا۔البتہ ماتھے پہ کٹے بال نمرہ سے مختلف اُنہیں جچ رہے تھے۔وہ وہاں بیٹھیں نمرہ کی ماں کم اور اس کی بڑی بہن زیادہ لگ رہی تھیں۔

میری چاکلیٹ۔۔۔بچوں کی طرح اس نے ہاتھ کھول کر ان کے سامنے ہتھیلی کی تو وہ بیگ سے چاکلیٹ نکالنے لگیں۔

اُنہوں بیگ سے دو چاکلیٹ برامد کر کے ایک خود رکھی اور دوسری بیٹی کی

جانب بڑھا دی۔جسے پکڑ کر وہ اُنہی کی دیکھا دیکھی کھانے لگی۔

یہ ان دو لوگوں کی زندگی کا ایسا دن تھا جس کا انتظار وہ ہر ماہ کی اسی تاریخ کو کیا کرتی تھیں۔وہ دونوں ماں بیٹی تھیں۔مگر ان دونوں کو دیکھ کر یوں لگتا جیسے وہ دونوں کوئی مسافر ہوں جو اتفاق سے ہی ایک ساتھ آ بیٹھی ہوں۔

می۔۔۔آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے؟چاکلیٹ کھاتے اس نے اُنہیں ماہ قبل کیاگیا ان کا وعدہ یاد دلایا۔تو جہاں آرا کے چہرے پہ ایک دم سے تناؤ اُبھرا۔

مجھے تو یاد ہے۔لیکن میرے خیال میں آپ میری پچھلی ساری باتیں بھول گئی ہیں۔

نہیں۔۔۔لیکن آپ نے مجھے کہا تھا کہ آپ مجھے جلد پیرس لے کر جائیں گیں۔آپ اور میں وہاں ایک ماہ رہیں گیں۔اور ہم اپنے فونز گھر چھوڑ کر جائیں گے۔لیکن اب آپ۔۔۔

نمرہ آپ یونیورسٹی کی طالِبعلم ہیں۔لیکن مجھے اب بھی یوں لگتا ہے۔جیسے آپ کوئی پانچ سالہ بچی ہیں جسے بار بار ایک ہی بات کو یاد دلانا پڑتا ہے۔وہ اس کی ہر بار کی ایک ہی ضد سے تنگ آ چکی تھیں۔

ٹھیک ہے تو پھر آپ کہہ کیوں نہیں دیتیں کہ آپ مجھے کہیں نہیں لے کر جائیں گیں۔آپ بھی ڈیڈ کی طرح مجھے چھپائے رکھنا چاہتی ہیں۔آپ بھی چاہتی ہیں کہ میں قید ہو جاؤں۔ایک آنسو بہت آہستگی سے اس کی آنکھ سے پھسل کر

اس کے گل پہ لڑکھ گیا تھا۔جہاں آرا نے ہونٹ بھینچ لئے۔

نمرہ آپ غلط سمجھ رہی ہو۔آپ جانتی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔اگر ایسا ہوتا تو میں کبھی آپ سے ملنے نہ آتی۔۔۔بلکہ اب تک شادی کر چکی ہوتی۔لیکن آپ ۔۔۔آپ ہر بار ایک ہی بات کر کے مجھے تکلیف دیتی ہو۔

می تو آپ آ کیوں نہیں جاتیں سب چھوڑ کر۔ان کا ہاتھ تھامتے اس نے لجاجت سے کہا تو وہ گہرہ سانس لے کر رہ گئیں۔وہ اسے اس وقت سمجھانے کی پوزیشن میں نہیں تھیں۔بس خاموش ہو رہیں۔

پلیز می آ جائیں واپس۔آپ اور میں ادھر سے ہمیشہ کے لئے چلے جاتے ہیں پلیز ناں۔ان کا ہاتھ پکڑے اس نے ہٹیلے پن سے کہا تو وہ ایک دم سے پھٹ پڑیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایک بار کی کہی بات آپ کو سمجھ کیوں نہیں آتی۔یہ آپ کے اور میرے لئے محفوظ نہیں۔۔۔

آپ مجھ سے ایک ہی بات کیوں کرتی ہیں۔سمجھ کیوں نہیں آتی آپ کو کہ آپ کی ماں اس وقت صرف آپ کو بچا رہی ہے۔ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتے اُنہوں نے سخت لہجے میں کہا تو نمرہ نے ایک دم سے ان کے ہاتھ چھوڑ دئے اور چہرہ موڑ لیا۔اب وہ رو رہی تھی۔

مجھے پتہ ہے۔آپ بھی ڈیڈ جیسی ہی ہیں۔مجبوریاں تو صرف میری ہیں۔کہ میں

آپ دونوں کی بیٹی ہوں۔اور آپ دونوں ہی مجھے چھوڑ سکتے ہو اور نہ رکھ۔بس اسی لئے مجھے کہیں بیچ میں لٹکا کر آہستہ آہستہ مار رہے ہو۔تاکہ آپ دونوں کی جان چھوٹ جائے۔بہت دُکھی دل کے ساتھ اس نے وہ سب کہا تھا۔جو وہ کہنا بھی نہ چاہتی تھی۔

جہاں آرا کے دل میں جیسے ایک طوفان تھا تو ایک دم سے کہیں گہرائی سے اُٹھا تھا۔اُنہوں نے ہونٹ بھینچ کر سنگی بینچ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

ایسا کچھ نہیں ہے۔آپ جانتی ہیں۔بولیں تو ان کا لہجہ کمزور تھا۔نمرہ نے ناراضگی سے سر جھٹکا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں آئندہ آپ سے ملنے اب نہیں آؤں گی۔اگر آپ دونوں کو میری پروا نہیں تو مجھے بھی کسی کی پرو نہیں۔اس نے فیصلہ سُنا تو دیا مگر وہ پھر بھی یہ نہ کہہ سکی اسے ان کی پروا نہیں۔کیونکہ یہ جھوٹ تھا۔

پلیز نمرہ۔۔۔آپ مجھے بے بس مت کریں۔۔۔بے بسی سے چور لہجے میں اُنہوں نے کہا تو نمرہ نے ہونٹ بھینچ کر اُنہیں دیکھا۔

پھر چلیں۔۔۔میں ہر صورت پیرس جانا چاہتی ہوں۔اگر آپ نہ آئیں تو میں اکیلی چلی جاؤں گی۔اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ کبھی آپ کو اپنی شکل بھی نہیں دیکھاؤں گی۔ضدی لہجے میں کہتی وہ اُنہیں بالکل اپنے باپ ہی کا پرتو لگی۔اُنہوں

نے آہستہ سے سنگی بنچ کو چھوڑ دیا۔اور ہاتھ گود میں رکھ لئے۔ان کی نظر اب سامنے درخت پہ تھی۔جس کے ایک گھونسلے میں بیٹھی چڑیا اُنہیں اپنا آپ لگی۔

ٹھیک ہے اگلے ہفتے تک اپنی تیاری مکمل کر لیں۔ہم ڈنر

Le Gabriel

میں ہی کریں گے۔

مختصراً فیصلہ سُنا کر اُنہوں نے اسے ایک نظر دیکھا اور پھر کچھ بھی کہے بغیر آنکھوں پہ چشمہ لگاتیں وہاں سے اُٹھ گئیں۔نمرہ نے مسکرا کر آنسو صاف کئے۔

میں جانتی ہوں ممی آپ مجھ سے ناراض وہ کر گئی ہیں۔لیکن مجھے یقین ہے۔کہ میں آپ کو منا لوں گی۔سوچ کر اس نے آنکھوں پہ سیاہ چشمے چڑھائے اور وہاں سے اُٹھ گئی۔

ہائے مسز عبداللہ۔۔۔

رات گیارہ بج کر نو منٹ پر وہ میسج پڑھ رہی تھی۔نمرہ کے چہرہ پہ پھیلی مسکراہٹ مزید گہرہ ہوئی۔

مسٹر ہبی خریت۔۔۔آپ سوئے نہیں؟

نہیں۔۔۔اچھا یار یہ تم نے طوطوں کا پنجرا آخری بار کب صاف کروایا تھا۔قسم

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لے لو بہت بو آ رہی ہے۔ایک ہاتھ سے ناک دباتے اس نے مسکراہٹ روک کر کہا۔تو نمرہ جو بیڈ پہ آڑی ترچھی لیٹی اپنی اور ممی کی تصویریں دیکھ رہی تھی۔اُچھل کر بیڈ سے یوں اُتری جیسے کوئی زہریلی چیز ہو جو اس کے ماتھے پہ آن گری ہو اور اس سے بچنا مقصود ہو۔

تم۔۔۔تم اس وقت کہاں ہو؟اسے لگا اس کا سانس رُک جائے گا۔

اپنے سُسرال میں۔۔۔عبداللہ کا اس لمحے قہقہ مار کر ہنسنے کو دل چاہا مگر پنجرے سے اُٹھتی بو نے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

اوہ میرے خُدا۔۔۔وہ ماتھ پیٹ کر رہ گئی۔

کہاں۔۔کہاں بالکنی میں ہو؟اس نے تیزی سے ٹائپ کر کے پوچھا۔تو جواب اگلے ہی لمحے آ گیا۔

ہاں۔اپنی بیوی کے کمرے کی گندی سی بدبودار بالکنی میں۔

میں آ رہی ہوں۔۔۔وہ فون کو بیڈ پہ اُچھالتے تیزی سے بالکنی کے دروازے کی جانب بڑھی جو اندر سے مقفل تھا۔اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر بالکنی میں جھانکا۔

عبداللہ سیاہ اپر پہنے ناک کو ایک ہاتھ سے ڈھانپے پنجرے کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔نمرہ کے دروازہ کھولتے ہی اُٹھ کر تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور پھر

نمرہ کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اندر تھا۔

یہ۔۔یہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ لمبا سانس لے کر بیڈ پہ بیٹھتے عبداللہ کو دیکھ کر اس نے پوچھا تو جواب میں عبداللہ نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا تھا کہ وہ چکرا کر رہ گئی تھی۔

عجیب بیوی ہو تم۔۔۔وہ جانتی تھی۔اب اس کا بیوی نامہ شروع ہونے والا تھا۔وہ سینے پہ بازو لپیٹے اسے دیکھتی رہی۔

اچھا اب کیا تم مجھے یہاں بیٹھ کر شوہروں کے حقوق پہ لیکچر دو گے یا پھر کام کی بات بھی کرو گے۔کچھ لمحے خاموشی سے اسے دیکھنے کے بعد اس نے کہا تو عبداللہ ہنس دیا۔اور پھر اسے کلائی سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اپنے پہلو میں گرانے کے سے انداز میں بیٹھایا تو نمرہ کراہ کر رہ گئی۔

ہائے امی۔۔۔

تم آج یونی کیوں نہیں گئی۔اس بیٹھاتے اس نے گھور کر پوچھا تو نمرہ جو اس سوال سے بچنے کی خاطر بہانہ ڈھونڈنے والی تھی۔پہلو بدل کر رہ گئی۔

بس دل نہیں چاہ رہا تھا۔ہاتھ کے ناخن کو دیکھتے اس نے کہا تو عبداللہ نے خاموشی سے اسے دیکھا۔

کیوں؟

بس پتہ نہیں۔۔۔نظر متوتر اس کی ہاتھ کے ناخنوں پہ تھیں۔عبداللہ نے بے ساختہ اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھ لیا۔نمرہ نے اسے دیکھا۔مگر اس کی نظروں میں جلتے لو دیتے احترام محبت اور ہمدردی کے جزبات دیکھ کر گہرہ سانس لے کر رہ گئی۔

نمرہ کوئی مسلہ ہے؟اس نے اسے جانچتے ہوئے پوچھا تو نمرہ نے سر نفی میں ہلا دیا۔

کچھ نہیں۔۔۔

کچھ تو ہے۔اس کے گرد بازو لپیٹ کر اسے دلاسہ دیتے اس نے زور دے کر پوچھا تو نمرہ افسردگی سے مسکرا دی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عبداللہ۔۔۔

جی عبداللہ کی جان۔۔۔اس کا انداز ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔نمرہ پھیکے سے مسکرائی اور ہاتھ کی بند مُٹھی اس کے سینے پہ ماری تو عبداللہ نے مصنوعی دہائی دی تھی۔

اچھا مزاق کے علاوہ بتاؤ کیا مسلہ ہے۔بائیاں بازو اس کے گرد لپیٹے دائیں ہاتھ سے نمرہ کا ہاتھ سہلاتے وہ پوچھ رہا تھا۔

عبداللہ مجھے پیرس جانا ہے۔آخر کچھ سوچ کر اس نے کہہ ہی دیا۔تو عبداللہ اسے

دیکھ کر رہ گیا۔

یہ کیوں ذہن میں آیا؟وہ اب سنجیدہ تھا۔نمرہ نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔اور پھر سر اس کے کندھے سے ٹکا لیا۔عبداللہ کے چہرے پہ مردہ سی مسکراہٹ نمودار ہو کر مدھم ہو گئی۔

بس میں یہاں سے۔۔۔ان لوگوں سے(اس کا اشارہ اپنے باپ اور بھائی کی جانب تھا)دور جانا چاہتی ہوں۔بس کچھ دیر کے لئے۔محض کچھ وقت کے لئے۔اس کے لہجے میں ہلکی سے نمی کی آمیزش دھر آئی۔تو عبداللہ محض گہرہ سانس لے کر رہ گیا۔۔

یہ اس کی زندگی میں شامل وہ افرد تھے۔جن کو تو وہ اگل سکتی تھی۔اور نہ نگل۔ایسے میں وہ اسے کچھ بھی کہتا سب بے سُدھ تھا۔

ٹھیک ہے۔میں بھی چلوں گا۔بتاؤ کب جانا ہے۔

نہیں میں بس اکیلے جانا چاہتی ہوں۔

نہیں نمرہ یہ نہیں ہوسکتا تم جانتی ہو۔وہ اس کی اس نئی ضد پہ جھنجھلایا تھا۔نمرہ نے آنکھوں میں اشک لئے شکوہ کناں نظروں سے دیکھا تو وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

پلیز۔۔۔

نہیں نمرہ۔۔۔پلیز ضد مت کرو۔میں تمہارے معملے میں کسی بھی صورت رسک نہیں لے سکتا۔تو پلیز ضد نہیں۔اس کے بالوں کو سہلاتے اس نے کہا تو نمرہ نے اس کے کندھے کا سہارا چھوڑ دیا۔اور اُٹھ کرسامنے دیوار گیر بُک شلف کی جانب منہ کر کے کھڑی ہوگئ۔گویا یہ ناراضگی ظاہر کرنے کا ایک انداز تھا۔عبداللہ نے گہر سانس لیا۔

مجھے نہیں لے کر جاؤ گی تو کسی اور کو لے جاؤ۔کسی دوست کو یا پھر یونی کے کسی گروپ کو۔وہ اب مفاہمت پہ اُتر آیا تھا۔

میں کوئی بچی تو نہیں ہوں کہ اکلیلے جانہ سکوں۔منہ بنا کر رُخ موڑ کر اس نے کہا تو عبداللہ گہرہ سانس لے کر رہ گیا۔

مجھے سمجھ نہیں آتا یہ فتور تمہارے ذیہن میں آتا کہاں سے ہے۔ہر روز ایک نئ کتھا لے کر بیٹھی ہوتی ہو۔

پتہ بھی ہے کہ حالات کتنے خراب ہیں۔لیکن ہر روز کی ایک نئ ضد۔وہ اب اسے جھاڑ رہا تھا۔

اچھا ناں پلیز مان جاؤ۔۔۔واپس اس کے پہیلو میں بیٹھتے اور اس کے کندھے پہ تھوڑی ٹکا کر لاڈ سے کہا تو عبداللہ نے گہرہ سانس لیا۔اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

جو دل میں آئے وہی کرو۔۔۔لیکن میرے سے بات مت کرنا کہہ کر وہ تیزی

سے بلکنی کے دروازے کی جانب بڑھا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ باہر تھا۔نمرہ نے ایک افسردہ مسکراہٹ سے اسے جاتے دیکھا۔

مجھے یقین ہے ڈیئر ہبی کے میں آپ کو منا لوں گی۔

رات کا دوسرا پہر تھا۔جب کتاب پہ جُھکے اس نے تکئے کے نیچے اُندھے پڑے موبائل پہ کال کی آواز سُنی۔۔۔اس نے گہرہ سانس لے کر لے کر ہاتھ میں پکڑی پنسل کو کتاب پہ رکھا اور بن دیکھے ہتھ تکئے کے نیچے گُھسا کر نیچے سے موبائل برامد کیا۔

مگر یہ کیا۔۔۔سامنے جگمگاتے نام کو دیکھتے ہی فلک کے چہرے پہ ایک عجیب سا تاثر اُبھرا تھا۔اس نے مرے دل کے ساتھ کال اٹنڈ کی۔

جی؟ انداز لٹھ مار تھا۔حنان نے سکون کا سانس لیا۔

میں نے تمھیں تنگ تو نہیں کیا؟

کا تو ہے۔دانت پیس کر اس نے کہا تو حنان ہنس دیا۔

تمھیں کسی کا دل بھی رکھنا نہیں آتا۔کہہ دیتی کہ نہیں تو مجھے تھوڑی سی خوشی ہو جاتی۔سر کو اپنے بیڈ کی پُشت سے ٹکاتے اس نے کہا تو فلک نے ایک نظر تار کو دیکھا۔جو شائد سو رہی تھی۔اور واپس کہنے لگی۔

میں کسی کا دل رکھنے کے لئے اب جھوٹ تو بالنے سے رہی۔فلک سُلطان اپنی مرضی کی مالک ہے۔پنسل کو اُٹھا کر انگلیوں میں گھوماتے اس نے ایک ادا سے کہا تو حنان ہنستا چلا گیا۔

آپ کی ہر گستاخی ہمارے لئے ادا ہے۔ہنستے ہوئے اس نے کہا تو۔فلک نے بد مزہ ہو کر ہونٹ لٹکا کت جیسے اس کی نقل اُتاری تھی۔

میں اس وقت پڑھ رہی تھی۔جب تم نے مجھے کال کی۔اب اگر مطلب کی بات کرو تو بہتر ہے ورنہ خُدا حافظ۔منہ بنا کر اس نے مقابل کو اس کے دائرے میں رہنے کا اشارہ کیا۔

ہم م۔۔۔تو مطلب تم مجھے یاد نہیں کر رہی۔وہ پھر سے شوخ ہوا۔فلک نے فون کان سے ہٹا کر سکرین کو گھورا۔حویلی کے افراد کو اگر اس حنان حرف مُچھڑ کا یہ چہرہ نظر آ جاتا تو شائد وہ سب ہی حیرت سے ہلاق ہو جاتے بمعہ حنان کے ابا۔

میں نے تمہیں کبھی بھی یاد نہیں کیا مسٹر محمد حنان احمد۔تم بس خود ہی خامخواہ میری ہر جگہ گھسے چلے آتے ہو۔آج اس نے کسی بھی قسم کا لیحاظ نہیں رکھا تھا۔حنان نے ہونٹ بھینچ لئے۔

محترمہ آپ اس وقت اپنے منگیتر سے مخاطب ہیں۔ذرا آرام سے۔۔۔اسے اسی بات کا بہت زعم تھا۔کہ وہ اس کی تھی۔

ہاں تو منگیتر کو کس نے کہا ہے کہ رات کے اس پہر مجھے کال کر کے تنگ کرے۔

میں تمہیں تنگ نہیں کر رہا۔بس نیند نہیں آ رہی تھی۔تو سوچا تم سے بات کرلوں۔وہ کچھ شرمندہ ہوا تھا۔

تو میں لوریاں سُنانے کا کام تو نہیں کرتی ناں۔

اب آپ پلیز آئندہ مجھے کال مت کیجئے گا۔اب شادی ہو رہی ہے تو بہتر ہے کہ آپ مجھے نہ ہی چھیڑیں جو ہو رہا ہے اسے خاموشی سے ہونے دیں۔ورنہ ۔۔۔آگے سے دانستہ طور پر اس نے جملہ چھوڑ دیا۔حنان کے ماتھے پہ بل اُبھرے۔وڈیرے کی ناک پہ بات تھی۔کہ ایک لڑکی اسے دھمکی دے گئی تھی۔چاہے اب وہ اس کی محبوبہ ہی کیوں نہ تھی۔

ورنہ؟

کچھ نہیں۔۔۔کہہ کر اس نے کھٹاک سے فون رکھ دیا۔حنان نے پہلے تو سیاہ پڑتی سکرین کو گھورا اور پھر بہت غصے اور بے بسی کے عالم میں فون سیدھا سامنے کی دیوار میں دے مارا۔یہ اس کی برداشت کی انتہا تھی۔

فلک نے سر جھٹک کر فون کو آف کر دیا۔حنان کا معمول تھا۔وہ اسے روز بلاناغہ کال کرتا۔کبھی وہ کلاس میں ہوتی کبھی کہیں اندر باہر ہوتی تو کبھی جانبوجھ کر نہ اُٹھاتی۔یہ شاقذ ملتان سے آنے سے بعد تیسی بار تھا کہ وہ اس

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سے بات کر رہی تھی۔وہ بھی اس قدر تلخ انداز میں۔

فک کو ویسے کچھ لمحوں بعد اپنے رویے پہ افسوس ہوا تھا۔لیکن وہ پھر زیادہ دیر اس سب کے بارے میں سوچ نہ سکی اور واپس پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔

وہ فائل کہاں ہے۔؟

کونسی فائل؟

بزرگوار۔۔۔

حضرت۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بابا جی کیوں اُلجھ رہے ہو۔اور ہمیں بھی اُلجھاتے ہو۔آپ جانتے تو ہو کہ میں کس فائل کی بات کر رہا ہوں۔تو پھر کیوں۔۔۔

کیوں یار آپ ایسے بنتے ہو۔دلاور صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا کہہ رہا تھا۔ابراھیم دادا کے ماتھے پہ ان گنت بل نمودار ہوئے۔

پہلی تو بات یہ لڑکے کہ میں کسی فائل کے بارے میں نہیں جانتا۔اور دوسری بات معلوم ہوتا ہے۔کہ فائل خاصی اہم ہے۔تو مطلب صاف ہے۔کہ اگر مجھے پتہ ہوتا تو تمیں ہر گز نہ بتاتا۔اب اگر اور کوئی تکلیف ہے تو پوچھو ورنہ چلتے بنو۔ریٹائرڈ برگیڈئر صاحب اس وقت معمول سے ہٹ کر شدید غصے میں

تھے۔ماتھے کی رگیں بھی تنی نظر آتی تھیں۔

باہر بظاہر دیوار پہ لگی سنری کو کپڑے سے صاف کرتے کریم بخش کے کان اس جانب ہی تھے جدھر سے آوازیں آ رہی تھیں۔اس نے وہیں کھڑے کھڑے فون جیب سے نکالا اور زین مصطفٰے کا نمبر ملا دیا۔کال دوسرے ہی لمحے اُٹھا لی گئی۔

جی بابا کوئی خبر؟ مصروف سے انداز میں زین نے پوچھا تھا۔ماتھے پہ مصروفیت کی لکیریں تھیں۔

سرکار بیٹھک میں کوئی آیا بیٹھا ہے۔تو صاحب سے کسی فائل کا پوچھ رہا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ حالات کچھ اچھے نہیں۔مدھم آواز میں کریم بخش نے کہا تو زین کے ماتھے پہ تین چار بل مذید نمودار ہوئے۔اس نے ڈھیلے ہوتے کمر کرسی کی پشت پہ گرا دی۔اور جب بولا تو لہجہ سنجیدہ تھا۔

موبائل کا سپیکر آن کر کے اندر رکھ کر آؤ۔

جی بہتر،اگلے حکم پہ وہ سپیکر آن کرتا اندر تھا۔

بحث زوروشور سے جاری تھی۔

دیکھیں بزرگوار بڑھاپہ اللہ توبہ کے لئے ہوتا ہے نہ کہ ایڈوینچرز کے لئے۔خامخواہ میں اپنی اور اپنے پوتے کی جان خطرے میں مت ڈالیں۔یہ

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سانڈھوں کے بیچ کیوں پِسنا چاہتے ہیں۔دلاور کی آواز پہ زین نے کرسی سے پُشت چھوڑی اور سامنے میز پہ پڑا پیپر ویٹ اُٹھا کر انگلیوں میں گھمانے لگا۔زیہن اور کان تیزی سے کام میں مشغول تھے۔

برخردار۔۔۔جتنی تمہاری عمر ہے اتنا میرا آدھا تجربہ ہے۔تو یہ تو تم مجھے مت سمجھاؤ کہ کیا سہی ہے اور کیا غلط۔تم بس اپنے مالکوں کی فکر کرو۔جن کی پھینکی ہڈی کے پیچھے تم دم ہلاتے یہاں تک آن پہنچے ہو۔

ریٹائرڈ برگیڈئر جانتا ہے۔کہ تم جیسے جانوروں سے کیسے پیش آنا ہے۔تو۔۔۔

آپ اب زیادہ سنجیدہ ہو رہے ہیں۔ایسا نہ ہو کہ ہمیں بھی آپ کو اپنا آپ دیکھانا پڑ جائے۔کل تک سوچیں پرسوں میں جب آؤں تو اپنی مرضی کا جواب دے کر انعام حاصل کرلیں۔۔۔وہ بولتا رُکا اور مسکرایا۔

مطلب تو پھر آپ سمجھ ہی گئے ہوں گے۔آخر کو۔۔۔اتنا تجربہ ہے آپ کے پاس۔گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہتے دلاور نے اُٹھ کر سامنے کے کوٹ کے بٹن بند کئے۔دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو کنپٹی پہ لے جا کر سلوٹ کیا۔اور پھر جاتے جاتے کریم بخش کے کندھے کو تھپکتے باہر نکل گیا۔

ابراھیم دادا نے شہادت کی انگلی سے آنکھوں پہ لگے چشمے کو درست کیا۔اور پھر گھٹنوں پہ زور ڈالتے اُٹھے اور باہر نکل گئے۔ان کا نداز پُر سوچ تھا۔بابا کریم نے گہرہ سانس لے کر جیب سے موبائل نکالا۔اور سکرین کو دیکھا جو اب سیاہ

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھی۔وہ کال کاٹ چکا تھا۔اور اب پھرتی سے ایک نمبر ملا رہا تھا۔

آج رات دس بجے چئرمین نیب کو ہر صورت میل کرو۔وہ کہہ رہا تھا۔

جی سر۔۔۔دوسری جانب سے پتہ نہیں حیرت دیکھائی گئی تھی۔یا پھر حکم بجا لایا گیا۔اس نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔اور کال کاٹ دی۔

پیپرویٹ اس کے ہاتھ میں اب بھی موجود تھا۔جسے وہ آہستہ آہستہ گھوما رہا تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

شہروز۔۔۔

ہم۔۔۔

میں تین دن بعد پیرس جا رہی ہوں۔آپ میرے پیچھے سے گزارہ کر لیں گے۔شہروز اکرام اخبار کا مطلعہ کر رہے تھے۔جب جہاں آرا نے ان کے سامنے چائے رکھتے ہوئے کہا تھا۔اُنہوں نے چونک کر جہاں آرا کو دیکھا۔

کس لئے۔؟انداز تیکھا تھا۔جہاں آرا مسکرائیں۔

آپ چیزوں کو اتنی جلدی بھول کیوں جاتے ہیں۔بتایا تو تھا۔کہ میں ایک ایونٹ میں وہاں مدعو ہوں۔۔۔نزاکت سے بتاتے اُنہوں نے آخر میں شکوہ کیا۔تو شہروز اکرام نے فریم لیس چشمے کے پار سے اُنہیں دیکھا اور پھر ہاتھ میں پکڑا اخبار سامنے کانچ کی میز پہ پٹخنے کے سے انداز میں رکھتے اُنہوں نے چائے کا

کپ اُٹھا لیا۔

کچھ کہیں بھی۔جواب میں خاموشی پاکر اُنہوں نے پوچھا تھا۔

ساتھ اور کون ہوگا؟

میراگروپ۔۔۔میری ٹیم۔جن کی وجہ سے آج میں ہوں۔مسکراتے ہوئے کٹے بالوں کو ماتھے سے ہٹاتے اُنہوں نے ایک ادا سے کہا تو شہروز اکرام نے بہت جانچتی نظروں سے اُنہیں دیکھا تھا۔جہاں آرا کا دل لمحے کو کانپا۔مگر پھر وہ سمبھل گئیں۔

بس؟

جی۔۔۔سر اثبات میں ہلاتے اس نے ان کے پہلو میں صوفے پہ جگہ بنائی اور ان کے قریب ہو کر سر ان کے کندے سے ٹکا لیا۔

آپ کو مجھ پہ یقین نہیں ہے ناں۔۔۔لہجے میں شکوہ در آیا۔آنکھیں بھی نم ہوئیں۔شہروز اکرام نے گہرہ سانس لے کر کپ سامنے میز پہ رکھ دیا۔اور واپس اخبار اُٹھا لی۔

ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔انداز صاف جان چھڑاتا تھا۔

تو پھر آپ ہمارے نکاح کا سب کو بتا کیوں نہیں دیتے۔

اس سے آپ پہ اعتبار کو کیا تعلق؟ وہ سیدھے ہوئے۔تو جہاں آرا بمشکل

مسکرائیں۔

ہے تو سہی۔۔۔میں اس ٹرپ پہ آپ کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔میری زندگی کی صرف ایک ہی خواہش ہے۔کہ میں آپ کے ساتھ کہیں باہر کہیں دوسری دنیا میں نکل جاؤں کبھی نہ واپس لوٹنے کے لئے۔شہروز اکرام کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے گہرہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو شہروز اکرام بھی مسکرا دئے۔اور اخبار کو واپس اس کی جگہ پہ پٹخ دیا۔اور پھر نرمی سے جہاں آرا کا ہاتھ تھام لیا۔

اور آپ کی بیٹی؟

اور ضیاء آفندی۔۔۔ان کا کیا؟ وہ جب جب جہاں آرا سے ان دو لوگوں کے خلاف سخت الفاظ سُنتے اُنہیں دلی راحت پہنچتی تھی۔جہاں آرا ان کی جیت تھی۔اور اس جیت سے اُنہیں آخری انتہا کی محبت تھی۔جس میں رائی برابر بھی شرک وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔کجا کے پورے پورے دو انسان برداشت کرنا۔

آپ سے مجھے بس ایک شکوہ ہے شہروز۔۔پتہ ہے کیا؟

آپ ہمشہ اس وقت ان لوگوں کو بیچ میں لاتے ہیں جب میں آپ سے صرف ہماری بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔میں ان لوگوں کو دیا بھی نہیں کرنا چاہتی جو میرے ماضی کی تلخ اور تکلیف دے یاد ہیں۔جنہیں میں جب جب کھرونچ کھسوٹ کر صاف کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔آپ اس پہ نمک پاشی

کر دیتے ہیں۔ان کے لہجے میں محسوس کیا جانے والا درد سمٹ آیا تھا۔

شہروز اکرام جیسے ایک دم سے نہال سے ہوگئے۔اُنہوں نے جہاں آرا کا سر اپنے کندھے سے ٹکا لیا۔اور بال آہستہ آہستہ سہلانے لگے۔

جہاں آرا نے سکھ کا سانس لے کر بائیں ہاتھ کو شہروز اکرام کے سینے پہ رکھتے دائیں سے آنکھ کا کنارہ صاف کیا۔یقیناً وہ ایک اچھی اداہکارہ تھیں۔۔۔اُنہوں نے ایک شکاری کو بہت ہوشیاری سے رام کیا تھا۔اور یہ ان کی شہروز اکرام اور ضیاء آفندی سے بھی بڑی جیت تھی۔

کیونکہ وہ اکیلی تن تنہا ان دو سے لڑ رہی تھیں۔وہ بھی اپنی بیٹی کے لئے۔نہ جانے کب سے۔جانے کب تک کے لئے۔۔۔

اب تک کی تازہ ترین خبر۔۔۔

نیب کی بڑی پیش رفت۔۔۔

ناظرین۔۔۔

سٹائلش سے رنگین لباس میں شوخ رنگ لپسٹک لگائے کیمرے کے سامنے بیٹھی نیوز کاسٹر ایک ہی جملے کو بار بار بہت جوش اور جزبے کے عالم میں دوہرا رہی تھی۔اور اپنے کمرے میں کرسی پہ بیٹھے چیئرمین نیب کے چہرے کا ایک رنگ

آ اور دوسرا جا رہا تھا۔ان کا چہرہ اس بات کا گواہ تھا کہ فائل ان تک پہن چکی ہے۔

اُنھوں نے ایک ناپسندیدہ سی نظر اس لڑکی پہ ڈال کر ریموٹ سے دیوار گیر سکرین کو بند کیا۔اور پھر ماتھے پہ آئے پسنے کو ٹیشو سے صاف کر کے فائل کو دوبارہ ایک بار پڑھنے سے قبل پانی کا گلاس بھرا اور پھر منہ کو لگا لیا۔

اس عرصے میں یہ چھٹا گلاس تھا۔جو وہ پانی سے بھر کر اپنے اندر انڈیل رہے تھے۔غالباً کیس چلنے سے قبل ہی وہ کمزوری محسوس کرنے لگے تھے۔

سانڈھوں کی اس جنگ وہ خامخواہ مارے جانے والے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جس روز زین کو معلوم ہوا کہ دلاور نے دادا کو دھمکایا ہے زین نے اس کے ٹھیک چھ گھنٹوں بعد فائل کو نیب کے حوالے کر دیا تھا۔وہ دادا کو امریکہ بھجوا چکا تھا۔اوروہاں ان کی سیکورٹی کو کوئی مسلہ درپیش نہ ہوتا اسے جیسے یقین تھا۔شائد اس کی بڑی وجہ اس کے کزن کا نیویارک کا میئر ہونا۔

زین کو دیکھ کر ان کو پانچ کو یہی لگا تھاکہ وہ اسے ڈرا دھمکا کر اپنی بات آسانی سے منوا لیں گے۔یا پھر ایک گولی یا کوئی کاراکیسیڈنڈٹ کروانا ان کے لئے کوئی مشکل نہ تھا۔لیکن یہاں معملہ کچھ اُلٹا پڑ چکا تھا۔

زین نے فائل کو بھجوا نے کے ساتھ ہی سیدھا میڈیا کو اس کیس میں شامل کر لیا تھا۔اب اگر وہ کسی بھی صورت زین مصطفٰے یا اس کے خاندان کو کسی

بھی طرح سے زچ کرنے کی کوشش کرتے تو یہ بات عوام میں واضع ہوجاتی کہ اس سب کے پیچھے کون ہو سکتا ہے۔اور پھر یقیناً اُن سے پارٹی کی رُکنیت بھی لے لی جاتی اور اگلے دو الیکشنز بھی اُنہیں مکمل طور پہ ہاتھ سے دینے پڑتے۔

بے شک کاظمی اور اس کے ساتھیوں کا راج تھا میڈیا پہ مگر ان کی قسمت خراب تھی کہ سب سے زیادہ اس خبر کو پھیلانے میں معوان ثابت ہونے والا کوئی اور میڈیا نہیں سوشل میڈیا تھا۔جہاں بظاہر ناکام اور ہارے ہوئے لوگ بیٹھ کر اپنا وقت ضائع کر رہے تھے۔مگر وہی لوگ اس ملک کی طاقت تھے۔کیونکہ آج کل سوشل میڈیا پہ آواز اُٹھا نہ تو مشکل ہے اور نہ بہت زیادہ خطرناک۔

زین نے خبر کو سوشل میڈیا پہ سوشل میڈیا ایٹیوسٹس سے ایسے نشر کروایا کہ سارے ملک بلکہ بین الاقوامی منڈی میں ایک دم سے جیسے سناٹا چھا گیا تھا۔کاظمی، شہروز اکرام اور ضیاء آفندی کا بزنس محض۔۔۔محض چند سیکنڈوں میں نیچے کو آ یا تھا۔اگرچہ بظاہر کوئی بڑی تبدیلی معلوم نہ ہوتی تھی۔مگر سٹوک اسچینج میں لگے انکی کمپنی کے شئیرز تیزی سے گرے تھے۔اور زین کواور اس کے سنئیرز کو مسلسل اس کی خبریں مل رہی تھیں۔زین جانتا تھا کہ وہ ان پانچ پہ ہاتھ ڈال کر اُنہیں سیدھا اپنی گردن پہ ہاتھ ڈالنے کا موقع دے رہا ہے۔مگر اس کی انا اس کا زعم اور اس کی محب وطنی اسے روکتی تھی کہ وہ پیچھے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہٹے۔وہ وہ شخص تھا۔جو اگر چھوٹے طبقے میں کسی کو معمولی چیز پہ ٹیکس نہ دیتے دیکھتا تو بھڑک اُٹھتا تھا۔معمولی چوری کے کیس میں جب تک سو جوتے نہ مرو ا لیتا اسے سکون نہ ملتا تھاتو اتنے معتبر اور بڑے لوگوں کو سرعام چوری کرتے دیکھنا اس کے لئے ناممکن تھا۔یقیناً اس نے اندھے کوئیں میں کھیلنے کی بازی لگائی تھی۔مگر بالکل بے خوف ہو کر لگائی تھی۔وہ ہر صورت لوگوں کے سامنے ان پانچ کا چہرہ لانے کا عزم کئے ہوئے تھے۔جن کو لوگ مانتے تھے۔جن کی عزت کرنے کو لوگ اپنی عزت سمجھتے تھے۔جب کا چھوڑا کھانا ان کے لئے بعثِ عزاز تھا۔اور زین مصطفٰے کو یہ ہر گز گوارہ نہ تھا کہ اس کے ملک کے باسیوں کی توہین ہو۔

وہ سمجھ سکتا تھا۔اس سب کے بعد کیا ہو گا۔اس کیس کو چلانے سے پہلے اس نے دو ماہ محض اپنے افسران کو منانے میں لگائے تھے۔جو اس ساری صورتِحال کو بہت باریک بینی سے دیکھ رہے تھے۔زین بھی سمجھ رہا تھا۔

کیس وہ ہارتا یانہ اس سے پہلے اس کی ٹرانسفر ہو جانی تھی۔یہ اسے معلوم تھا۔لیکن اس سےاسے کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔پھر بات آتی تھی کیس ہارنے اور جیتنے کی۔

اگر وہ کیس جیت جاتا ہے تو ممکن ہے کہ اسے تیزی سے ترقی دی جاتی۔بہت ساری شہرت اس کے گھر کے دروازے پہ دستک دیتی نظر آئے۔لوگ اسے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Article|Books|Poetry|Interview

جہاں دیکھیں ہو ہائے کہ نعرے لگائیں اور پھر ایک دن ٹھنڈے ہو کر تو وہ بیٹھ ہی جائیں گے۔وہ عزت سے بہت سارے خطروں کے ساتھ نوکری کرتا اور پھر دشمنوں سے بھری نوکری سے ایک روز ریٹائر ہو جاتا۔جبکہ دوسری طرف بات آتی تھی کیس ہارنے کی جس کے چانسز زیادہ تھے۔سب سے پہلے اسے سزا کے طور پہ جیل بھیجا جائے گا۔اس کے خاندان کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔اس پہ منشیات اور منی لانڈرنگ کے بڑے بڑے کیس ڈال کر جھوٹا مقدمہ کیا جائے گا تاکہ وہ اپنی ساری عمر جیل میں کاٹے۔اور اسے یقین تھا کہ جیل میں وہ ایسی زندگی گزارنے پہ مجبور ہو گا کہ اسے زندہ رہنے کو زندگی ملے گی اور نہ مرنے کو موت۔

اس کے بعد بات آتی تھی بڑی کرسی والے افسران کی جو اسے جوتے اور تھپڑ مار کر پارٹیوں کے مالکان کی واہ واہ وصول کریں گے۔اور پھر اس سے مکمل طور پہ ہاتھ اُٹھا کر لاتعلق ہو جائیں گے۔

اور اگر اس سب سے قبل ہی وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے کوئی جگاڑ لگا لے گا تو یقیناً کوئی نہ کوئی جیالہ اس کے خون سے ہولی کھیلنے کو بے تاب ایک گولی کا نشانے اس کی چھاتی پہ لے گا۔اور زین مصطفٰے کی قسمت یہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منوں مٹی تلے جا سوئے گی۔یہ سب وہ تھا جو وہ اور اس کے افسران سمجھ رہے تھے۔اور یقیناً وہ سب ایسا کچھ غلط نہیں سوچ رہے تھے۔

زین نے فیصلہ کرلیا تھا۔کیس نیب کے ہاتھ میں تھا۔اور عوام کا جوش دیکھ کر نیب مجبور کو ہر صورت کیس عدالت میں چلانا تھا۔

زین نے ایک نظر دیوار گیر سکرین پہ چلتے مناظر کو دیکھا۔اور جہاں کوئی نوجوان اینکر عام عوام کی رائے لینے کی حُجت میں تھا اورپھر سکرین کو ریموٹ سے بند کر دیا۔وہ اپنا فون نہ جانے کتنے گھنٹوں سے بند کئے ہوئے تھا۔وجہ کیا تھی شائد بتانے کی ضرورت نہیں۔

وہ اب ایک کیس اور چلانے والا تھا۔

تھنیدار اختر کا قتل کیس۔۔۔جس کا مجرم بہت جلد اس کی گرفت میں آنے والا تھا۔ابھی تو آفندیز کو ایک اور سرپرائز دینا تھا۔مجرم مان آفندی کے خلاف ٹھوس شواہد کی صورت۔بس وہ دن دور نہیں تھا جب وہ اُنہیں اپنے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں لگا کر اڈیالہ لے کر جائے گا۔زین مسکرا دیا۔اور میز پہ پڑا پیپر ویٹ اُٹھا کر اپنے ہاتھ کی سُنہری اُنگلیوں میں گھمانے لگا۔

ہر فرعون کو زوال ہے۔اس نے سوچا تھا۔

شکرن۔۔۔لمبا اطمینان بھرا سانس لے کر فلک نے شانوں پہ پھیلی چادر اپنے پلنگ کی جانب اُچھالی اور پھر اگلے ہی لمحے ساتھ ہی وہ بھی ڈھیر ہو گئی۔اس نے دونوں بازو کھول کر ہوا کو لگنے دیا۔اور پھر پاؤں بھی بستر پہ سمیٹ لئے۔

تارا نے کمرے میں آتے اور فلک کو مسکراتے دیکھا۔اور پھر کوئی بھی خاص قسم کا اظہار کئے بغیر باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔

اے تارا۔۔۔فلک نے اسے پیچھے سے پُکارا تو تارا نے مڑ کر ایک ابرو اُٹھایا۔چہرے مہرے سے گہری سنجیدگی جھلک رہی تھی۔

آج ہم باہر چلیں؟تو تارا نے سر نفی میں ہلا لیا اور پھر اس کی اگلی بات سُنے بغیر باتھ روم میں گھس گئی۔فلک نے منہ بنا کر اسے جاتے دیکھا۔اور پھر سیدھی ہوتی بڑبڑاتی کمرے سے نکل گئی۔

سڑیل۔۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کمرے سے نکل کر اس کا رُخ ساتھ والے کمروں کی جانب تھا۔مقصد تھا کہ وہاں سے لڑکیاں اکھٹی کرے گی اور پھر شام میں سارا گروپ مل کرباہر جائے گا۔

جس وقت تارا کی واپسی ہوئی فلک جا چکی تھی۔اس نے افسردگی سے اپنے سوگوار سے حسن کو شیشے میں ایک نظر دیکھا۔اور پھر بال بغیر سلجھائے باندھنے لگی۔

حنان سے فلک کی منگنی کے بعد اس کی نیند بہت کم ہو گئی تھی۔بے آرامی اور مسلسل ذیہنی دباؤ نے اس کو بہت کمزور کر دیا تھا۔اور اب اس سب کے بعد وہ محسوس کرتی تھی۔کہ جیسے اسے فلک سے اب پہلے جیسی چاہت نہیں رہی۔

محبت انسان کو محض ایک بار ہوتی ہے۔اسے وہ ہوچکی تھی۔مگر شائد اسے ساری عمر اس محبت کو اپنے تک ہی رکھنا۔اس کی قسمت کی محبت کو پھلنا پھولنا نہیں تھا۔اس تک رہ کر اس کے ساتھ ہی ختم ہوجانا تھا۔بندھے بالوں میں کمزور چہرے پہ آنکھوں کے نیچے پڑے ہلکے دیکھ کر اس نے سر جھٹکا اور پھر واپس پلنگ تک گئی۔اور لیٹ کر چادر سر تک تان لی۔اگرچہ کافی گرمی تھی۔اور بجلی کا کم لوڈ ہونے کی وجہ سے اُنہوں نے ابھی اے سی بھی نہ چلایا تھا۔مگر اسے عادت تھی کہ وہ لحاف اوڑ کر ہی لیٹتی تھی۔اس نے لحاف اوڑھ کر ہاتھ آنکھوں پہ رکھا اور آنکھیں موند لیں۔کچھ دیر قبل کا سویا سر درد ایک دم سے جاگ اُٹھا تو اس نے سوچنے کا سلسلہ ختم کیا اور چہرہ دیوار کی طرف موڑ لیا۔

ابھی اس کی آنکھ لگی ہی تھی۔جب پلنگ پہ پڑا فلک کا فون چنگاڑھا۔تارا نے جھٹکے سے آنکھیں کھول کر آنکھوں سے بازو ہٹا کر بے بسی سے کمرے میں نظر دوڑائی۔کمرے میں ا س کے سوا اور کوئی نہ تھا۔فلک یقیناً ساتھ والوں کے کمرے میں گئی تھی۔اور اب وہیں بیٹھی باتوں میں لگ چکی تھی۔تارا نے نظر انداز کر دیا۔اور واپس آنکھیں بند کر لیں فون تھا کہ بجا جا رہا تھا۔اور مقابل اس کے صبر کو مسلسل آزما رہا تھا۔اس نے برداشت کرتے ہونٹ بھینچ لئے اور پھر فون چیک کرنے کے لئے بیڈ سے اُتر گئی۔وہ ننگے پاؤں گھومتی فلک کے فون تک گئی جو اُلٹا پڑا تھا۔اس نے جیسے ہی اُٹھا کر سیدھا کیا۔تارا کا تواتر سے چلتا سانس جیسے لمحے کو تھم گیا۔دل نے اگرچہ چلنے کا کام نہیں روکا تھا۔مگر

اسے یوں لگا جیسے بس اب روکا تو اب روکا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ دوبارہ آتی کال پک کی اور فون کان سے لگا لیا۔

السلامُ علیکم۔۔۔

محترمہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فون ایک ایسی چیز ہے جسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔

میں ناراض ہو کر نہیں کہہ رہا۔بس جب تم نے کال نہیں اُٹھائی تو وہم سے ہونے لگے تھے۔وہ خود ہی بول رہا تھا۔کوئی شکوہ نہ کوئی شکائت۔تارا نے ہونٹ بھینچ لئے۔وہ اس کی آواز کو یوں ہی سُنتے رہنا چاہتی تھی۔وہ چاہتی تھی۔وہ سوئے اُٹھے جاگے ہر لمحا حنان احمد کی آواز کے حصار میں رہے۔کوئی ایک لمحہ وہ اس کی آواز سُنے بغیر نہ گزارے۔۔۔

ناراض ہو؟وہ بہت ملائمت سے پوچھ رہا تھا۔تارا لمحے کو بھول گئی کہ فون کس کا ہے اور کس کو کیا گیا ہے۔وہ بس اس آواز کے سحر میں تھی۔

سوری یار۔۔۔اس رات مجھے تمھیں تنگ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔مجھے اندازہ ہو گیا تھا۔مجھے بعد میں کافی دُکھ رہا۔اور اس چکر میں اپنا فون بھی توڑ دیا۔مسکراتے اپنے دفتر میں بیٹھے کرسی پہ جھولتے وہ کہہ رہا تھا۔تارا نے آنکھیں کھول کر آنکھ کے کنارے سے چھلکنے کو بے تاب موتی کو انگلی کی پور پہ چُن لیا۔

بولو بھی؟وہ اب استفسار کر رہا تھا۔تارا کا دل ایک دم سے سکڑا۔دل نے کہا تارا جو بھی دل میں ہے سب کہہ دو۔یہی سہی وقت ہے مانگ لو اس شخص سے اپنی محبت کی بھیک مت جانے دو اسے۔دل ایک دم سے مشورے دینے لگا تھا۔

تارا نے منہ کھول کر کچھ کہنا چاہا۔مگر افسوس کے الفاظ کیسے ساتھ دینے کو انکاری ہو گئے۔جیسے سارے لفظ ایک دم سے اس کے لئے ختم ہو گئے ہوں۔ہو ہی تو گئے تھے۔وہ جب جب حنان سے بات کرنے کی کوشش کرتی اس کے سارے الفاظ ختم ہو جاتے۔اس کا دماغ ایک دم سے کورا کاغذ بن جاتا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حیاتیات کی نفسیات کی مخلوقات کی۔۔۔اور دنیا جہان کی پڑھی تمام کتابیں وہ اسے دیکھتے ہی بھول جاتی۔اور اسے لگتا جیسے ساری دنیا سمٹ کر حنان کی آنکھوں میں آن موجود ہوئی ہو۔

یہ وہ محبت تھی۔جو تارا حنان سے کرتی تھی۔یکطرفہ محبت۔کیا حنان کی محبت بھی فلک کے لئے ایسی ہی تھی۔؟کیونکہ محبت وہ میزن ہے جس میں محبت کا جتنا جزبہ ڈالتے جاؤ گے وزن بڑھتا جائے گا۔اور آخر اس کا سارا پھل صرف اسے ملے گا جس کا پلڑا بھاری ہوگا۔

اب قسمت کو فیصلہ کرنا تھا۔کہ محبت کے اس میزان میں سب سے بھاری پلڑا

کس کا ہو گا۔

حنان کا۔۔۔

یا تارا کا۔۔۔

ہیلو۔۔۔

ہیلو فلک۔۔۔مسلسل خاموشی پاکر حنان نے کچھ بےچین ہو کر ہیلو ہیلو کہا تو تارا کا ضبط جواب دینے لگا۔

فلک۔۔۔؟

فلک میری جان تم ٹھیک ہو؟

فلک۔مسلسل خاموشی کو پا کر اور پھر دوسری جانب اس کی موجودگی کو محسوس کرتے وہ بے بیچ سا ہوتا کیا کہہ گیا تھا۔اس کا اندازہ بھی اسے نہیں ہوا تھا۔مگر تارا تو جیسے اسی کی منتظر تھی کہ کب وہ شخص کچھ کہے اور کب تارا دھاڑیں مار مار کر رو دے۔

دو آنسو قبل اس کے وہ آنکھوں کے دریچوں سے نوچ کر اُکھیڑ دیتی اس کی گال پہ بہہ نکلے اور پھر یہ سلسلہ جیسے چل نکلا۔وہ کئی دن سے ر و رہی تھی۔اور اب تو اتنا روئی تھی۔کہ یوں لگتا جیسے دوبارہ کبھی رو ہی نہ پائے گی۔مگر وہ انجان تھی۔کہ ابھی تو عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔ابھی تو اسے وہ سب

برداشت کرنا تھا جو وہ سوچ بھی نہیں سکتی۔

فلک تم۔۔۔تم رو رہی ہو؟ہونٹوں پہ بےبسی سے ہاتھ رکھتے حنان نے کہا تھا۔تارا کے دل نے کہا کہہ دو کہ۔۔۔بتا دو اسے کہ تم کون ہو۔۔۔تارا نے منہ کھولا لفظ ٹوٹنے لگے۔۔۔

حنا۔۔۔۔

حنان۔۔۔

ف۔۔۔فلک؟

تم فلک ہی ہو ناں؟اسے لگا اسے سُننے میں غلطی ہوئی ہے۔حنان نے موبائل کان سے ہٹا کر سکرین پہ چمکتے نام اور نمبر کو دیکھ کر تصدیق چاہی۔اور پھر موبائل کان سے لگا لیا۔

حنان میں وہ۔۔۔

میں تارا ہوں۔خود کو سمبھالنے کی کوشش کرتے اس نے دو بار میں ایک جملہ ادا کیا تھا۔

حنان ایک دم سے ڈھیلا پڑ گیا۔

تم رو کیوں رہی ہو؟

فلک کہاں ہے؟اب کی بار لہجے میں کچھ اور تھا۔بس محبت نہیں تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تارا کے دل نے دہائی دی۔تو وہ پلنگ پہ بے بسی سے بیٹھتی چلی گئی۔وہ اب بھی رو رہی تھی۔بے آواز رو رہی تھی۔اپنی ہار کا تماشا دیکھ رہی تھی۔

فلک ساتھ والے کمرے میں ہے۔

تم نے پھر اس کا فون کیوں اُٹھایا۔۔بتا نہیں سکتی تھی کہ تم ہو۔ناگواری سے اس نے کہا اور اس سے قبل کہ تارا صفائی میں کچھ کہتی حنان نے کال کاٹ دی۔اس نے اسے اختتامیہ کلمات تک نہ کہے تھے۔

تارا کے رونے میں میں مزید شدت آ گئی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

شادی کے دن رکھے جانے والے ہیں۔۔فون کو منہ کے قریب کرتے وہ مدھم لہجے میں بول رہی تھی۔

کب؟دوسری جانب بیٹھا مان ایک دم سے سیدھا ہوا۔

بس کچھ روز میں مجھے امی سے معلوم ہوا ہے۔ابا چاہتے ہیں کہ فلک اور حنان کی شادی جلد از جلد ہو جائے۔وہ اب بھی مدھم لہجے میں بول رہی تھی۔مان کے چہرے پہ مکرو سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

میرے خیال میں یہی وہ وقت ہے جب ہم چال چل سکتے ہیں۔۔وہ اب مشورہ دے رہی تھی۔مان نے بےقراری سے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔

ہاں میں نے بھی بہت انتظار کیا ہے۔اب ہی تو سہی کھیل کا مزہ آئے گا۔میں جلد آنے والا ہوں۔۔۔سین میں مو جود رہنا۔اس بار میں تمہیں دیکھ کر ہی جاؤں گا۔

اپنے مددگاروں کا معلوم ہونا ضروری ہے۔گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کہا تو دوسری جانب وہ ہنس دی۔

چہرے پہ معصومیت اور نہ کوئی چمک ایک دم سے بدنمائی ظاہر ہونے لگی تھی۔

وقت کب کیا کر جائے کیا معلوم اس لئے عہد و پیاں تب کرنے چاہئیں جب ہمیں معلوم ہو کہ ہم کل زندہ رہیں گے بھی یا نہیں۔وہ اسے دوسرے لفظوں میں جو کہہ رہی تھی۔مان سمجھ گیا تھا۔یعنی کبھی نہ ملنے کا عہد۔

تم بولتی اچھا ہو۔کہہ کر اس نے ایک بے ہنگم قہقہ لگایا۔اس نے بد مزہ کو کر فون رکھ دیا۔

مان نے مسکرا کر سکرین کو سیاہ پڑتے دیکھا۔اور پھر نیم تاریک کمرے میں بستر سے چابی ٹٹولتا باہر نکل گیا۔

نمرہ نے مسکرا کر ہوٹل کی عمارت کے سامنے کھڑے ہوتے لمبا سانس لے کر پیرس کی آزاد فضاؤں کو محسوس کیا۔اور ہوٹل کے دروازے کو پار کر گئی۔

یہ وقت ہوٹل میں لنچ کا وقت تھا۔اس ہوٹل کے حال میں جابجا کرسیاں میزے بیچھے تھے۔جن پہ سفید پوش بیچھائے گئے تھے۔نمرہ نے مسکراتے ہوئے آنکھوں سے براؤن چشمے اُتارے اور چابی لینے کے لئے مینیجر کی جانب بڑھی۔

وہ اس وقت نیلی جینز پہ خوبصورت سورج مکھی کے پھولوں کے رنگ کی قمیض پہنے ہوئے تھے۔اور بالوں کو اونچی پونی میں باندھ رکھا تھا۔وہ جب حال سے گزر کر سیڑھیاں چڑھتے اپنے کمرے کی جانب آئی۔اس کی پیلی پیلز یوں گن گناتی رہی تھی۔جس کی دھن صرف نمرہ محسوس کر سکتی۔اس وقت اسے ہر شور ہر آواز بہت اچھی لگ رہی تھی۔

اس نے مسکراتے ہوئے چابی دروازے کے کی ہول میں گھومائی اور پھر قدم کمرے میں رکھ دئے۔

کمرے کا سارا تھیم سنہری اور تیز سرخ رنگ پہ منحصر تھا۔کمرے میں بیچھے قالین اور صوفے گہرے سرخ جبکے فرنیچر اور پردوں کا رنگ سنہری تھا۔اس نے سامان کو واڈرب کے قریب رکھ دیا۔اور گہرہ سانس لے کر کمرے پہ ایک طائرانہ نظر گھومائی۔

اس نے سر پہ ٹکِے چشمے کو ٹیبل پہ رکھا اور پھر پُر جوش سی بے تابی سے باتھ روم کی جانب بڑھی۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔کہ اُڑ کر ممی کے پاس پہنچ

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جاتی۔لیکن اس سے قبل اسے ان کے لئے تحفہ لینے جانا تھا۔اور وہ اتنی پُر جوش تھی۔کہ اس کے لئے انتظار کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

اس نے فریش ہو کر ہلکے نیلی آسمانی رنگ آدھی آستینوں کی ٹی شرٹ پہنی ساتھ سفید جینز۔اس نے بالوں کو کھول کر ایک جانب کندھے پہ کیا۔پاؤں میں سفید ہی لمبی ہیلز پہنی اور بیگ ، سنہری چشمہ اُٹھائے باہر نکل آئی۔باہر جاتے اس کے چہرے پہ دلکش مسکراہٹ رقصاں تھی۔

اس نے

Uber

منگوا کر سفر کا آغاز کیا۔یہ سفر شائد اس کی زندگی کا سب سے زیادہ اچھا سفر تھا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ

Mall galeries Lafayette

کے سامنے کھڑی عبداللہ کو میسج کر رہی تھی۔جواب فوراً موصول ہوا۔مگر کچھ ناراض ناراض سا۔وہ اسے ہر حال میں جواب دیتا تھا۔چاہے فضول سے فضول بات ہی کیوں نہ ہوتی۔

میں شاپنگ پہ آئی ہوں بتائیں کیا لوں؟آٹومیٹڈ ڈور سے گزرتے اس نے ٹائپ

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کر کے بھیجا تو جواب خوب جل کر دیا گیا۔

ایک بیوی ملے تو لا دینا۔اور دیکھنا ذرا سمجھدار اور بات ماننے والی ہو۔وہ کہاں برداشت کرنے والا تھا۔نمرہ نے بمشکل ہنسی روکی۔

وہ اب مال کے عین وسط میں کھڑی تھی۔اور مال کی چھت اور تیز سنہری دیواروں کا رنگ ایک دم سے بدلنے لگا تھا۔وہ پہلے سنہری تھا۔پھر سرخ ہوا اور آخر میں لال۔۔۔وہاں آتے سیاح اس منظر سے خوب محظوظ ہوئے۔ایک سوائے نمرہ کے۔

نئی بیوی کا سوچئے گا بھی مت ورنہ۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ورنہ؟

خیر میں سوچوں گا نہیں۔سوچ چکا ہوں۔اور اب تم مجھے اس فیصلے سے ہٹا نہیں سکتی۔اس نے دانت پیسے تھے۔ایک سنبھالی نئی جاتی چلا ہے دوسری رکھنے۔یہ اس تبصرہ اس کا اپنے لئے تھا۔

ٹھیک ہے تو میں بھی پھر پیرس میں کسی خوبصورت شہزادے کو ڈھونڈ لیتی ہوں۔اس نے مقابل کی دم پہ پاؤں رکھا تھا۔وہ جانتی تھی۔

تمہیں سمبھالنے والا خُدا نے صرف ایک ہی پیدا کیا ہے۔دوسرے کا سوچنا بھی مت۔ہونٹ بھینچ کر اس نے ٹائپ کیا اور پھر بھیجے بغیر موبائل رکھ دیا۔۔۔

مال میں ہر روز کی آمدو رفت تقریباً ایک دس ہزار افراد پہ مشتمل ہے۔اور سلانہ قتریباً سینتیس لاکھ سے زیادہ۔۔۔کپڑوں کہ برینڈز یہاں تراسی سو کے قریب ہیں۔غرض یہ کہ آپ یہاں سے ہر قسم اور ہر طرح کا پکڑا خرید سکتے ہیں۔یہاں ہر چیز کے الگ سیگمنٹس اور پورشنز بنا کر اُنہیں الگ کیا گیا ہے۔اور ایک ہی عمارت کے نیچے سب دستیاب یہاں کی سب سے خوبصورت چیز یہاں آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنیاں ہیں۔یہاں ستر ہزار سے زیادہ اقسام کا انٹیریر استعمال کیا گیا ہے۔اور ایک ریسرچ سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس مال کی طرف رُخ کرنے والے زیادہ تر افراد کا تعلق یا تو بزنس کلاس سے ہے یا سیاحت سے۔اور زیادہ تر سیاح یہاں محض تصویریں لینے اور چھوٹی موٹی چیزیں کھانے آتے ہیں۔ممکن ہے کہ کوئی فرد کچھ ہلکا پھلکا خرید بھی لے۔

نمرہ نے الیکٹریک سٹیرز پہ قدم رکھتے قدرِ تعجب سے فون کو دیکھا۔اور پھر کوئی بھی خاص تاثر دیئے بغیر فون کندھے پہ جھولتے بیگ میں رکھ لیا۔

اس کی نظر اطراف میں گردش کر رہی تھی۔

معلوم ہوتا تھا کہ وہ یہاں اکثر آتی رہی ہے۔اس نے گھڑیوں کے سٹال کے سامنے رُکتے ڈیس پلے میں لگی گھڑیوں کو دیکھا۔اور پھر سیاہ اور سلور بڑے سے ڈائل کی گھڑی نکلوا لی۔وہ یہ عبداللہ کو دینے کا ایرادہ رکھتی تھی۔گھڑی خریدتے اس کے چہرے پہ ایک خوبصورت سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔اس دنیا

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں اسے صرف دو لوگوں سے محبت تھی۔ایک ممی اور دوسرا اس کا شوہر۔۔۔اور اگر کبھی کوئی اس سے پوچھتا کہ سب سے زیادہ وہ کسے چاہتی ہے تو شائد وہ کبھی جواب نہ دے پاتی۔

نمرہ نے گھڑی پیک کروائی ممی کے لئے ایک سرخ رنگ کا درمیانہ سا بیگ خریدہ اور باہر آ گئی۔یقیناً یہ ممی کو بہت پسند آئے گا۔وہ مسکرائی تھی۔

کیا تم وہ شخص ہو

جو اس طرح سے کہتے ہو

یہ سوچ یہ آنکھیں یہ لہجہ یہ باتیں

کب سے دل میں نقش ہو صدیوں سے یہاں رہتے ہو

تم کمال کرتے ہو یوں دھڑکنوں کا میری استعمال کرتے ہو

کہ جلترنگ میں ہو جاؤں رنگ رنگ میں ہو جاؤں

تمہارا نام لے کوئی میں خود بخود سے ہو جاؤں

آمدوں میں کھو جاؤں اور اس خوشی میں رو جاؤں

تیری دلفریب چھاؤں میں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں آج تھک کے سو جاؤں

میری سادگی پہ ہنستے ہو

میری سادگی میں بستے ہو

کیا تم وہ شخص ہو

جو اس طرح سے کہتے ہو

آئینہ بن کے میرے نفس کا

یوں دیوار سے جھولنا تیرا

پرواز کرتے عکس میں

وہ سکڑنا وہ پھولنا میرا

میں کون ہوں کہاں ہوں

اس دیکھنے میں بھولنا میرا

یوں جانتے ہو کس طرح

پہچانتے ہو کس طرح

ہم سوچتے تھے جس طرح

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سب اس طرح سے کہتے ہو

میری ساری شیدتیں

تم اُف ادا سے سہتے ہو

ہاں تم وہ شخص ہو

جو اس طرح سے کہتے ہو

پر قصہ کچھ عجب ہے

کتنا بڑا غضب ہے

کہ میں پتا ہوں تمہارا

لیکن تم کہیں اور رہتے ہو

میرے دل سے تو گزرتے ہو

پر کسی اور سمندر کو بہتے ہو

چلو اس قدر تو کرتے ہو

کہ بہتے بہتے رُکتے ہو

مُجھ سے بیاباں کو تم

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پیار سے تو تکتے ہو

یہ ناسور زخموں کو

گیتوں سے جو بھرتے ہو

یہ بھی بہت ہے

اتنا بھی جہاں ہوتا ہے

کہ تم سا شخص

حقیقت میں کہاں ہوتا ہے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا کبھی ایسا ہوا کہ کسی نے کبھی محبت کو محبوب کے سامنے جھک کر پا لیا ہو؟

کیا کبھی ایسا ہوا کہ میں اُنہیں کہوں کہ میں ان کو چاہتی ہوں۔۔۔وہ رُکی اور پھر ہنسی دی۔

کیا لفظ چاہت میرے جزبات کو بیان کر سکتا ہے؟

کیا وہ اس سے مان جائیں گے؟

نہیں یہ میری محبت کی توہین ہے کہ میں لفظ چاہت استعمال کروں۔مجھے ان سے محبت ہے۔محبت کے برابر کچھ نہیں۔۔۔ہوسٹل کے برامدے میں پلر سے سر ٹکائے۔۔۔آسمان پہ چمکتے چاند کو دیکھ کر وہ سوچ رہی تھی۔

اس لڑکی کی محبت ایک ایسے شخص کے لئے تھی۔جس کو اسی کی دوست سے محبت تھی۔

کیا یہ مزاہقہ خیز نہیں۔وہ بے اختیار ہنسی بالکل ایک کھوکھلی ہنسی۔

ہاں مجھے حنان سے محبت ہے جسے فلک سے محبت ہے۔بالکل ویسی ہی محبت جیسی حنان کو فلک سے۔۔۔وہ دھیمے سے مسکرائی۔

حنان پلیز۔۔۔میرے پاس آ جائیں۔خیالوں ہی خیالوں وہ اس سے مخاطب تھی۔

پلیز میرے لئے فلک کو چھوڑ دیں۔میرے لئے ناممکن ہے کہ میں آپ کو کسی اور کا ہوتے دیکھوں۔اب چاہے وہ میری بہترین دوست ہی کیوں نہ ہو۔مچلتے دل کو سہلاتے دل کو آہستہ سے تھپکتے اس نے اتنا دھیمہ کہا تھا۔کہ اس کے خود کے کان بھی بمشکل سُن پائے۔

حنان وہ آپ کو نہیں چاہتی۔حنان میں چاہتی ہوں۔میرے لئے آپ ایسے ہیں جیسے زندوں کے لئے سانس۔

وہ آہستہ سے اُٹھی اور ننگے پاؤں گھاس پہ چلنے لگی۔

کہتے ہیں کہ آج کے دور میں محبت نہیں ہوتے۔یہ وہ لوگ ہیں جن کو کبھی محبت ہوئی نہیں ہوتی۔

اور جن کو یقین ہے کہ محبت ہوتی ہے۔بد قسمتی سے وہ محبت کو ہی نہیں

www.neweramagazine.com

جانتے کہ کیسی ہوتی ہےاور کیسے ہوتی ہے۔۔۔کیا ہوتی ہے۔

محبت بس محبت ہوتی ہے۔اسے الفاظ سے بیان کرنا ناممکن ہے۔اور اگر کوئی یہ کہے کہ ممکن ہے تو عین ممکن ہے کہ اسے محبت ہوئی ہی نہیں۔

وہ محض دوھکے میں تھا۔وہ نہیں جانتا کہ محبت تو ایسا جزبہ ہے جس میں بس ہر چیز گھُل کر اپنا اثر زائل کر دیتی ہے۔چاہے اب انسان ہوں یا جسم۔۔۔اس میں مل کر سب زائل ہو جاتا ہے بس روحیں رہ جاتی ہیں۔

کہتے ہیں محبت سے انسان صوفی بن جاتا ہے سہی کہتے ہیں۔وہ پر ابھی اس مقام پر نہیں تھی۔ابھی اس کے اندر لالچ تھا پا لینے کا لالچ۔

رات کی تاریکی میں ہوسٹل کی عمارت میں جشن کا سا سماں تھا۔فلک کی شادی کی تاریخ رکھی جاچکی تھی۔ان کی ساری دوستیں اس وقت ان کے کمرے میں ہلا مچائے ہوئے تھیں۔اور تارا پیچھلے پندرہ منٹ سے باتھ روم میں بند رو رہی تھی۔

کیا یہ سب مجھے اب سمیٹنا ہوگا؟اس کا شارہ اپنی محبت کی جانب تھا۔

کیا میری محبت کو میرے ساتھ دفن ہونا ہوگا؟

کیا میں بس سدا یوں ہی تڑپتی رہوں گی۔بس حسرتیں پالتی رہوں گی۔

خُدا یہ آپ نے کیا کیا۔۔۔

مجھے میرے محبت سے کیوں آزمہ رہے ہیں۔

یہ آپ نے کیا کیا۔محبت اس کی قسمت میں لکھ دی جسے اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔

کیا آپ کو بس۔۔۔بس فلک سے محبت ہے۔۔۔کیا میں۔۔۔۔

میں کافر ہوں؟

یا نماز نہیں پڑھتی۔وہ کہہ رہی تھی شکوہ کر رہی تھی۔یہ سوچے بغیر کہ خُدا کو پروا تو کافر کی بھی ہوتی ہے۔

وہ یہ بھی نہیں سوچ رہی تھی۔کہ نماز تو خُدا کا حق ہے۔وہ کس حق سے اس کا حق مانگ رہی ہے۔

وہ بس باتھ روم میں زمین پہ بیٹھی رو رہی تھی۔بس شکوہ کر رہی تھی۔بس اسی لئے وہ صوفی نہیں بنی تھی۔اس میں شکوہ تھا۔۔۔شکائت تھی۔صبر نہیں تھا۔۔۔

فلک نے زندگی میں اگر کچھ نہ ہونے کی دعا اس قدر شدت سے کی تھی۔تو وہ بس اس کی شادی تھی۔

اس نے افسوس تاسف اور بے دلی سے کمرے میں اُدھم مچاتی لڑکیوں کو دیکھا۔اور پھر کندھے پہ دوپٹا پھیلاتی باہر نکل گئ۔ساتھ موبائل بھی تھا۔

اس نے گھاس پہ چلتے ایک نظر آسمان کو دیکھا۔اور پھر گہرہ سانس لے کر حنان کا نمبر نکالا۔

کال دوسری بیل پہ اُٹھا لی گئ۔

زہے نصیب۔۔۔لگتا ہے دلِ خوش فہم کی کوئی نیکی کام آ گئی جو آج تم نے کال کر لی۔

اب تو مجھ پہ قربانی واجب ہے۔بتاؤ کس شے کی قربانی دوں۔جو اللہ کو پسند آ جائے۔وہ اپنی ہی لے میں بول رہا تھا۔اور فلک کا صبر آسمان کو چھونے لگا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حنان کیا یک طرفہ محبت میں کبھی کسی کو سکون ملا ہے؟۔گھاس پہ چلتے اس نے مزاج کے اُلٹ قدرِ تحمل سے پوچھا تھا۔حنان مسکرا دیا۔

ہاں۔۔۔جس کے لئے محض اپنی محبت کافی ہو۔

میرے لئے میری محبت کافی ہے۔چاہے تم مجھ سے محبت نہ کرو۔بھلے ٹھکرا لو۔۔۔لیکن مجھے سکون ہے کہ تمہارا محور صرف میں ہوں۔

تم بہہ کر کہیں بھی چلی جاؤ۔مگر آنا تمہیں میری ہی طرف ہو گا۔یہ بات مجھے تقویت دیتی ہے۔آنچ دیتے مسکراتے لہجے میں اس نے کہا تو فلک نے سر

جھٹکا۔

وہ محبت کے معملے میں بالکل کوری تھی۔۔۔اس کا دل صاف تھا عین شیشے کی مانند بے داغ۔۔۔اس لئے کسی بھی طرح حنان کو سمجھ نہیں سکتی تھی۔اسے وہ سب محض پاگل پن کی علامات لگتا تھا۔ڈاکٹر تھی۔سائنس کو پڑھنے والی۔ہر شے میں تھیوریز اور لوجکس کو دیکھنے والی۔وہ معجزوں کو کہاں سمجھ سکتی تھی۔ایسی باتیں اس پہ کہاں اُتر سکتی ہیں۔

حنان کو فلک سے محبت تھی بس اسی لئے وہ معجزوں پہ یقین رکھتا تھا۔فلسفوں کو سمجھتا تھا اور بولتا تھا۔

آفیشلی اب ہمارا رشتہ طے ہو چکا ہے۔بے تاثر چہرے کے ساتھ گھاس پہ جوتوں سمیت چلتے وہ کہہ رہی تھی۔حنان دھیمے سے مسکرا دیا۔آج پہلی بار اسے اپنے ساتھ ہم کہہ کر شامل کر رہی تھی۔

معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔۔۔وہ مسکرایا۔کیا بات تھی اس مسکراہٹ کی۔بات بات پہ پھوٹ رہی تھی۔

میں فلحال اس شادی کے لئے تیار نہیں ہوں۔

بتاؤ کیا کروں؟

حنان کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی وہ بےتاب ہوا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا تیار ہونے کے لئے دو ماہ کافی نہیں تھے؟وہ ایک دم سے بے چین ہوا معلوم ہوتا تھا۔فلک نے آسمان کو دیکھا۔اسے چاند شکوہ کرتا نظر آیا۔اس نے چاند سے نظر پھیر لی۔جہاں دل جھک نہیں رہا تھا۔تو کیا کرتی

حنان تم یہ شادی رُکوا دو۔وہ اپنے باپ کا غرور عزت اور مان نہیں توڑنا چاہتی تھی۔لیکن پھر بھی وہ ایسا کہنے پہ مجبور تھی۔

فلک میری توہین تو مت کرو۔اس کا لہجہ ایک دم سے بدلا۔فلک نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

سوری حنان میرا مقصد تمہیں تکلیف دینا نہیں تھا۔لیکن سچ یہی ہے کہ میں تم سے شادی پہ راضی نہیں ہوں۔

یہ فیصلہ بڑے بابا کا ہے فلک۔

جانتی ہوں۔۔۔لیکن میں نہیں چاہتی کہ زندگیاں تباہ ہوں۔ایک فیصلہ سب بدل دے گا۔میں یہ شادی نہیں کر سکتی۔کچھ بھی کرو اسے روک دو۔

میں تمہیں دُکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔لیکن سچائی بھی نہیں چھپانا چاہتی۔مجھے تم سے شادی نہیں کرنی۔اور بس۔۔۔

کہہ کر اس نے بات ختم کی اور پھر تیزی سے کال کاٹ دی مبادہ وہ کچھ کہہ ہی نہ دے۔

حنان اس وقت اپنے کمرے میں بستر پہ دراض تھا۔جس وقت فلک کی کال آئی۔وہ سونے والا تھا۔فلک کی کال دیکھ کر وہ اُٹھا تھا۔اور اب جب آرام تباہ کرکے خود چلی گئی۔تو بے ساختہ ہنس دیا۔اور اتنا ہنسا کہ آنکھیں نم ہو گئیں۔حنان نے تھک کر سر تکئیے پہ گرا لیا۔

ناممکن۔۔۔آنکھیں بند کرتے اس نے تصور میں فلک کے عکس سے کہا تھا۔

کاظمی صاحب دیکھ لیا۔۔۔ضیاء آفندی کو جیل کی سلاخیں سامنے ہی نظر آ رہی تھیں۔اُنہیں اس بات کا اطمینان تھا۔کہ اگر زین میڈیا کا استعمال کرے گا تو کاظمی آسانی سے خبر کو نشر ہونے سے قبل روک دے گا۔کیس میں عوام ڈائریکٹ دخل انداز نہیں ہو گی۔تو شائد کسی حد تک شہرت بچ جائے۔شائد اسمبلی کی دو کرسیاں ہاتھ سے نہ دینی پڑیں۔

اُن سب کو کاظمی پہ یقین تھا۔مگر اب معملہ کچھ یوں ہوا تھا۔کہ زین نے کیس سیدھا عوام کی عدالت میں رکھ دیا تھا۔اس نے بجائے ٹی وی چینلز کے سوشل میڈیا کا استعمال کر کے آغاز میں ہی ساری بازی اپنے حق میں کر لی تھی۔اور محبِ وطن سوشل میڈیا ایکٹیوٹس کو آڈر تھا کہ ہر طرح سے عوام کو ہر طرح کے حقائق سے آگاہ کریں۔لوگوں کو سچ اور جھوٹ کی سُجھ بُجھ بتائیں۔اور وہ یہ کام بہت اچھا کر رہے تھے۔زین ہر طرح سے پُر اعتماد تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نیب نے کیس چلایا تو ساتھ ہی اپنے حلقوں میں کھڑے پارٹیوں کے مالکان کو بھی بلا لیا۔

نوابزادہ حق نواز صاحب جس وقت اپنی کار سے نکلے وہاں میڈیا اور عوام کے جوش و خروش کو دیکھ کر اُنہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی۔کہ ہاتھ ہلائیں یا وی بنائیں۔یہ تو اُنہیں بعد میں علم ہوا تھا۔کہ جن لوگوں کو عام عوان سمجھ رہے تھے۔وہ اقبال بابر صاحب کے بھیجے نہیں بلکہ خریدے بندے تھے۔جن کا محض کام اتنا تھا کہ اُنہیں نوابزادہ حق نواز صاحب کے کار سے نکلتے ہی ان کے حق میں نعرے بازی کرنی تھی۔

چونکیں وہاں میڈیا موجود تھا جو سب لائیو کوریج کر رہا تھا۔جس سے لوگوں پہ ان کا رعب بیٹھتا۔اور اعتماد بڑھتا۔وہ دوسرے لفظوں میں عوام کے دماغوں سے کھیلنے کا سوچ رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ چلاک سیاستدان کی سیاست ہمیشہ اس کے جیل جانے کے بعد شروع ہوتی ہے۔اور یہاں بھی کچھ ایسا ہی سین نظر آ رہا تھا۔

دوسری باری اقبال بار صاحب کی آئی تھی۔جب اُنہیں بلایا گیا تو اس بار بندوں کا انتظام کرنے کی باری نوابزادہ حق نواز کی تھی۔پیسوں کے عوض نوابزادہ حق نواز نے نوجوانوں کو جوکہ زیادہ مزدور افراد تھےکو خریدا اور جا کر اُنہیں نیب کے دفتر کے باہر کھڑا کر دیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور یوں یہاں بھی میڈیا نے اُنہیں ہیرو بنا کر پیش کیا تھا۔اور جھوٹے خریدے ہوئے نعروں نے کام مزید آسان کر دیا تھا۔اب دونوں پارٹیاں بالکل آمنے سامنے تھیں۔اور یہ بات عوام کے ہاتھ میں تھی۔کہ کس کو عرش پہ بیٹھانا ہے اور کیسے عرش پہ۔

ہمارے ہاں بھی آج کل یہی دیکھنے میں نظر آ رہا ہے۔

نوابزادہ صاحب آپ کے بعد اب ہماری باری ہے۔اگر اس بار بات ہمارے تک پہنچی تو معملہ بہت بگڑے گا۔

عوام میں نفرت مزید پھیل جائے گی۔ابھی تو بات اتنی نہیں بڑھی لیکن اگر ہم پہ کیس کھلا تو بات بہت بگڑے گی۔کچھ کریں۔اسی میں آپ کی فلاح اور اسی میں ہماری۔کچھ سوچتے جمشید کاظمی بولے تو اقبال بابر اور نوابزادہ حق نواز نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

یہ بات غلط ہے کاظمی صاحب معملہ اب آپ پہ آ رہا ہے تو آپ کی چیخیں نکلنے لگی ہیں۔آپ بھی تو اپنے میڈیا سے کہے ناں کہ ہمارے لئے کام کرے۔آپ کے چینل والے تو سمجھ نہیں آتی کس کے حق میں اور کس کے خلاف ہیں۔

کاظمی ایسے ہی اتنا بڑا بزنس مین نہیں بنا تھا۔وہ کبھی بھی کھل کر عام کے سامنے آنے کے حق میں نہیں تھا۔اگر عام کی رائے تیزی سے بدلتی تو یقیناً اسے بھی بڑا نقصان اُٹھانا پڑتا۔اور چونکہ فیصلے کرنے والے پانچ رُکنی بینچ میں

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فوج کے دو افسران بھی شامل تھے۔تو انڈائریکٹلی اقبال بابر اور نوابزادہ حق نواز کو بچانے اور عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اسے فوج کے خالف مہم چلانے پڑتی۔جس کا مطلب صاف یہی تھا۔کہ لوگوں کو اور فوج کو قبل موت کے مارنے کی دعوت دینا۔

دیکھیں کاظمی صاحب کچھ لیں تو کچھ دینے کی بات کریں۔اب آپ خود تو محتاط ہوتے جائیں اور ہمیں مروائیں یہ تو پھر بات نہیں بنتی ناں۔سروں پہ تلواریں لٹکنے لگی تھیں۔اور اب سب کی پھنسی پھنسی آوازیں نکل رہی تھیں۔

صورتِ حال اب جیسی بھی ہے۔ابھی ایسی نہیں ہے کہ معملہ حل نہ ہو سکے۔اثاثے ڈیکلئیر کروئے جاسکتے ہیں۔بس یہ خیال رہے کہ چئیرمین نیب زیادہ اُچھلے نہیں۔یہ شہروزاکرام تھے۔جو اس عرصے میں پہلی بار بولے تھے۔ان کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اور وہ جو منی لانڈرنگ والا معملہ ہے۔اسے کسی طرح سے دبا دیں۔کیونکہ کسٹم کا ایک افسر آج کل بہت پر پُرزے نکال رہا ہے۔یہ ضیاء آفندی تھے۔

اسے مروا دو۔شہروز نے ایک دم سے بات کاٹ کر کہا تو سب چونکے۔پیچھے کھڑی سیکٹری بھی ایک دم سے چوکنا ہوئے تھے۔اب یہاں بیٹھ کر اس نیم تاریک کمرے میں بیٹھ کر وہ لوگوں کی زندگیوں کے فیصلے کرنے والے تھے۔یہ جانے بغیر کہ خُدا نے ان کا فیصلہ کر دیا تھا۔

لیکن شہروز صاحب اس سے معملہ مزید بھی بگڑ سکتا ہے۔

نہیں بگڑے گا اقبال صاحب معملے کو کوئی بھی رُخ دیا جا سکتا ہے۔لیکن اگر گواہ بنے تو مسلہ ہو جائے گا۔یہ کسٹم افیسر تو ویسے ہی آج کل کراچی ائیر پورٹ پہ بہت اڑتا پھر رہا ہے۔اسے رستے سے ہٹانا بہت ضروری ہے۔موقع دیکھ کر اسے رستے سے ہٹا دیں تو معملہ حل ہو سکتا ہے۔شک کی صورت میں کہہ دیں گے کہ مخلفین کی سازش ہے۔ان کا اشارہ کس طرف تھا وہ سمجھ گئے تھے۔اور پھر یوں لمحوں میں فیصلہ ہو گیا۔

قتل کس وقت کب اور کیسے ہو گا۔یہ ابھی فیصلہ ہونا باقی تھا۔اور یہ سب تبھی ہو گا۔جب قتل کروانے والا خود کسی پریس کنفرنس میں ہوگا۔یہ دوؤ پیچ تو بہت پُرانے تھے۔

شہروز اکرام لمباسانس لے کر صوفے پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھے۔اور گلے سے ٹائی کھینچ کر اُتاری۔

کیس پہ کیس کھل رہے تھے۔اور معملات مزید بگڑنے لگے تھے۔ایسے میں اکیلا اپنا دامن بچانا ان کے لئے بہت ضروری تھا۔وہ باقی چار سے ایسی کوئی ہمدردی نہیں رکھتے تھے۔اس وقت اگر اُنہیں فکر تھی تو صرف اپنی۔اُنہیں ہر صورت خود کو اس نئی مصیبت سے جان چھڑانی تھی۔دماغ حل جو پیش کرر ہا تھا۔یقیناً

وہ ان کے لئے ایسا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔لیکن ابھی اُنہیں دیکھنا تھا۔کہ اُونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔وہ اُن چار کو اپنے خلاف نہیں کرنا چاہتے تھے

وہ صوفے پہ آڑے ترچھے لیٹے کچھ سوچ رہے تھے۔جب ان کی سیکٹری دروازے پہ دستک دے کر اندر داخل ہوئی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک ٹیبلٹ تھا۔جس کی سکرین چمک رہی تھی۔

سوری سر میں اس وقت آپ کو ہر گز تنگ نہیں کرنا چا۔۔۔۔

کام کی بات پہ آؤ۔اس سے پہلے کہ سیکٹری کی بات پُوری ہوتی اُنہوں نے ٹوک کر کہا تھا۔وہ شرمندہ سی ہو گئی۔اور سر جھکا کر ایک فولڈر کھولا۔اور سلاءڈ چلا کر ٹیبلٹ ان کے سامنے میز پہ رکھ دیا۔سامنے چلتے مناظر دیکھ کر ایک دم سے ان کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا۔

ماہم نے گہرہ سانس لیا تھا۔آخر آج وہ میڈم جہاں آرا کے خلاف ثبوت لے ہی آئی تھی۔کہ وہ شہروز اکروم کو دھوکہ دے رہی ہے۔

وہ جہاں آرا کے خلاف صرف اس لئے تھی۔کیونکہ وہ اس کے بوس کے دشمنوں میں سے ایک تھی۔وہ اسے ایک ایسی ناگن لگتی تھی۔جو کسی بھی وقت سورج اور زمین کا ٹاکرہ کروہ سکتی تھی۔اور ایسے میں اس کے بوس کے کرئیر پہ جو اثر پڑتا۔وہ اُنہیں تباہی کے دہانے پہ لے جا سکتا تھا۔وہ نہیں چاہتی تھی۔کہ آفندیز اور شہروزاکرام آمنے سامنے ہوتے۔وہ ایک وفادار ملازمہ تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جہاں کی پیرس میں نمرہ کے ساتھ موجود تمام تصاویر نے شہروز اکرام کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔اُنہوں نے ٹھوکر مار کر میز کو دور اُچھال دیااور تیزی سے فون اُٹھا کر جہاں آرا بیگم کا نمبر ڈائل کیا۔

پیرس۔۔۔

Catacombs

فرانس شہر کے 20 میٹر نیچے سرنگوں کا ایک شہر آباد ہے۔جو کہ 300 کلو میٹر تک پھیلا ہوا ہے۔جس میں انسانی ڈھانچوں سے مینار اور دیواریں بنی ہیں۔

وہ اور ممی اس وقت زمین میں 300 کلو میٹر نیچے کھڑی تھیں۔جہاں پیرس کی قریباً 30 نسلوں کی 6 لاکھ کے قریب نعشیں موجود ہیں۔

اور یہی وہ جگہ ہے جسے انسانی ڈھانچوں کا سمندر کہا جاتا ہے۔نمرہ نے خوفزادہ اور کچھ پرجوش ہو کر ممی کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔اور وہ اس جگہ کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ زندہ سلامت کسی ڈرونی فلم میں گھس آئی ہو۔

اگرچہ پیرس آنا اس کے لئے نئ بات نہیں تھی۔لیکن وہ کبھی بھی ایسی جگہ پہ اکیلے نہیں جانا چاہتی تھی۔وہ ممی کے ساتھ یادیں بنانا چاہتی تھی۔

وہ یقیناً وہاں آ کر بہت خوش تھی۔اور ممی اسے دیکھ کر۔

ممی یہ جگہ میں نے بہت ساری ڈرونی فلموں میں دیکھی لیکن یہ اصل میں کہیں زیادہ ڈرونی ہے۔ممی کے بازو میں باذو ڈالے ان کہا تو ممی مسکرا دیں۔

کیا تمہیں یہاں تصویریں نہیں لینی؟اُنہوں نے اپنے فون کا کیمرہ آن کیا تھا۔نمرہ کھلکھلائی۔اور پھر ایک گول سے ڈھانچوں اور کھوپڑیوں سے بنے مینار کے سامنے مختلف پوز دئے۔ممی نے اس کی بہت ساری تصویریں لی تھیں۔نمرہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے سب ایک خواب کی طرح ہے۔پیرس میں اس کا اور ممی کا آزاد ایک ساتھ گھومنا اس کے لئے کسی خواب جیسا تھا۔

ممی آئیں ساتھ لیتے ہیں۔کہہ کر اس نے وہاں سے گزرتے ایک سیاح کو کیمرہ پکڑا کر تصویریں لیں تھیں۔

ممی میں انہیں فریم کروا کر شادی کے بعد اپنے کمرے میں لگواؤں گی۔مسکراتے ہوئے اس نے کہا تو ممی نے آنکھیں گھومائی تھیں۔نمرہ ہنس دی۔

اور پھر اس کے ساتھ ہی اسے عبداللہ کا ناراض ہونا یاد آیا تھا۔اس نے ممی کو سب بتا دیا تھا۔نمرہ اور عبداللہ کا نکاح بھی اُنہوں نے ہی کروایا تھا۔

تمہیں نہیں لگتا کہ تمہیں اس سے بات کرنی چاہیئے۔وہ ارد گرد دیکھتے عبداللہ کو سوچ رہی تھی۔جب ممی نے کہا تھا۔نمرہ افسردہ سا مسکرائی۔

ممی وہ مجھ سے ناراض ہے۔ہونٹ لٹکا کر اس نے کہا تو جہاں آرا مسکرا دیں۔اور پھر اس کی ستواں سی ناک کھینچی۔

تو منا لو۔۔۔

اے کال کرو۔اور اسے بتاؤ کے تم کتنی خوش ہو۔وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے مجھے یقین ہے تمہیں دیکھتے ہی وہ بھی مان جائے گا۔اُنہوں نے بُردباری سے کہا تو نمرہ پُر جوش سی ہو گئ۔اس نے عبداللہ کو میسج کر کے آن لائن ہونے کا کہا۔اور جب وہ آن لائن ہوا تو اسے وڈیو کال کرنے لگی۔جہاں کے فون کی تبھی گھنٹی بجی تھی۔شہروز اکرام کا نام سکرین پہ دیکھ کر ان کے ماتھے پہ بل نمودار ہوئے۔

دیکھو عبداللہ میں اس وقت ڈھانچوں کے سمندر میں کھڑی ہوں۔ایک ہاتھ سے موبائل کا کیمرہ گھماتے اور دوسرے کو فضا میں کھولے اس نے کہا۔تو عبداللہ نے ناراضگی سے اسے گھورا۔نمرہ مسکراتی رہی۔

تو؟

تو یہ بے بی۔کہ اگر چاہو تو میں یہاں سے تمہارے لئے کسی خوبصوررت سی فرانسیسی بلی کا ڈھانچہ لا سکتی ہوں۔

کیا خیال ہے لا دوں۔؟شوخ مسکراہٹ سے مسکراتے آنکھیں گھوما کر اس نے کہا تو عبداللہ بے اختیار ہنس دیا۔

لے آؤ۔۔۔پر یاد رکھنا۔تمہارے کمرے کی دیوار پہ ٹنگوں گا۔وہ بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔نمرہ مسکرائی۔ممی نے ٹھیک کہا تھا۔وہ اس سے ناراض نہیں ہو

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سکتا تھا۔

تم نے ہی کہا تھا۔کہ تمہارے لئے فرانسیسی فرمانبرادر سی لڑکی تلاش کر کے لاؤں۔اب ڈھانچے سے زیادہ فرمانبردار اور کون ہو سکتا۔

اس بات پہ میں اب بھی قائم ہوں۔اور سنجیدہ ہوں۔بلکہ ایک کام کرتا ہوں ۔۔۔اپنی سی وی بھیج دیتا ہوں۔کر لو راضی کسی لڑکی کو۔بولتی آنکھوں سے مسکراتے ہونٹوں سے کہا تو نمرہ بُرا منائے بغیر ہنس دی۔وہ عبداللہ کو بہت اچھے سے سمجھنے لگی تھی۔

ٹھیک ہے کر دو۔پر ساتھ میری بھی کر دینا۔

تمہاری کیوں؟

مجھے کیا لڑکوں کی کمی ہے۔گردن اکڑا کر کہا تو عبداللہ کے تاثرات ایک دم سے بدلے تھے۔

تم نے فضول گوئی کہ لئے مجھے کال کی تھی؟ابرو اُٹھا کر کرخت لہجے میں پوچھا تو نمرہ کے لئے اپنی مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو گیا۔یہی ہونا تھا وہ جانتی تھی۔

نہیں کال تو تمہیں منانے کے لئے کی تھی۔۔۔

ٹھیک ہے۔۔۔رکھو فون۔میں مصروف ہوں۔۔۔منہ بنا کر اس نے کال کاٹ دی تھی۔نمرہ پر پر کہتی رہ گئی۔پر عبداللہ وہاں رُکا نہیں تھا۔کیمرہ سیاہ پڑ چکا تھا۔

وہ پھر سے ناراض ہو چکا تھا۔وہ مسکرا کر سر جھٹک کر رہ گئی۔

اب خود کو کتنا بُرا لگا۔سوچ کر اس نے مڑ کر دیکھا تو ممی کو کسی سے گفتگو کرتے پایا۔

وہ ارد گرد دیکھنے لگی۔اور ساتھ ہی فون کا کیمرہ بھی آن کر لیا۔

اب واپس آتے ہیں کیٹاکومبز کی تاریخ کی جانب۔

Catacombs

انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے جہاں مردہ انسانوں کے ڈھانچے رکھے ہوں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور ان کو دیکھا بھی جا سکے۔

کیٹاکومبز کا تصور یہودیوں کا اپنایا ہوا ہے۔اُنہوں نے اسے مصر کے فیرونوں سے سیکھا تھا۔جن کو ہم پیرامڈز کہتے ہیں۔

دونوں مردوں کو دفن نہیں کرتے تھے لیکن اُنہیں غاروں میں چھوڑ آیا کرتے تھےاحرامِ مصر امراء اور وزرا کو ان کے مرنے پہ غاروں میں چھوڑ آتے۔

کیونکہ وہ عام لوگوں کے ساتھ دفن ہونا اپنی توہین خیال کرتے تھے۔عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ کو صلیب سے اُتار کر ایک غار ہی میں چھوڑا گیا بقول ان کے بعد ازاں جسم وہاں سے غائب ہو گیا۔

عیسائی آج بھی اس غار کی زیارت کے لئے یرشلم جاتے ہیں یرشلم کے نیچے بھی کیٹاکومبز ہیں۔دنیا میں سب سے بڑا کیٹا کومز روم کے نیچے ہے اور دوسرا شہر پیر کے نیچے ہے۔تیسرا مصر کے شہر سکندریہ کے نیچے مگر پیسر کا کیٹاکومز باقی کے مقابلے میں بہتر حالت میں ہے۔اور اس کی تاریخ بھی خاصی دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔پیرس کے کیٹا کومبز کا وجود لائم سٹون سے شروع ہوا تھا۔سمندر کے نیچے موجود لائم سٹون کے ایک ٹیلے میں جب سوراخ ہوئے تو وہ اپنا وجود پانی میں قائم نہ رکھ سکا اور پانی کی سطح پہ اُبھر آیا۔وقت کے لوگوں نے لائم سٹون میں رہنا شروع کردیا۔اور پھر وقت کے ساتھ ترقی کرتے کرتے عمارتیں بنا لیں۔پیرس نے اس لائم سٹون سے آگےاتنی ترقی کی کے لوگوں کا رُخ وقت کے جدید اور شاندار خشبوؤں کے شہر کی جانب ہونے لگا۔اور یوں مختصر سی جگہ پہ رفتا رفتا آبادی بڑھنے لگی۔لوگ آباد ہوئے آبادی بڑھی تو ساتھ ہی اموات بھی ہونے لگیں.اور مختصر جگہ پہ بھوک اور بیماری بڑھی تو اموات کا تناسب بھی اتنا بڑھ گیا کہ پرس کی زمین مرِدوں کے لئے تنگ پڑنے لگی۔بارشیں ہوئیں تو زمین میں موجود مرِدے بھی زمین نے اُگل دیۓ۔اور پیرس کی فضاء مزید غلیظ اور ماحول بد حال ہو گیا۔پھر 1786 میں وقت کے بادشاہ نے حکومت کے داناؤں کے ساتھ مل کر فیصلہ کیا کہ تمام مرِدوں کو زمین کے نیچے یوں دفن کیا جائے کہ ان کے وجود اور ہڈیوں سے دیواریں چُن دی جائیں۔مرِدوں کو قبروں اور دوسری جگہ سے منتقل کرنے

میں 12 سال لگے۔اور یوں یہ جگہ بہت سالوں بعد لوگوں کی تفریح کا مقام بن گئی۔

نمرہ نے خاصی تفصیلی تاریخ پڑھ رکھی تھی۔ممی فون سے فارغ ہوئیں تو ان کے چہرے پہ کوئی ایسا تاثر ضرور تھا۔جسے دیکھ کر بھی وہ انجان بن گئی تھی۔وہ جانتی تھی اس کے پیچھے وجہ کیا ہوسکتی ہے۔لیکن وہ ممی کے جھوٹ کا پردہ رکھنا چاہتی تھی۔

فلک نے گہرہ سانس لے کر حنان کو کار کے ساتھ پُشت ٹکائے جینز اور سفید شرٹ پہنے دیکھا۔اور پھر کوئی بھی اظہار کئے بغیر کار کا پیچھلا دروازہ کھولا۔

تم پیچھے نہیں بیٹھو گی۔۔۔آگے آؤ۔وہ بیٹھنے والی تھی جب حنان نے ناگواری سے ٹوکا۔

میری مرضی۔۔۔میرا جہاں دل چاہے گا وہیں بیٹھوں گی۔حنان کے ٹوکنے پہ اس نے اڑ کر کہا تو حنان اس کی بد دماغی دیکھ کر رہ گیا۔مگر پھر تارا کو سامان لاتا دیکھ کر خاموشی سے اس کی جانب بڑھا۔اس نے اس کے ہاتھ سے سامان لے لیا۔تارا نےایک نظر حنان کے چہرے پہ بگڑے زاوئیوں کو دیکھا۔اور پھر سر جھکا کر کار کا پیچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

انہیں کیا ہوا؟اس نے نظر شیشے سے باہر گاڑے سڑک پہ نہ جانے کیا تلاش

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کرتی فلک سے پوچھا۔جس کے لئے شائد اس وقت اس کام سے اہم اور کوئی کام ہی نہ تھا۔فلک نے شانے اُچکا دئے۔

کیا معلوم۔۔۔۔

پوچھ لو۔۔۔ابرو اُٹھا کر کہا تو تارا نے آنکھیں موند کر سر سیٹ سے ٹکا لیا۔

میں تم لوگوں کے معملات سے دور رہنا چاہتی ہوں۔اس نے مغموم لہجے میں کہا تو فلک نے پہلی بار اس میں کچھ تبدیلی محسوس کر کے اسے چونک کر دیکھا تھا۔

کیا ہوا؟ کیا پھر سے بخار ہے۔ہاتھ بڑھا کر اس کے ماتھے کو چیک کرتے اس نے پریشانی سے پوچھا تو تارا نے غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ ماتھے سے ہٹا دیا۔اور محض سر نفی میں ہلایا۔

فلک کو پریشانی ہوئی۔وہ رات سے بخار میں پھنک رہی تھی۔بڑی مشکل سے اس کی حالت کچھ گھنٹے قبل بہتر ہوئی تھی۔اور اب پھر سے لگتا تھا کہ بخار اپنا کام دیکھانے لگا تھا۔فلک نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا۔مگر تارا جوں کی توں رہی۔فلک نے اب کی بار ہاتھ نہیں چھوڑا بلکہ خود بھی سر سیٹ سے ٹکا لیا۔

جس وقت کار نے اپنا آدھا سفر طے کیا۔وہ دونوں گہری نیند میں جا چکی تھیں اور حنان شدید کوفت کا شکار رہا تھا۔

یہ کیسا ہے؟امی سلطان نے سیب کھاتی کی جھولی میں ہلکے نارنجی رنگ زرق برق سے دوپٹے کو کھول کر پھیلایا تو فلک نے ناگواری کے باوجود کوئی تاثر نہیں دیا۔اسے وہاں پہنچے چھتیس گھنٹے ہو چکے تھے۔

امی ابھی میرا موڈ نہیں پلیز سب پھیلاوا سمیٹ دیں۔۔۔

نوری۔۔۔او نوری۔۔۔ملازمہ کو آواز دی تو وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی تھی۔امی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

یار نوری پلیز یہ سارے کپڑے سمیٹ کر میرے کمرے میں رکھ دو۔

پکا امی سلطان رات میں دیکھ لوں گی۔امی سلطان کو منہ کھولتے دیکھ کر اس نے تیزی سے کہا تھا۔امی سلطان نے اسے گھورا تھا۔اس نے سر ان کے شانے سے ٹکا لیا۔

امی سلطان اتنی جلدی شادی کرنا کیا ضروری ہے؟

ابھی تو میرا رزلٹ بھی نہیں آیا۔امی سلطان مسکرائیں

آج نہیں تو کل ہمیں آپ کی شادی تو کرنی ہی ہے۔تو اب ہی کیوں نہیں۔۔۔اس کے سر پہ بوسہ لیتے اُنہوں نے ملائمت سے کہا تھا۔فلک نے ساتھ لگے ہی سر اُٹھا کر اُنہیں دیکھا تھا۔

امی۔۔۔اگر میں یہ کہوں کہ میں اس شادی سے خوش نہیں۔یا میں حنان کو پسند نہیں کرتی تو؟امی سلطان کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے دل کی بات کہنی چاہی تھی۔امی سلطان کی مسکراہٹ لمحے کو سمٹ گئی۔

تو پھر بھی آپ کی شادی یہیں ہوگی۔کیونکہ یہ آپ کے بابا اور بڑے بابا کا فیصلہ ہے۔اور عزت داروں کی بیٹیاں والدین کے سر کو اپنے سر سے اہم سمجھتی ہیں۔

پسند نہ پسند کا سر سے اور عزت غیرت سے کیا تعلق بھلا۔آنکھوں میں کچھ تھا۔امی سلطان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔اور اس کا سر کندھے سے ہٹا دیا۔اس کی جھولی میں پھیلا نارنجی آنچل لپیٹنے لگیں۔

ایسی باتیں کرنے کا مقصد؟اب کی بار لہجہ بے تاثر تھا۔فلک نے ان کے چہرے کو بغور دیکھا۔

بس یوں ہی۔دل نے کہا کہ ایک بار آپ سے بات کروں۔۔۔

کس حوالے سے؟ان کا لہجہ تیز تھا۔فلک نے نظر پھیر لی۔

اس رشتے کے بعد کچھ بھی پہلے جیسا شائد نہ رہے۔نوری سامان لئے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔فلک کی نظر اس کے پاؤں پہ بنے نقش و نگار پہ تھی۔جب بولی تو لہجہ بے تاثر تھا۔امی سلطان نے ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ موڑ کر اپنی جانب دیکھا۔اور آنکھوں میں جھانکا جہاں بغاوت کی رمق تک نہ۔وہ جو کچھ بے چین

تھیں کچھ پُر سکون ہو گئیں۔

جو ابھی ہوا نہیں۔اس کے بارے میں شک مت پیدا کرو۔بس باپ کے مان کا خیال رکھو۔اور خاموشی سے سر جھکا دو اسی میں سب کی بھلائی ہے۔اس کے لہجے میں واضع تاکید تھی۔فلک پھیکے سے مسکرا دی۔یہی تو ہو رہا ہے۔

تو پھر بحث کیسی؟

حق تھا امی سلطان۔۔۔

حق کو بحث کے ترازو میں تو مت تولیں۔

بحث ہی ہے فلک۔۔۔بلا وجہ کی بحث لا حاصل بحث۔۔۔

تو اب آپ کیا چاہتی ہیں۔کہ بس خاموشی کا قفل باندہ لوں۔مردوں میں شمار ہونے لگوں۔۔۔اب ایک شخص مجھے نہیں پسند کیا کروں کسی صورت نہیں پسند۔۔۔

نکاح کے وقت جب اللہ کا وعدہ مجھ سے لیا جائے گا۔کیا کروں جھوٹا عہد کرلوں۔۔۔ان کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے ترنت جواب دیا تھا۔وہ جھنجھلا گئیں۔

فلک سلطان بات کو بڑھاؤ مت۔اور جا کر شام کے لئے کپڑے تیار کرو۔چچا کا خاندان آج شام کھانا یہیں کھائیں گے۔وہ اس سے کسی صورت بھی بحث کر

کے اُلجھنا نہیں چاہتی تھیں۔اور نہ ہی گھر کا ماحول خراب کرنا چاہتی تھیں۔اُنہوں نے ٹوکا تو فلک خاموشی سے اُٹھ کر باہر کی جانب چل دی۔امی سلطان نے ایک نظر اس کی پُشت کو دیکھا۔اور پھر نوری کو واپس آتا دیکھ کر نظر پھیر لی۔

تارا۔۔۔

ہم م۔۔۔وہ کرسی پہ جھول رہی تھی۔جب سدرہ آپی کمرے میں داخل ہوئیں۔

تیاری کر لو۔آج کا ڈنر ابا سلطان کے گھر بہت یاد گار ہونے والا ہے۔مسکراتے اُنہوں نے ذومعنی سے انداز میں کہا تھا۔تارا نے خفا نظر سے اُنہیں دیکھا۔اور وہ جو کُرسی پہ جھول رہی تھی کام جاری رکھا۔

مجھے نہیں جانا۔۔۔

کیوں؟

بس دل نہیں چاہ رہا۔

آج ہی تو مزہ آئے گا پاگل۔۔۔اتنی اہم دعوت میں تمہیں کسی صورت مِس نہیں کرنے دوں گی۔مجھے بتاؤ کونسے کپڑے نکالوں۔ان کا آج ہر ہر انداز نرالا تھا۔تارا اب کی بار سیدھی ہوئی۔

ایسا کیا ہو گا؟لہجہ مشکوک تھا۔سدرہ آپی ہنس دیں۔

میجک شو۔۔۔سر پیچھے کو پھینک کر ہنسی۔گویا اپنی ہی بات سے لُطف اندوز ہوئیں۔تارا کو حیرت ہوئی۔

مطلب؟

ارے بھئ مطلب وطلب مت پوچھو۔بس میں یہ کپڑے استری کروا کر لاتی ہوں۔۔۔پھر چلیں گے۔پھر سب پتہ چل جائے گا۔مسکراتے ہوئے اُنھوں نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔تارا نے آنکھیں سکیڑ کر دروازے کی خالی راہداری کو دیکھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جادو گرنی نے جیسے ہی پیالہ اس مہربان کے سامنے کیا پیالے میں موجود زہر کا رنگ بدلنے لگا۔

اس پری نے چونک کر جادو گرنی کو دیکھا۔جس کے چہرے پہ مکارانہ مسکراہٹ تھی۔

ممی۔۔۔

ہم۔۔۔

آج شاپنگ پہ چلیں؟مسکراتے قالین پہ بیٹھے وہ ان سے بال سیدھے کر وا رہی

تھی۔پیرس میں ہر صبح اس کی ممی سے برش کروانے کے بعد شروع ہوتی تھی۔ممی نے جھک کر اس کے سر پہ بوسہ لیا تھا۔وہ سامنے بیٹھی مسکرائی۔

کیوں نہیں۔۔۔شام میں چلیں گے شاپنگ پہ پھر باہر ہی ڈنر بھی کریں گے۔کیا خیال ہے؟آخر میں اس سے تائد چاہئی۔نمرہ مسرور سی ہوگئی۔اور ان کا برش کرتا ہاتھ تھام لیا۔

ممی آپ کو پتہ۔۔۔یہ ایام میری ساری زندگی سے زیادہ اہم اور قیمتی ہیں۔میں نہیں جانتی کہ آگے زندگی میں کب ہم ایسے آزادی سے سانس لے پائیں گے۔اس لئے میں آپ کے ساتھ ان شب و روز کو بہت یاد گار بنا دینا چاہتی ہوں۔نم آنکھوں سے وہ کہہ رہی تھی۔۔۔ممی نے گہرہ سانس لیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم کہاں ہو؟شہروز اکرام کے فون میں گونجنے والے پہلے سوال نے ان کو دو روز سے بے چین کر رکھا تھا۔اُنہیں محسوس ہو رہا تھا۔جیسے شہروز اکرام ان کے پیرس آنے کا مقصد سمجھ چکے ہیں۔

مجھے یقین نہیں آ رہا کہ نکچڑھی سی نمرہ ایسی باتیں بھی کر سکتی ہے۔مصنوعی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُنہوں نے ہلکے سے اس کے سر پہ چپت لگا کر ماحول کو کلسمندی سے نکالنا چاہا تھا۔نمرہ گھومی۔۔۔

ممی آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟ان کا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ممی نے سر نفی میں ہلایا۔

نہیں۔۔۔میں آپ کے ساتھ کبھی ناراض نہیں ہو سکتی۔رنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اُنہوں نے کہا تو نمرہ بھی مسکرا دی۔

بلکہ سچ تو یہ ہے۔کہ میں آپ سے ناراض ہونے کا حق ہی نہیں رکھتی۔جب جب آپ کو ماں کی ضرورت تھی۔میں آپ کے پاس نہیں تھی۔جب جب آپ کو میرے کندھے میرے سہارے کی ضرورت تھی۔میں آپ کے پاس نہیں تھی۔لیکن۔۔۔لیکن یقین مانیں مجھے اس بات کا غم ساری زندگی رہا اور رہے گا۔نہ جانے مجھ میں اتنی ہمت کیوں نہیں آئی کہ میں آپ کو آپ کے باپ کے شر سے دور لے جاتی۔

اگر میں ہمت کرتی تو شائد آپ کو اور مجھے اتنا مشکل وقت ایک دوسرے سے الگ رہ کر نہ کاٹنا پڑتا۔دل کی گہرائی میں چھوپے الفاظ ایک دم سے باہر آ گئے تھے۔اُنہوں نے سر جُھکا کر وہ سب کہنے کی کوشش کی جو وہ کبھی نمرہ سے کہنا چاہتی تھیں۔نمرہ بس خاموشی سے اُنہیں دیکھتی رہی۔

میں جانتی ہوں نمرہ میں ایک اچھی ماں نہیں ہوں۔لیکن بیٹا میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے معاف کر دو۔میں نے کچھ بھی اپنی کسی نفسانی خواہش کے زیرِ اثر رہ کر نہیں کیا۔بلکہ یہ ایک چھوٹی سی کوشش تھی۔۔۔

ایک کوشش تھی۔آپ کو ایسے لوگوں سے بچانے کی۔جن کا رستہ میں تھی اور منزل آپ۔۔۔وہ آپ کے ساتھ وہ سب کرتے کہ میں سوچتی ہوں تو میری

روح فنا ہونے لگتی ہے۔کپکپاتے ہونٹوں سے وہ سر جھکائے سب یوں بول رہی تھیں۔جیسے سارا گناہ ہی ان کا ہو۔نمرہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ان نے سر ان کی جھولی میں رکھ لیا۔اور آنسو چھپانے کی کوشش کی۔

وہ ہمیشہ ہی ان سے شکوہ کرتی رہی تھی۔کہ ان کو اس کا خیال نہیں ہے۔لیکن اب احساس ہو رہا تھا۔کہ وہ تن تنہا کس تکلیف سے گزر رہی تھیں۔

ممی میں بہت شرمندہ ہوں۔آپ کو جو بھی ندامت اور تکلیف ہے یہ محض میری وجہ سے ہے۔کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔غم سے چور لہجے میں اس نے وہ کہہ دیا۔جو وہ کہنا بھی نہیں چاہتی تھی۔جہاں آرا ایک دم سے بے چین ہوئی تھیں۔اور پھر اس کا چہرہ اُنچا کرکے بے اختیا چوم لیا۔

آپ میرے زندہ رہنے کی وجہ ہو نمرہ۔۔۔آئندہ ایسے ہر گز مت سوچئے گا۔آپ کی ماں کو بہت تکلیف ہوگی۔اس کی نم آنکھوں کو محبت سے دیکھتے جہاں آرا نے کہا تو نمرہ پھیکے سے مسکرا دی۔

ممی اگر آپ نہ ہوتیں تو میرا کیا ہوتا۔

کیا دینا کی سب مائیں ہی آپ جیسی قربانی دینے والی بے لوث محبت کرنے والی ہوتی ہیں۔اس نے کہا تو جہاں آرا پہلی بار سرشار سا مسکرائی تھیں۔

دنیا کی ہر ماں ایسی ہی بے لوث ہوتی ہے۔وہ کبھی آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگتی۔بس دیتی ہے اور دیتی رہتی ہے۔اور ایک بار بھی گنواتی ہے اور نہ جتاتی

ہے۔جو پاس ہوتا ہے سب دے دیتی ہے۔یہاں تک کہ اپنی ہستی اور اپنی ذات کو بھی آپ میں گم کر لیتی ہے۔دنیا کی ہر ماں ایسی ہی ہوتی ہے۔مسکراتے ہوئے وہ کہہ رہی تھیں۔اور نمرہ ان کے چہرے کو آہستہ آہستہ روشن ہوتے دیکھ رہی تھی۔وہ روشنی وہ تھی جو ہر ماں کے چہرے پہ اپنے بچے کو دیکھ کر بکھر جاتی ہے۔

نمرہ نے ان کے ہاتھ کا بوسہ لیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گہرے نیلے ٹخنوں تک آتے فراک میں بالوں کو اُونچی سی پونی میں مُقید کیئے۔پاؤں میں سرخ کھسہ پہنے۔اور کسی بھی قسم کے میک اَپ سے پاک چہرے کے ساتھ وہ شیشے کے سامنے کھڑی خود کو مسکرانے کے لئے ہمت دے رہی تھی۔مصنوعی مسکراہٹ ہر قسم کے احساسات سے عاری۔۔۔

آج کی دعوت میں ہونے والے میجک شو کا قصہ کیا تھا۔بہت جلد کُھلنے والا تھا۔

دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ کوئی بھی آواز پیدا کئے بغیر دروازے کی جانب بڑھی اور پھر باہر نکل گئی۔

کمرے سے نکل سامنے دلان دکھاتی گیلری تھی۔جہاں اس وقت تمام احباب موجود تھے۔پھوپھو اس دعوت میں موجود نہیں تھیں۔اُنہیں شادی پہ آنا تھا۔اور

شادی بھی محض سات دن کے بعد وقع پزیر ہونا پائی تھی۔اس نے خود کو نارمل ظاہر کرتے باری باری سب سے سلام لیا۔اور امی سلطان کی نظروں کو خود پہ محسوس کرنے کے باوجود ان کی جانب دیکھے بغیر تارا کے ساتھ بیٹھ گئی۔

تارا درمیانے درجے کے صوفے پہ سیاہ اور سرخ رنگ کے امتزاج کے لباس میں تھی۔اور بالوں کو فلک ہی کی طرح اُنچی سی پونی میں باندھ رکھا تھا۔

اب کیسا بُخار ہے تارا؟ مسکرا کر تارا کو دیکھتے اس نے پوچھا تو تارا نے ایک نظر اسے دیکھ کر چہرہ آپی سدرہ کی جانب موڑ لیا جو بڑی سے بات کر رہی تھیں۔

بہتر ہوں۔۔۔

فلک بیٹا۔۔۔امتحانات کیسے ہوئے؟چچی کی نظر سر سے پاؤں تک فلک کا جائزہ لے رہی تھی۔فلک دھمی سے مسکرائی۔

اچھے ہو گئے چچی جان۔

اللہ خیر کرے۔۔۔ڈاکٹر بن کر ہماری ناک اُونچی کرو گی تم تو۔

بھابھی بیگم میرے لئے تو عزاز ہے کہ فلک میرے گھر آئے گی۔چچی کی وہی پُر تکلف سی باتیں شروع ہو چکی تھیں۔فلک کو ایک دم سے سانس گھٹتا محسوس ہوا۔

وہ بظاہر مسکرا کر چائے دیکھنے کا کہہ کر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

چچی جان ہماری مہرین تارا بھی کم نہیں ہے۔میں نے تو سوچا ہے۔کہ ہم اسے ایک ہسپتال بنا کر دیں گے جہاں یہ اپنی پریکٹس کرے گی۔اور پھر بہت جلد ابا ہم تارا کو امریکہ بھیج دیں گے سپیشلائزیشن کے لئے۔۔۔

کیوں امی؟ آپی سدرہ کو چچی کا فلک کا ایک دم سے اتنی تعاریف کرنا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔تبھی تیزی سے سب کی توجہ تارا کی جانب کرنے کی کوشش کی تھی۔تارا پھیکے سے مسکرائی جبکہ بڑے ابا اور بڑی امی جیسے سرشار سے ہو گئے تھے۔قابل اُولاد والدین کا یقیناً فخر ہوتی ہے۔

فلک نے باورچی خانے کی جانب جاتے غیر ارادی طور پہ آپی سدرہ کو مڑ کر دیکھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا تارا نے وہ زہر پی لیا؟

حنان نے دفتر سے آتے ہی کمرے کی رہ لی تھی۔تمام افراد ابا سلطان کے گھر جا چکے تھے۔اور اب اسے جانا تھا۔تبھی کھانا شروع کیا جاتا۔

اس نے نہانے کے بعد گہرے بھورے رنگ کا کاٹن کا شلوار قمیض پہنا۔بالوں کو جیل سے ایک جانب جمایا۔۔۔بہت ساری خشبو اپنے پہ چھڑکی۔۔۔

اور پھر ساری کاروائی ہو گئی تو اپنے عکس کو آخری بار شیشے میں دیکھا۔اس کی لال بیگ سے میل کھاتی موچھیں اب پہلے سے کچھ چھوٹی ہو چکی تھیں۔اب وہ

گالوں پہ بل کھاتی نظر نہیں آتی تھیں۔بلکہ ناک کے نیچے کا محض کچھ ہی حصہ ان کے قبضے میں تھا۔اور یہ تبدیلی اس کی نوابوں والی شخصیت پہ خاصی جچ رہی تھی۔

اس ساری تیاری کے دوران کو ایک بار بھی نہیں مسکرایا تھا۔فلک کا کنچھا کھنچا سا انداز اس کے اندر مسلسل چبھ رہا تھا۔ایک عجیب سا احساس تھا۔جو اسے ڈنک مار رہا تھا۔اور احساس کے اس ناگ کو وہ کوئی نام بھی نہیں دے پا رہا تھا۔

وہ جیسے ہی مردانے کے سامنے سے گزرتا ابا سُلطان کے گھر کے سامنے پہنچا پیچھے سے بھاگتے ملازم نے اسے پکارہ۔۔اور وہ رُک گیا۔

سرکار۔۔۔سر پہ ٹوپی پہنے بڑی سے داڑھی والے عمر رسیدہ ملازم کو دیکھ کر حنان نے ایک ابرو اُٹھایا گویا پوچھا ہو کہ کیا ہے بولو؟اور ساتھ ہی قمیض کے کف کلائیوں سے چڑھائے۔

سرکار مردانے میں کوئی جوان آیا ہے۔کہتا ہے لاہور سے آیا ہے۔اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

کیا نام ہے؟ لاہور سے آنے والا بھلا کون ہو سکتا تھا۔

سرکار مان۔۔۔کہتا ہے میرا نام مان آفندی ہے۔

مان آفندی؟

حنان اُلجھا۔۔اس نام کے شخص کو وہ نہیں جانتا تھا۔

اچھا چلو۔۔۔میں آرہا ہوں۔کہہ کر اس نے ایک نظر ابا سلطان کے گھر کے داخلی دروازے کو دیکھا۔اور قدم مردانے کی جانب بڑھا دئے۔

سلطان ولا میں بیٹھی جادو گرنی کی نگاہ گھڑی پہ پڑی تو مسکراہٹ ایک دم سے گہری ہو گئی۔

سحر ہونے کو تھا۔۔۔آسمان پہ چمکتے چاند کو ایک دم سے گرہن لگنے لگا تھا۔اور پُرسکون سی فضا میں ایک دم سے بہت سے جنگلی کتے اور بھیڑئے آسمان کی جانب منہ اُٹھا کر چیخنے لگے تھے۔

اس نے بدلا لینے کے لئے سہی وقت تلاش کیا تھا۔۔پورے چاند کی تاریخ اور محبت کی ہوتی تکمیل کا عین لمحہ

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حنان کو لگا اس شخص کے الفاظ نے اس کی شہ رگ کو کاٹ ڈالا ہو۔اس نے بے یقین نظروں سے مان آفندی کو دیکھا۔جو مسکرا رہا تھا۔

حنان ایک دم سے آگے بڑھا اور اسے گربان سے پکڑ کر زور کا جھٹکا دیا۔مان کی آنکھوں میں اُلجھن تھی۔جبکہ حنان کی آنکھوں میں لہو تھا۔

جھوٹے۔۔۔جھوٹے ہو تم۔۔۔۔

اچھا۔۔۔میں جھوٹا ہوں۔مان مسکرایا۔

اگر جھوٹا ہوں تو بلاؤ اپنی منگیتر کو۔اور پوچھو اس سے میرے بارے میں۔

پوچھو کہ وہ مان آفندی کو جانتی ہے یا نہیں۔۔۔اور یہ بھی پوچھنا کہ کہاں ملی تھی وہ مجھے۔۔۔

اور یہ میرا گریبان چھوڑو۔۔۔جھٹکے سے اپنا گریبان اس کی سخت گرفت سے چھڑواتے مان بہت تحمل سے مسکراتا بولا تھا۔

نہیں میں اس سے نہیں پوچھوں گا۔مجھے اس پہ یقین ہے۔تم نکلو ادھر سے اس سے پہلے کہ میں تمہارا قتل کروا دوں۔دانت پیس کر اس نے مان کو ہاتھ سے پکڑ کر مرادنے سے باہر باغیچے کی جانب دھکیلا تھا۔مان ہنس دیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یقین؟

نہیں تمہیں اس پہ یقین نہیں ہے حنان صاحب۔۔۔تم دھوکے میں ہو۔

اور تم فلک سے اس لئے کچھ پوچھنا نہیں چاہتے کیونکہ تمہیں خوف ہے۔۔۔ تمہیں خوف ہے کہ کہیں یہ سب جو میں نے کہا سچ نہ نکلے۔اور اگر سچ نکلا تو تم سے برداشت نہیں ہوگا۔اور تمہیں فلک کو اپنی زندگی اپنے دل سے نکالنا ہوگا۔۔۔گھاس پہ کھڑا۔۔۔جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بول نہیں رہا تھا زہر اُگل رہا تھا۔حنان کو اس کی ہڈدھرمی پہ مزید غصہ آیا۔تو وہ جو اس سے

فاصلے پہ کھڑا تھا۔پھر سے اس کے گریبان کی جانب لپکا تھا۔مگر اس بار ماں نے اس کے بازو پکڑ لئے۔

اب یہ غلطی نہیں۔۔خان صاحب۔۔۔

مقابل بھی کوئی نیچ ذات نہیں ہے۔ایسا نہ ہو کہ یہ بات بات پہ گریبان پکڑنا آپ کو بھاری پڑ جائے۔

بلائیں اپنی محبوبہ کو اور پوچھیں اس سے کہ کیوں وہ لاہور میں مجھ سے ملنے آئی تھی۔جبکہ وہ جانتی تھی کہ اسے اکیلے لاہور جانے کی اجازت نہیں۔۔۔

پوچھیں اس سے کہ میوزیم حال میں ایسا کیا ہوا تھا۔کہ اسے منہ چھپا کر بھاگنا پڑا۔۔بولتے ہوئے ماں کی آواز کب بُلند ہوئی اسے احساس تک نہ ہوا تھا۔وہ ایک تھپڑ اس کے دل پہ نقش تھا۔۔۔اس ایک تھپڑ نے اس کو جس قدر ذلیل کروایا تھا۔اس کا ندازہ بھی فلک کو نہیں تھا۔فلک نے اسے ساری دینا کے سامنے ذلیل کیا تھا۔اور اس نے سوچا تھا کہ وہ فلک جیسی غیر مشہور لڑکی کو اس کے پیاروں کے سامنے ذلیل کرے گا۔وہ بتائے گا اسے کہ ذلت کی تکلیف کیسی ہوتی ہے۔

میں نے تم سے کہا ہے کہ دفع ہو جاؤ میرے گھر سے۔۔۔۔

تمہیں میری بات سمجھ نہیں آ رہی۔حنان کا بس نہیں چل رہا تھا۔کہ وہ ماں کو دھکے دیتا وہاں سے نکال باہر کرے۔۔۔وہ یہ سب ہر گز برداشت نہیں کر سکتا

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھا۔اس نے چیختے ہوئے اسے دونوں ہاتھوں سے دھکا دیتے پیچھے کو گرانے کی کوشش کی مگر مان اپنی جگہ سے ہلا تک نہ۔

میں تب تک یہاں سے نہیں جاؤں گا۔جب تک میں فلک سے مجھے دھوکہ دینے کی وجہ نہ پوچھ لوں۔

میری نیندیں تباہ کر کے۔۔۔میرا سکون اُجاڑ کر کتنے مزہ میں ہے میں ہر گز برداشت نہیں کر سکتا۔وہ بھی برابر جواب میں دھاڑا تھا۔

تم ایسے نہیں مانو گے۔۔۔ٹھہرو۔۔۔

گارڈز۔۔

گارڈز۔۔۔گیٹ پہ کھڑے چوکیدار حنان کی دوسری ہی دھاڑ پہ سامنے تھے۔

اُٹھاؤ اس کچرے کے ڈھیر کو۔اور کہیں حویلی سے دور پھینک کر آؤ۔

اور تم۔۔۔شہادت کی انگلی اُٹھائی۔

آئندہ حویلی یا فلک کے قریب بھی۔۔۔

کیا ہو رہا ہے یہ۔۔۔اس سے قبل کہ حنان اپنے لفظوں پہ زور دیتا۔جملہ مکمل کرتا۔بڑے ابا کی ایک دھاڑ نے اسے خاموش کر دیا تھا۔بڑے ابا ابا سُلطان اور اس کے ابا سب حیران پریشان سے کھڑے تھے۔اُنہیں حالات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔حنان نے بائیں جانب ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑے ملازم کو کھا

جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

کون ہو تم لڑکے۔۔۔اور رات کے اس پہر یہ تم نے کیا تماشا لگا رکھا ہے۔بڑے ابا کا سدا کا سخت گیر لہجہ اب بھی موجود تھا۔

مان مسکرایا۔اور سیدھا بڑے ابا مظفر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔اور ہاتھ سینے پہ باندھ کر سامنے کو جُھکا۔

جناب۔۔۔خاکی کو مان آفندی کہتے ہیں۔چہرے پہ مسکراہٹ لئے اس نے اپنا تعارف کروایا تو موجود افرد کے چہرے پہ اُلجھن اُبھری۔جبکہ حنان نے دانت پیسے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لڑکے اچھے گھر کے لگتے ہو۔۔۔

اس وقت کسی کے گھر تماشا لگانے کی وجہ بتا سکتے ہو۔

دیکھیں۔۔۔جناب۔۔۔

اچھے بھی ہم تب ہی رہتے ہیں جب لوگ ہمارے ساتھ اچھے ہوں۔مجھے یقین ہے کہ معملہ جان کر آپ کی رائے میرے بارے میں بدل جائے گی۔

برخردار۔۔۔معملے کو آسان لفظوں میں بتاؤ۔اور کیونکہ یہ ہمارے کھانے کا وقت ہے تو بات کو ذرا جلدی کرو۔کیونکہ ہم رات کا کھانا لیٹ کھانا پسند نہیں کرتے۔اس لڑکے کا انداز بڑے ابا کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔تبھی کچھ خُشک

لہجے میں کہا۔مان قدرِ جھکا۔اور ایک بار مڑ کر حنان کو بھی دیکھا۔

جو حکم سر۔۔۔

سر مُناسب ہے کہ ہم کہیں بیٹھ کر بات کر لیں۔کہیں تنہائی میں۔ملازمین کے سامنے میرا نہیں خیال کے بات کرنا مناسب ہوگا۔وہ جو اس کے بولنے کے منتظر تھے۔اس کی اگلی بات سُن کر چونک گئے تھے۔بڑے ابا نے ایک نظر دائیں بائیں کھڑے اپنے بھائیوں کو دیکھا۔اور پھر گہرہ سانس لے کر ہاتھ سے مردانے کی جانب اشارہ کیا۔

چلو۔کہہ کر وہ سب سے آگے خود تھے۔

حنان کا دل چاہ رہا تھا۔کہ کب کوئی لمحہ آئے اور وہ اپنی جان دے دے۔

فلک جو باورچی خانے میں کھڑی باہر باغیچے میں جھانک رہی تھی۔باہر کے مناظر کو اس نے بہت تعجب سے دیکھا تھا۔مگر چونکہ فاصلہ زیادہ اور کچھ ملگجہ اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ حنان کے ساتھ موجود شخص کو پہچان نہ پائی۔اور ہمیشہ کی طرح کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر ،شانے اُچکا کر باورچی خانے سے باہر نکل گئی۔

قسمت میں لکھا شائد اس کی زندگی کا وہ لمحہ تھا۔جس کے آگے محض تباہی ہی تباہی تھی۔کاش کہ وہ اس ایک لمحے میں سوچ لیتی۔

بھابھی آپ نے سوچا پھر سدرہ کے بارے میں؟چچی جان کو ایک دم سے فلک کو دیکھ کر آپی سدرہ کے رشتے کا بھی یاد آیا جو اُنہوں نے کچھ ہی روز قبل تائی جان کو بتایا تھا۔

لڑکا ان کے بھائی کے بہنوئی کا بیٹا تھا۔اور کسی فیکٹری میں مینجر کے عہدے پر فائز تھا۔مگر چونکہ ہمیشہ کی طرح آپی سدرہ اس معمولی سے رشتے پہ راضی نہ تھیں تو تائی جان نے منع کر دیا۔

لیکن وہ لوگ پھر بھی پُر زور کوشش میں تھے کہ کسی طرح آپی سدرہ کے رشتے کے لئے بڑے ابا مان جائیں۔مگر موئی قسمت کے تائی جان نے اس رشتے کے حوالے سے پل بھر کو بھی ذکر نہ کیا۔وجہ وہی کہ آپی سدرہ راضی نہیں تو نہیں کرنا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے ایک افسردہ سی نظر آپی سدرہ کو دیکھا تھا۔جو چچی جان کی بات سُن کر خاصی غیر آرامدے معلوم ہونے لگی تھیں۔

فلک نے کمر صوفے سے ٹکا لی۔اور محض لمحے کو آپی سدرہ کے چہرے کو بغور دیکھا۔جب نظر ایک دم سے دُھندلا گئی۔منظر بدلنے لگا۔اس کے کانوں میں ماضی میں کہے کسی کے الفاظ گونجنے لگے۔

تم میرے لئے سب سے اہم ہو۔

تم مجھ پہ بھروسہ کیوں نہیں کرتے۔فون کان سے لگائے لڑکپن کو چھوتی آواز

آپی سدرہ کی تھی۔

میں جانتی ہوں کہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔تبھی تو اتنا بڑا قدم اُٹھانے جا رہی ہوں۔دھیمے لہجے میں صوفے پہ دراض منہ پہ دوپٹہ لئے وہ بول رہی تھیں۔اور اس بات سے مکمل انجان تھیں۔کہ زمین پہ بیٹھی ہوم ورک کرتی فلک سُلطان سب سُن کر بھی انجان بن رہی تھیں۔

تم رات بارہ بج کر چالیس منٹ پر حویلی کے پیچھلے دروازے پہ آ جانا۔میں سارا سامان اور زیورات وغیرہ لے کر وہیں آ جاؤں گی۔

جو قیمتی ملا لوں آؤں گی۔اب خوش۔۔۔وہ ہنسی تھیں۔چودہ سالہ فلک نے صدمے سے ہونٹ بھینچ لئے۔

سُنو مجھے دھوکہ مت دینا۔ورنہ قسم سے خودکشی کرلوں گی۔اور قیامت کے روز معاف بھی نہیں کروں گی۔پُر شکوہ لہجے میں وہ کہہ رہی تھیں۔فلک دبے قدموں وہاں سے اُٹھ گئی۔

فلک باجی۔۔۔

باجی۔۔۔نوری نے اس کا کندھا زور سے ہلایا۔تو وہ جو ماضی میں کہیں گُم بیٹھی تھی۔چونک کر واپس مڑی۔

ہم۔۔۔

باجی آپ کو مردانے میں صاحب بُلا رہے ہیں۔اسے کھوئے کھوئے دیکھ کر ملازمہ نے کچھ تیزی سے کہا تو فلک نے اب کی بار نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

کیوں؟

معلوم نہیں جی۔۔۔بس پیغام بھجوایا ہے کہ آپ فوراً پہنچیں۔۔۔دوپٹے کو ہاتھ پر باندھتے کھولتے ملازمہ نے کچھ جوش میں بتایا تو دلان میں بیٹھی تمام خواتین ایک دم سے سیدھی ہوئی تھیں۔

آپی سدرہ جو کچھ دیر قبل ناخنوں سے کھیل رہی تھیں۔ایک دم سے ذرا سامنے کو جُھکیں تھیں۔تارا نے نا سمجھی سے بہن کو دیکھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہ تھیں۔

ایسا کیا ہو گیا کہ بڑے ابا مجھے مردانے میں بلا رہے ہیں۔اُٹھ کر اس نے خواتین کو دیکھتے سر پہ دوپٹہ لے کر کہا اور پھر قدم آگے بڑھائے۔

رُکو ہم بھی چلتے ہیں۔آ جائیں چچی جان۔۔۔

آئیں امی۔۔۔

آ جاؤ تارا تم بھی۔سب کو باری باری بلاتے اور آخر میں تارا کو ہاتھ سے پکڑ کر اُنہوں نے کھڑا کیا۔اور اس سے قبل کہ فلک کچھ کہتی وہ باہر نکل چکی تھیں۔فلک نے گہرہ سانس لے کر اُن سب کو باہر کی جانب جاتے دیکھا۔اور

سر جُھکا کر خود بھی چلنے لگی۔

اگر اس لمحے اسے پتہ چل جاتا۔کہ یہ قدم اسے کس جانب لے کر جا رہے ہیں۔تو وہ شائد دلان سے مردانے تک کے سفر کو روک دیتی۔وقت کو منجمند کر دیتی۔

مردانے میں غیر معمولی سناٹا تھا۔خواتین سب راہداری سے ہٹ کر ایک جانب کھڑی تھیں۔جب فلک نے اندر قدم رکھا تھا۔

فلک کی سب سے پہلی نظر حنان پہ پڑی تھی۔جو راہداری کو ہی دیکھ رہا تھا۔فلک کو دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔فلک نے سر کو ہلکے سے موڑ کر دروازے کی جانب پُشت کئے بڑے بابا کے سامنے بیٹھے مان آفندی کو دیکھا۔پُشت کی وجہ سے وہ مان کو پہچان بھی نہ پائی تھی۔لیکن مرد حضرات کے غیر فہم سے تاثرات دیکھ کر ایک دم سے اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔اور اس کے ہاتھ کی ہتھیلیاں نم ہوئی تھیں۔

جج۔۔۔جی بڑے بابا ہاتھ کو دوپٹے میں چھپا کر اس نے ان کی کپکپی چھپانے کی کوشش کی تھی۔وہ وجہ بھی نہیں جانتی تھی۔کہ اس کا لہجہ کیوں کامپ رہا تھا۔دل کیوں لرز رہا تھا۔

مان فلک کی آواز پہ اُٹھ کر کھڑا ہوا اور پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا۔ایک

دم سے مڑا۔اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔فلک نے مڑتے مان کو دیکھا۔اور دل ایک دم سے جو بے ترتیب دھڑک رہا تھا، تھم گیا۔۔۔سانس گلے میں اٹکی۔۔۔سانس تو تارا کی بھی اٹکی تھی۔وہ دیوار کے قریب تھی۔اس نے فوراً گرنے سے بچنے کو دیوار کا سہارا لیا تھا۔

تم یہاں۔۔۔مردہ سے لہجے میں وہ محض اتنا ہی بول پائی تھی۔مان نے اس کی آنکھوں میں خوف دیکھا تو ہلکے سے مسکرایا۔اور اس کی جانب قدم بڑھائے۔

ہاں میں۔۔۔

کیوں حیرت ہو رہی مجھے یہاں دیکھ کر۔مسکرا کر کہتے اس نے دروازے کی راہدار سے ذرا فاصلے میں کھڑی ان دو لڑکیوں کو بھی دیکھا تھا جن میں سے ایک کے چہرے پہ نقاب جبکہ دوسری کا چہرہ جُھکا ہوا تھا۔

مان نے فلک کو نقاب کی وجہ سے نہیں دیکھا تھا۔لیکن سدرہ کی مان کو بھیجی گئی تصاویر میں اسے دیکھتے ہی پتہ چل گیا تھا کہ فلک ہے۔وہ اس کی آنکھوں کو کیسے بھول سکتا تھا جن میں مان کے لئے ناپسندیدگی واضع تھی۔

فلک نے اسے ناگوار نظروں سے دیکھا اور سیدھا بابا کی جانب بڑھی جن کا سر اب جُھک چکا تھا۔وہ جانتی تھی اس وقت وہ اس کے مر جانے کی دعا کر رہے ہوں گے۔فلک نے ہاتھوں کو دوپٹے کے نیچے چُھپا رکھا تھا۔

بابا آپ۔۔۔آپ میری بات سُنیں گے۔بابا کا ہاتھ پکڑتے اس نے اتنی دھیمی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور آس بھری آواز میں کہا کہ بابا بمشکل سُن پائے۔اور پھر ایک نظر اس کے ڈرے سہمے انداز کو دیکھ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑوا لیا۔

فلک۔۔۔ان کا لہجا مضبوط تھا۔فلک نے خالی آنکھوں سے اُنہیں دیکھا۔

تم اس لڑکے کو کیسے جانتی ہو؟اس کے چہرے کو دیکھتے اُنہوں نے کسی اور کو پوچھنے کی زحمت نہیں دی تھی۔جو بات سب کے زہنوں میں موجود تھی ۔اُنہوں نے خود پوچھ لی تھی۔فلک نے ان کے ہاتھ کو دیکھا۔وہ اب دونوں ہاتھوں کو آپس میں ملا چکے تھے۔مگر فلک نے انکے ہاتھوں کی انگلیوں کی کپکپی دیکھ لی تھی۔فلک نے ہونٹ بھینچ لئے۔

بابا۔۔۔بابا مجھے آپ سے بات کرنی پلیز باہر آئیں۔ایک نظر موجود تمام مرد حضرات کو دیکھ کر اس نے ضدی بچے کی طرح ان کو کھینچ کر کھڑا کرنا چاہا مگر وہ جوں کے توں بیٹھے اسے دیکھتے رہے۔

مان کے لئے اس کی بےبسی دیکھ کر اپنی خوشی چھپانا مشکل ہو رہا تھا۔وہ اس لمحے کو بس پوز کر دینا چاہتا تھا۔اس نے جیبوں سے ہاتھ نکال کر سینے پہ باندھ لئے۔

بتا دو فلک آج سب کو۔۔۔

آج کے دن کا ہی تو ہمیں انتظار تھا۔پلیز میرے ساتھ ایسے مت کرو۔مسکراہٹ چھپا کر چہرے پہ غم اور رنجیدگی طاری کرتے اس نے ڈرامائی

شکل اختیار کرتے کہا تو فلک پُشت پہ اس کی آواز سُن کر ایک دم سے مڑی۔اور ہونٹ بھینچ لئے۔

اپنی بکوس بند کرو۔وہ دھاڑی تھی۔بابا اور حنان اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے جبکہ چچی نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اپنی حیرت کا اظہار کیا تھا۔ہر فرد کے چہرے پہ مختلف رنگ تھے۔

بکواس؟ وہ ساتھ ہی دھاڑا

اپنی آواز نیچی رکھو۔۔۔بڑے بابا کو اس کا چیخنا ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

بڑے بابا مان آفندی نے جو بھی آپ کو بتایا سب جھوٹ ہے۔میں اسے نہیں جانتی۔۔۔اپنے باپ کی جانب دیکھ کر اب وہ اپنے تایا کی جانب لپکی تھی۔جبکہ مان کا نام لیتے ہی وہاں بیٹھے تمام افرد کی نظر میں اب وہ خود مشکوک ہو چکی تھی۔مان نے مسکراہٹ چھپائی۔

فلک تم ایسی کہہ کر مجھے تکلیف دے رہی ہو۔بھول گئی لاہور میں ہمارے ٹرپ کو۔۔۔جب تم اور میں میوزیم حال میں کھڑے تھے۔۔۔وہ اور بھی کچھ کہنا چاہتا تھا مگرحنان کی آواز نے جملہ مکمل ہی نہ ہونے دیا۔جبکہ فلک تو چکرا کر رہ گئی تھی۔مان نے کیسی ہوشیاری سے ایک ہی واقع کو کیسے بدل کر اپنے مطلب کے لئے استعمال کیا تھا۔بات وہی تھی جو وہ بیان کر رہا تھا۔لیکن پس منظر بیان کئے بغیر۔

فلک۔۔۔

فلک حنان کی جانب مڑی۔

مجھے تمہاری پارسائی کا یقین چاہیے نہ عہد۔۔۔بس صرف ایک بات کا جواب دو تاکہ یہ لڑکا یہاں سے چلا جائے۔دانت پیستے حنان نے کہا تھا۔فلک نے بغور حنان کی آنکھوں کے بدلتے رنگ کو دیکھا۔۔وہ سحر میں تھا۔

کیا تم اس لڑکے سے کبھی لاہور میں ملی تھی؟

میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم لاہور گئی تھی۔یہ بھی نہیں پوچھ رہا کہ کیوں گئی تھی۔بس۔۔۔بس ایک بات کا جواب دو۔کہ کیا۔۔۔

کیا تم اس لڑکے سے لاہور میں ملی تھی۔ماں کی جانب اُنگلی اُٹھاتے حنان نے استفسار کیا تھا۔فلک نے سینے سے دوپٹے کو مُٹھی میں دبوچ لیا۔

اس نے گہری آنکھوں سے حنان کو دیکھا اور پھر زبان ہلائے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا۔حنان کا ہاتھ ایک دم سے فضا میں بلند ہوا تھا۔مگر پھر جیسے وہ ساکت ہو گیا۔اس نے فلک کو تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا مگر پھر ہاتھ جیسے ہوا میں ہی ساکت ہو گیا۔فلک بس خاموشی سے حنان کو دیکھتی رہی۔نقلی محبت کا رنگ اب اُترنے لگا تھا۔

ماں نے ترحم بھری نظروں سے فلک کو دیکھ کر کچھ کہنا چاہا تھا جب اس کی

پینٹ کی جیب میں پڑا موبائل بج اُٹھا۔اس نے پوبائل پہ آتی کال دیکھی۔

بابا کالنگ

معذرت کہہ کروہ راہداری سے باہر نکل گیا۔مگر اس کے الفاظ وہاں کسی نے محسوس کئے اور نہ اس کا جانا۔

فلک۔۔۔فلک کو امی کی آواز اپنے قریب اپنی پُشت پہ سنائی دی اس سے قبل کہ وہ مڑتی۔امی سلطان نے اسے کندھے سے پکڑ کر اپنی جانب موڑا اور زندگی میں شائد پہلی بار اپنی پھولوں پلی بیٹی پہ ہاتھ اُٹھانے جیسے حرکت کی۔ہاتھ فضا میں اُٹھتے ہی فلک کے گال پہ نشان چھوڑتا چلا گیا۔اور فلک نے پہلی بار محسوس کیا تھا کہ مان کا بھروسے کا ٹوٹنا کیسا ہوتا ہے۔درد کی حد کسے کہتے ہیں۔

اس دنیا کا بھلے کوئی شخص آپ کا اعتبار نہ کرے۔بے شک ہر شخص آپ کو انگلی اُٹھا کر آپ کے وجود کو اپنے لفظوں سے زخمی کرنا چاہے۔مگر۔۔۔مگر جب آپ کا سب سے قابل بھروسہ شخص آپ کے بھروسے کو آپ کے یقین کو تار تار کرتا ہے ناں۔۔۔تب انسان زخمی نہیں ہوتا۔۔۔زخم جیسی تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔تب انسان بس بے موت مارا جاتا ہے۔اس کے لئے پانی اور پتھر ایک ہو جاتے ہیں۔زندگی اور موت ایک جیسے لگنے لگتے ہیں۔اور وجود میں ایسا سکوت طاری ہو جاتا ہے جیسے کوئی قبرستان ہو۔

فلک کے بے ترتیب دل نے جیسے اب دھڑکنا چھوڑ دیا تھا۔اس کے چہرے پہ

لمحے کو بھی زخم کا نشان نہیں اُبھرا تھا۔اس نے بس خالی نگاہ سے ماں کو دیکھا۔جن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

کاش فلک تم پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔امی جان نے اسے بالوں سے پکڑ کر دروازے کی جانب گھسیٹے کہا تو فلک خاموشی سے ان کے ساتھ گھسیٹتی چلی گئی۔جب کہ اس نے ںظر اب اپنے پاؤں کے انگوٹھوں پہ تھی۔

کاش فلک تم کو ہم نے اتنا پیار ، اتنا بھروسہ اور اتنا مان نہ دیا ہوتا۔۔۔

کاش کہ تم پیدا ہوتے ہی مر جاتی۔مردانے سے گھر کی جانب گھسیٹتے ان کے محض یہی الفاظ تھے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زخمی روح اور بکھرے اُجڑے حولئے کے ساتھ وہ کہیں سے بھی کچھ دیر قبل کی تیار شیار سی فلک نہیں لگ رہی تھی۔

اس نے کمرے میں داخل ہو کر بہت آہستہ سے دروازہ بند کیا۔اور اندھیرے میں چلتی اندازے سے ڈریسنگ کے شیشے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹٹولتے ہوئے شیشے کے قریب پڑے لیمپ کے بٹن کو گرا دیا۔لمحے کا فاصلہ تھا۔روشنی نے تیزی سے اندھیرے کی جانب سفر کیا تھا۔

کمرے میں جیسے ہی روشنی پھیلی۔۔۔فلک نے چور اور کچھ ڈرتے ڈرتے شیشے میں نظر آتے اپنے اُجڑے عکس کو دیکھا۔اور خود کو گرنے سے بچانے کے لئے

ڈریسنگ ٹیبل کا سہارا لیا۔

اس کے گال پہ نیل کا بڑا سا نشان تھا۔جو غالباً امی سلطان کے بار بار گال پہ مارے کی وجہ سے پڑ چکا تھا۔

اس کے کچھ دیر کے اُنچی سی پونی میں مُقید بال اب نکل چکے تھے۔شنگرفی ہونٹوں پہ دائیں جانب خون کی ہلکی سی بوند تھی جو ہونٹ پھٹ جانے کی علامت تھی۔اس نے نیلے فراک کے کندے سے ہونٹ کے کنارے کو صاف کرنا چاہا جب تکلیف کی ایک لہر سی اُٹھی۔

اس نے فوراً چہرہ کندھے سے ہٹا لیا۔اور بغور اپنی غمگیں سی خالی آنکھوں کو دیکھا۔اور پھر جیسے آنکھیں ایک دم سے پانی سے بھرنے لگیں۔اور فلک وہیں ڈریسنگ ٹیبل کے قریب زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔

اس کی آنکھوں سے بہتا مایا اس کے زخمی گالوں کو بھگو رہا تھا مگر ا سکے لب آپس میں پیوست تھے جیسے اُنہیں کسی چیز سے آپس میں جوڑ دیا گیا ہو۔

اس نے روتے ہوئے اپنے گرد بازو لپیٹ لئے اور پیشانی گھٹنوں پہ رکھ لی۔

روح اس وقت شدید زخمی تھی۔لہو بہہ رہا تھا۔مگر افسوس کہ اس وقت اس سے بھی تکلیف دے بات یہ تھی کہ وہ تنہا تھی۔

زندگی جو کچھ روز قبل اس کے گرد چکر کاٹتی قہقہے لگا رہی تھی۔اس کے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سامنے بیٹھی اسے بغور دکھ رہی تھی۔اور زندگی کے چہرے پہ بھی آج اسی طرح کے زخم تھے جیسے فلک کے چہرے پہ موجود تھے۔

بابا ، امی آپ کو مجھ پہ یقین کرنا چاہئے تھا۔پُر نم لہجے کے ساتھ وہ محض اتنا بولی تھی۔

آپ نے میری بات سُننا بھی گوارہ نہیں کیا۔اور مجھے ٹھکرا دیا۔۔آنسو بہت روانی سے بہیہ رہے تھے۔اس نے سسکی روکنے کو ہونٹ آپس میں بھینچ لئے۔

اور اگر امی سُلطان آپ کو مجھ پہ مان بھروسہ اعتبار تھا تو امی سلطان۔۔۔وہ سب کیا تھا؟

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جن پہ ہم اعتبار کرتے ہیں ہم ان کے ساتھ ایسے تو نہیں کرتے۔لہجے میں درد ہی درد لئے وہ کہہ رہی تھی۔

کاش کہ آپ نے خود کواور مجھے اعتبار کے نام پہ دھوکہ نہ دیا ہوتا۔کاش آپ مجھے کبھی پڑھنے باہر بھیجتی ہی نہ۔

کاش۔۔۔

کاش یہ سب نہ ہوتا جو آج ہوا ہے۔درد بھرے لہجے میں اس نے خود سے کہا۔اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔اور کاش کہ میں اپنی نظروں میں اتنا نہ گرتی جتنا آج گر گئی ہوں۔

کاش میرا کوئی مسیحا بن جائے۔

کاش کہ کوئی آ کر میرے درد کو اپنے اندر سمیٹ لے کاش کہ کوئی آ کر آہستہ سے میرے گرد اپنے بازو لپیٹ لے۔

کاش۔۔۔کاش کہ میں غائب ہو جاتی۔

نہ جانے کتنے کاش یوں ہو جاتا اور کاش یوں ہوجاتا کہہ کر اپنے آُ سے شکوہ کرتی رہی تھی۔

کیا آپ کے ساتھ ایسا کبھی ہوا۔کہ آپ کو پہلے اس بات کا یقین دلایا گیا ہو کہ آپ پہ بہت اعتبار کیا جاتا ہے۔آپ اس ایک اعتبار کو قائم رکھنے کی خاطر بہت ساری قربانیاں دو۔اور ایک روز معلوم ہو جس چیز کہ لئے آپ نے اپنے آپ کو اپنی اپنی ذات کو بھلا دیا تھا۔وہ تو آپ کے حصے میں کبھی تھی ہی نہیں۔

فلک کو سب ملا۔۔۔بظاہر وہ ایک خوش باش سی لڑکی تھی۔مگر آج اسے اندازہ ہوا تھا۔اسے سب نہیں ملا تھا۔۔۔

اسے اعتبار نہیں ملا تھا۔اسے والدین کا یقین نہیں ملا تھا۔اور اگر ملا بھی تھا تو محض ملاوٹ زدہ جس کے رنگ تک پکے نہ تھے۔ہلکی سی بارش نے سارے رنگ بکھیر دئے۔

وہ تقریباً بیس منٹ تک یوں ہی فرش پہ گھٹنوں کے گرد اپنے بازو لپیٹے بیٹھی رہی۔یہاں تک کہ اندر کا غبار ہلکا ہو گیا۔اور دماغ سے بوجھ اُترنے لگا۔

میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔نم آنکھوں کو آستین سے پونچھتے اس نے ہونٹوں کو آپس میں بھینچا اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

کیا میرا سچ میں کوئی گناہ نہیں تھا۔گھوم کر اپنے عکس کو شیشے میں دیکھتے اس نے اپنی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا اور خود سے پوچھا۔دل نے فوراً مثبت جواب دیا۔مگر دماغ سچا تھا۔جھٹ دل کو جھڑکا۔

ہے تمہاری غلطی۔۔۔

اچھا کیا غلطی ہے۔دل بھی اڑا۔

چھپ کر لاہور جانے کی غلطی۔

بلکہ نہیں غلطی نہیں گناہ۔غلطی تو انجانے میں کی جاتی ہے۔گناہ جانبوجھ کر کیا جاتا ہے۔

تم خود کو بہت قابل اور ذہین سمجھتی تھی۔تمہیں لگتا تھا کہ تم جو بھی کرتی ہو۔تم اتنی ہوشیار ہو کہ تم اس پہ آسانی سے پردہ ڈال سکتی ہو۔دماغ طنز سے ہنس دیا۔فلک نے ہونٹ بھینچ لئے۔

نہیں فلک سلطان ہر بار ایسا نہیں ہوتا۔تم اگر لوگوں کے لئے سچی ہو۔ہمیشہ

لوگوں کو انکا گناہ ان کی غلطیاں بتا کر اچھی باتیں کر کے اچھی بن جاتی ہو۔تو اب تمہیں خود کو کیا ہوا۔تم خود کیوں ایسی نہیں ہو۔

یاد ہے تمہیں وہ لمحہ جب تم نے آپی سدرہ سے کہا تھا کہ آپی چھپ کر کیا گیا کوئی بھی کام ہمیشہ اچھا نہیں ہوتا۔اگر نیکی اندھیرے میں کی جا سکتی ہے۔ہے تو گناہ تو پھیلتا ہی اندھیرے میں ہے۔

تم نے بھی اپنے والدین کو اندھیرے میں رکھ کر بہت کچھ کیا ہے۔اور یہ سب اس کی سزا ہے۔دماغ نے کسی بھی بحث کے بغیر دل کو ہرا دیا تھا۔فلک نے سر جھکا دیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہاں۔۔۔وہ بولی تو اس کا لہجہ غمزدہ تھا۔

ہاں میں جانتی ہوں کہ میں نے بہت ساری غلطیاں کی ہیں(غلطیاں نہیں گناہ)دماغ نے فوراً درستگی کی۔

میں نے گناہ کئے ہیں۔اس نے فوراً عتراف کیا۔

مگر میرا یقین مانو کہ میری نیت کبھی بھی کھوٹی نہیں رہی تھی۔

کیا پتہ ایسا ہی ہو۔

نہیں ایسا نہیں ہے۔میں لاہور گئی۔امی بابا کو نہیں بتایا۔۔۔لیکن تارا بھی تو گئی تھی۔

تارا کو کسی نے کیوں نہیں پوچھا۔

تارا کو تم لے کے گئی تھی دماغ نے فوراً کہا۔فلک ہنس دی۔

تارا کو اگر میں نے کہا تھا تو اس کے پاس حق تھا کہ وہ مجھے منع کر دیتی۔

پھر

پھر کیوں اس نے مجھے منع نہیں کیا۔دماغ کی بکواس وہ مزید اب سُنے بغیر ایک نئے نُقطے کو لئے کہہ رہی تھی۔

کیا ایسا ہے جیسا میں سوچ رہی ہوں۔کیا جو میرے ساتھ ہوا یہ میرے کیئے کا گناہ ہے یا کسی کی سوچی سمجھی سازش۔شیشے میں دیکھتے دُکھتے دل کے ساتھ اس نے بغور اپنی روئی روئی آنکھوں کو دیکھتے خود سے کہا تھا۔اور پھر تبھی شیشے کے پار آنکھوں میں کچھ عکس بننے بگڑنے لگے۔۔۔

فضا کی خامشی میں ایک دم سے کسی جادو گرنی کی ہنسی گونجنے لگی۔

اور اسے چند گھنٹے قبل کے مناظر یاد آنے لگے۔

آپی سدرہ اور تارا کی گفتگو۔

آپی ؟

ہم؟

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپ حنان کو پلیز میرے جزبات کے بارے میں مت بتائے گا۔تارا کی آواز کو فلک نے ادھ کُھلے دروازے کے پار سے سُنائی دی تو اس کے قدم جیسے ایک دم سے زمیں سے چپک گئے۔

نہیں بتاؤں گی۔لیکن لکھ لو حنان اور فلک کی شادی نہیں ہونے والی۔تارا کے بالوں میں برش پھیرتے اُنہوں نے یقین سے کہا تو فلک نے حیرت سے دروازے کو دیکھا تھا۔

آپی آپ کیا سوچ رہی ہیں۔؟

کچھ جس کا اندازہ فلک کو بہت جلد ہونے والا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلک سُلطان کو معلوم نہیں ہے کہ نفرت کی آگ کیسی ہوتی ہے۔میں اسے بتاؤں گی۔کہ نفرت کی آگ کیسی ہوتی ہے۔ان کے لہجے میں فلک کے لئے نفرت ہی نفرت تھی۔۔سدرہ آپی ایک دم سے ہنس دیں۔اور فلک وہاں سے واپس مڑ گئی۔فلک کے لئے وہاں مزید رُکنا مشکل تھا۔تارا اور آپی سدرہ جس وقت تیار ہو کر ان کی طرف آئیں فلک اپنے کمرے میں تھی۔ورنہ شائد وہ ضرور پوچھتی۔

کیا تارا نے مجھے دھوکہ دیا ؟مدھم آواز میں وہ خود سے مخاطب تھی۔

دل میں ایک دم سے احساس نے برچھی ماری۔

میری بہترین دوست مجھے دھوکہ دے سکتی ہے۔؟اس نے پھر سے خود سے پوچھا تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

کچھ بھی کرو۔مجھے یہاں سے باہر نکالو۔حق نواز سلاخوں کے پار کھڑا اپنے وکیل پہ دھاڑا تھا۔وکیل نے گہرہ سانس لے کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

سر ہم پوری کوشش کر رہیں ہیں۔لیکن جب تک عدالت کا اگلا فیصلہ نہیں آ جاتا آپ کو صبر سے کام لینا ہوگا۔وکیل کی وکالت اس کے گلے پڑتی جا رہی تھی۔کہاں پھنسا تھا وہ نہ عدلیہ کے فیصلے کے خلاف جا سکتا تھا اور نہ اپنے آقا کو ناراض کرنے کا رسک وہ لے سکتا تھا۔

میں کسی قانون کو نہیں مانتا عوام کو گھروں سے نکالوں۔سڑکوں پہ لاؤ۔حکومت کے خلاف جلسے کرو یا جلوس کرو۔اور اگر ضرورت پڑے تو لوگوں کو مرواؤ۔لیکن مجھے ہر صورت دو دن کے اندر اندر یہاں سے باہر کرو۔۔۔جیل میں کھڑے حق نواز صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا۔کہ سلاخیں توڑ کر باہر آ جائیں۔اور اس ساری دنیا کو آگ لگا دے۔وکیل کے پہلو میں کھڑے سیکٹری نے فوراً سر ہلایا تھا۔

جو حکم سرکار۔

نیب نے عدالت کے نوٹس پہ باری باری سب کی گفتاری لینی شروع کر دی

تھی۔

بڑی بڑی مچھلیاں سب آہستہ آہستہ جال میں آ رہی تھیں۔جو جتنا اُچھلتا تھا نیب اسے پہلے دبوچتی تھی۔

کیمرے کی روشنیاں ان کے چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔اور وہ مائیک کے سامنے کھڑے ساماعین کی توجعہ کا مرکز تھے۔

میں کسی بھی سیاسی پارٹی کا حامی نہیں ہوں۔اور جو خبریں میرے خلاف آ رہی ہیں میں ان کی مکمل تردید کرتا ہوں۔

میرا تعلق کسی پارٹی کے لیڈر سے ہر گز نہیں ہے۔جن لوگوں کو لگتا ہے کہ وہ میرا نام استعمال کر کے عوام کو اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں۔تو یہ میں ہر گز نہیں ہونے دوں گا۔اس ملکِ کی قوم بہت سمجھدار اور دانا ہے۔یہ کسی بھی صورت۔۔۔

کسی بھی صورت کسی بھی کرپٹ شخص کو ووٹ دے گی۔اور نہ ایسے کسی شخص کے لئے کھڑے ہوگی۔وہ کرسی پہ بیٹھے تھے۔ان کا سیکٹری ان کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔اور میڈیا والے ان کے سامنے کیمرے لئے انکے ایک ایک لفظ کو لائیو کورج دے رہے تھے۔

کیا آپ ایک بار پھر واضع الفاظ میں بتا سکتے ہیں کہ آپ کا اشارہ پارٹی کے

کن ارکان کی طرف ہے؟

بس ان کے لئے ہے جو میرا نام استعمال کرنے کی کوشش میں ہیں۔اور جو مجھے جانبوج کر نیب کی نظر میں مشکوک بنا کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میں بھی کرپٹ ہوں۔مجھے نیب بے شک بلائے میں اپنے اساسے دیکھانے کے لئے تیار ہوں۔لیکن میں اپنا نام لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لئے استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔بڑے تحمل سے شہروز اکرام نے جواب دیتے کہا تھا۔

بلکہ میری نیب سے گزارش ہے کہ ان کرپٹ لوگوں کو جلد از جلد جیل میں ڈالے۔جنھوں نے ہمارے ملک کو ساری دنیا میں بدنام کیا۔شہروز اکرام نے بہت سوچتے سمجھتے ہوئے یوٹرن لے لیا تھا۔اُنہوں نے اس سے قبل کے بات خود کھلتی ساری کہانی کو خود کھول کر پلاٹ کا رُخ ہی بدل ڈالا تھا۔واضع طور پر اُنہوں نے ان چار کو یہ بتادیا تھا کہ اب وہ ان کے ساتھ نہیں ہیں۔

زین نے مسکراتے ہوئے پیپر ویٹ میز پہ ایک جانب رکھا۔اور دیوار گیر سکرین پہ چلتے مناظر سے لُطف اندوز ہوتے سامنے پڑی چائے کا کپ اُٹھایا۔

ان پانچ کا گروپ ٹوٹ چکا تھا۔

رات کی تاریکی میں سیاہ لیدر کا بیگ کندھے پہ ڈالے وہ پارکنگ کی جانب چل رہے تھے۔

سٹریٹ لائٹ پولز بُجھے ہوئے تھے۔اور ہر طرف سناٹا اور خاموشی تھی۔

کسٹم کے دفتر کے باہر اُنہوں نے اپنی کار تلاش کی اور جا کر کار کا دروازہ کھولا۔ابھی وہ بیٹھنے کو تھے جب ان کی جیب میں پڑا موبائل بجا۔اُنہوں نے کچھ بے زار ہو کر بیٹھنے سے قبل پینٹ کی جیب سے موبائل نکالا۔اور گھر کا نمبر دیکھ کر کال اُٹھا لی۔

بابا۔۔۔ان کی بارہ سالہ سب سے چھوٹی بیٹی پُر جوش سی فون کے دوسری جانب موجود تھی۔اُنہوں نے مسکرا کر سر جھٹکا اور کار سٹارٹ کی۔

جی بابا کی جان۔بولے تو دن بھر کی تھکاوٹ غائب تھی۔بچی بے اختیار ہنس دی۔

بابا آتے ہوئے میرے لئے آئس کریم لے آئیں گے؟ وہ پوچھ رہی تھی یا بتا وہ سمجھ نہیں پائے لیکن پھر بھی مسکراتے رہے۔

رات میں آئس کریم۔۔۔دانتوں میں کیڑا لگ جائے گا۔سٹیرنگ وہیل کو گھماتے اُنہوں نے مسکراہٹ دبا کر بیٹی کو چھڑتے ہوئے کہا تھا۔

بابا جان پلیز۔۔۔مجھے آئس کریم کھانی ہے۔وہ بضد تھی۔وہ ہنس دیے۔

اچھا بھئی لے آؤں گا۔ابھی تو ڈرائیو کر رہا ہوں۔

اوکے بابا۔میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔مسکراتے ہوئے بچی نے کال کاٹ دی۔

اب حضرت کا سارا دھیان اپنی ڈرائیونگ اور سنسان سڑک کی جانب تھا۔

سیاہ رات میں تسلسل سے چلتی کار کو ایک دم سے جھٹکا لگا اور اس سے قبل کہ وہ کچھ سمجھتے کار رُک گئی۔

کیا مصیت ہے بھئی۔۔۔بڑبڑا کر اُنہوں نے کچھ لمحے یوں ہی بیٹھے بیٹھے سامنے کے شیشے سے باہر جھانکنے کی کوشش کی اور پھر جب کچھ اندازہ نہ لگا سکے تو مابائل کی بتی جلاتے دروازہ کھول کر باہر نکلے۔

سڑک خالی سنسان اور ایسے میں ان کی کار کا خراب ہو جانا۔اُن کو خاصا ناگوار محسوس ہو رہا تھا۔

اُنہوں نے لائٹ کو کار کے اگلے دونوں ٹائروں پہ ڈالا تو معلوم ہوا ہے۔کہ کسی تیز چیز کے لگنے سے دونوں اگلے ٹائر پھٹ چکے ہیں۔

حضرت نے پیشانی مسل کر دل ہی دل میں کوفت کا اظہار کیا۔اور ابھی موبائل نکال کر مدد کے لئے کوئی نمبر ملانا چاہا تھا۔جب کوئی بھاری شے سیدھی ان کے سر کے پیچھے آ کر لگی۔یوں جیسے کسی نے بھاری چیز اُٹھا کر ان کے سر کے

عین پیچھے ماری ہو۔جیسے کوئی بھاری سریہ یا پھر ہاکی۔

تکلیف سےان کا سر چکر کر ہی تو رہ گیا تھا۔اُنہوں نے مڑنے کی کوشش کی کہ حملہ کرنے والے کو دیکھ سکیں۔مگر مقابل خاصا پُھرتیلا ثابت ہوا۔اور اس نے ان کے مڑنے سے قبل ان کے بائیں کندھے کو اسی بھاری چیز سے ہوں ہٹ کیا کہ وہ منہ کے بل زمین پہ جا گرے۔زمین پہ گرتے ہی ان کی ناک اور سر سیدھا تار کول کی سڑک سے ٹکرایا۔جس سے ان کی ناک کی اور سامنے سے سر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

دماغ کی چوٹ نے ان کو اس قدر تکلیف سے دوہرا کیا تھا۔کہ وہ چالیس کی عمر کو جاتے حضرت کچھ بولنے کی کوشش میں ایک لفظ بھی نہ کہہ پائے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مقابل نے رستے خون کے ساتھ زمین پہ پڑے شخص کو دیکھا۔اور منہ سے سیاہ ماسک اُتارے بغیر مسکرا دیا۔

کام مکمل ہو چکا تھا۔

اس نے جیب سے موبائل نکال کر ایک نمبر ملایا اور اور نمبر پہ ڈن لکھ کر سینڈ کر دیا۔کام مکمل کر کے نوجوان نے ایک آخری نظر اس شخص کو دیکھا۔جو اس کے بوس کے خلاف بلیک منی کے ثبوت اکھٹے کر رہا تھا۔اور کچھ فاصلے پہ اپنی چھوٹی سی کار کی جانب بڑھ گیا۔

اس نے کار چلا کر سٹیرنگ وہیل پہ اپنی گرفت مضبوط کی۔اور ایک سو بیس

کی سپیڈ پہ کار چلاتے ہوئے سرت سے سڑک پہ پڑی لاش کو کُچلتا آگے نکل گیا۔ان نے مڑ کر بھی نہ دیکھا تھا کہ کسی کی آس کسی اُمید کسی محبت کسی کا سائبان کس حال میں ہے۔وہ زندہ بھی بچا ہے یا مر گیا۔

ہفتے کی شام۔۔۔

ممی آپ کو یاد ہے۔جب چھ سال پہلے ہم آنٹی جینی (آیا) کے گھر ملے تھے آپ نے میرے لئے خود کوکنگ کی تھی۔وہ مسکراتے ہوئے ممی کے ساتھ روشن سی سڑک پہ چہل قدمی کرتی کہہ رہی تھی۔ممی بھی مسکرا دیں۔

ہاں مجھے یاد ہے۔

وہ پہلی کوکنگ تھی میری جو میں نے تمہارے لئے کی تھی۔

تب آپ نے میرے لئے براؤنی بیک کی تھی۔مسکراتے ہوئے سڑک پہ مستی کرتے منچلوں کو دیکھتے اس نے کہا تھا۔جہاں آرا نے سر ہلایا۔

بالکل یاد ہے۔

تو کیا یہ ممکن ہے کہ کل دوپہر میں ہم آپ کے ہاتھ کی براؤنی کھائیں۔چلتے ہوئے اس نے ان کی جانب دیکھتے کہا تو وہ ہنس دیں۔اور سر اثبات میں ہلایا۔

کیوں نہیں۔لیکن یاد رکھئے گا کہ اب مجھے کوکنگ کئے بھی عرصہ ہو گیا۔اگر

براؤنی اچھی بیک نہ ہوئی تو بھی آپ کو کھانی پڑے گی وہ بھی منہ بگاڑے بغیر۔اس کی چھوٹی سی ناک کو دباتے اُنھوں نے کہا تو نمرہ نے فوراً سر ہلایا۔

منظور ہے۔

پیرس کی یہ شام ہفتے کا اختتام تھی۔سارے شہر کے لوگ سارے ہفتے کی تھکاوٹ ختم کرنے کی غرض سے گھروں سےنکلے سڑکوں ، پارکوں اور ہوٹلوں یا پھر بارز میں نظر آ رہے تھے۔اور جو ان میں سے کچھ نہیں کر رہے تھے۔وہ بھی تلخ مائع کو ہاتھ میں تھامے کہیں گرتے پڑتے نظر آتے۔

وہ دونوں سڑک کے کنارے چلتیں اپنے ہوٹل کی جانب جا رہی تھیں۔کچھ ہی دیر قبل ان دونوں نے Eiffel tower restaurant سے ڈنر کیا تھا۔اور اب کچھ دیر کی چہل قدمی کے بعد اُنھیں ایک ٹیکسی پکڑ کر اپنے ہوٹل تک جانا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ابھی یوں ہی چلتے اُنھیں سات آٹھ منٹ ہی گزریں ہوں گے۔جب ایک تیز رفتار گاڑی ایک دم سے ہلتی ڈولتی ان کے قریب آ کر رُکی۔گاڑی بالکل سیاہ تھی۔کہیں بھی کوئی نشان تک نہ تھا۔عین بے داغ شیشے۔

کار جیسے ہی ان کے برابر روکی اندر سے چار ہٹے کٹے منڈھے سروں ، پرنٹڈ(ٹیٹوز) بازؤں اور کسرتی جسموں والے انگریز باہر نکلے تھے۔

جہاں آرا نے ڈرتے ہوئے نمرہ کو فوراً اپنے پیچھے چھپانا چاہا تھا۔لیکن ان

سانڈھوں نے لپک کر ان دونوں ماں بیٹی کے کچھ بھی سمجھنے سے قبل اُنہیں دھکا دے کر کار میں پھینکا اور اس سے قبل کہ وہ کوئی شور کرتیں اندر بیٹھے کسی پُھرتیلے شخص نے ان کے منہ پہ بے ہوشی کی دوا چھڑک دی۔اور یوں وہ دونوں محض چند ہی لمحوں میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئیں۔

جیک گاڑی چلاؤ۔۔۔چاروں نے کار میں کودتے ہوئے خالص امریکی لہجے میں ڈراءیور سے کہا تھا۔

اور یوں گاڑی فراٹے بھرتی اپنی منزل کی جانب خاموشی سے چل دی۔

ہر قسم کے ثبوت اور گواہ سے پاک۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا ایسا ہی تھا؟

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی مجرم جرم کرے۔بے شک رات کی تاریکی ہی کیوں نہ ہو۔اور کوئی بھی ثبوت چھوڑے بغیر وہاں سے چلا جائے؟

کیا سچ میں ایسا ممکن ہے۔

گھیری دار سرخ فراک میں۔۔۔سر کو سنہری آنچل سے ڈھکے وہ سر جُھکائے بیٹھی تھی۔اس کی نظر اپنے ہاتھوں پہ تھی۔جبکہ سوچ کی پرواز کہیں اور۔

چہرے پہ مار کے نشان اگرچہ اب بھی موجود تھے۔لیکن چونکہ میک اَپ وافر

مقدار میں کیا گیا تھا۔تو وہ نشان کہاں نظر آنے تھے۔فلک نے لاکھ پارلر سے آئی لڑکی کو جھڑکا ، دھمکایا۔مگر وہ اپنے نام کی ایک تھی۔اس کے سارے منہ کو رنگ ڈالا تھا۔

آج اس کا اور حنان کا نکاح ہونا طہ پایا تھا۔

یہ فیصلہ کس کا تھا۔یہ جاننے کے لئے اسے زیادہ گہرائی میں جاننے کی بالکل ضرورت نہیں تھی۔

یقیناً حنان نے نکاح کی رکھی گئی تاریخ سے چار روز قبل ہی نکاح کرنے کی درخواست کی تھی۔جسے بڑوں نے رد نہیں کیا۔

کیونکہ فلک خاندان والوں کی نظر میں اپنا مقام کھو چکی تھی۔تو اس سے کسی نے بھی اس بارے میں سوال کرنا ضروی نہیں سمجھا تھا۔بس نوری نے لا کر نکاح کا جوڑا اس کے سامنے بیڈ پہ پھیلا دیا تھا۔اور اتنا کہہ دیا کہ بیگم سُلطان کا حکم ہے کہ آپ یہ لباس پہن کر شیشے کے سامنے بیٹھیں۔آپ کی میک اَپ کرنے والی آ چکی ہے۔

فلک نے کوئی بھی اس تعجب بھرے لمحے میں اظہار نہ کیا۔اور سر ہلا کر کپڑے لئے باتھ روم کی جانب بڑھ گئ۔لیکن پیچ و پیچ اسے حنان پہ شدید غصہ آیا تھا۔

وہ کچھ روز قبل سے ہونے والے مسلسل واقعیات کے بارے میں سوچ رہی

تھی۔جب مردانے میں نکاح خواں کو لایا گیا۔

اس نکاح میں گھر کے لوگوں کے علاوہ شائد چھ سات افراد اور موجود تھے۔جو اس نکاح کے گواہ ہونے والے تھے۔جن کی نظر کے سامنے اسے حنان کے ہاتھ دیا جانا تھا۔

فلک نے اپنے اندر کی کسافت کم کرنے کو گہرہ سانس لے کر تھکی گردن اٹھائی اور اطراف میں نگاہ دوڑائی۔

گھر کی تمام خواتین مردانے میں بائیں جانب سیٹ کئے گئے صوفوں پہ سروں کو دوپٹوں سے ڈھکے موجود تھیں۔جبکہ ان کے بالکل سامنے خواتین کی جانب پُشت کئے مرد حضرات موجود تھے۔جن کے چہرے فلک کی جانب تھے۔

فلک نے سامنے مردوں کی پُشت پہ بیٹھی خواتین کو دیکھا۔جن میں تارا بھی بیٹھی تھی

تارا نے آج سیاہ رنگ فراک پہن رکھا تھا۔جس کے گلے اور دامن پہ گولڈن دھاگے اور موتیوں کا کام تھا۔اس نے ہمیشہ کی طرح بالوں کو اُنچی سی پونی میں مُقید کر رکھا تھا۔اور چہرہ کسی بھی قسم کے میک اَپ سے بالکل پاک۔۔۔کسی سوگ کی حالت پیش کر رہا تھا۔

وہ اپنی نگاہ کو اپنے ہاتھوں پہ ٹکائے نہ جانے ان میں کیا تلاش کر رہی تھی۔فلک نے اس کی پیشانی کو بغور دیکھا اور پھر گہرہ سانس لیتی نے نگاہ کا

رُخ بدل لیا۔

اب اس کی نظر مردوں پہ تھی۔حنان وہاں موجود نہیں تھا۔حنان کے آتے ہی نکاح شروع ہو جانا تھا۔اور فلک ہر لمحہ یہ دعا کر رہی تھی۔کہ حنان نہ آءے۔مگر چھو موئی قسمت کہ کبھی جو اس کی ایسی کوئی دعا قبول ہوئی ہو۔

ابھی حرفِ دعا لب سے مکمل آزاد بھی نہ ہوئے تھے۔کہ حنان عبداللہ کی میت میں چلتا اندر داخل ہوا تھا۔

حنان کریم رنگ کاٹن کے شلوار قمیض میں بالوں کو جیل سے سیٹ کئے۔ماتھے پہ بے تحاشا بل لئے شدید غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

اس نے صوفے کی جانب جاتے ایک نگاہِ غلط تک فلک پہ نہ ڈالی اور اس سے ذرا فاصلے پہ بیٹھ گیا۔

فلک نے شکر ادا کیا تھا۔

عبداللہ نے فلک کے چہرے کو کرسی پہ بیٹھنے سے قبل بغور دیکھا تھا۔

وہ فلک کو ایسا نہیں سمجھتا تھا جیسی وہ اب نظر آ رہی تھی۔

وہ ابھی کل شام ہی واپس حویلی پہنچا تھا۔امی نے سارے حالات اسے بتا کر فوراً آنے کو کہا تھا۔جبکہ عبداللہ خود بھی سُن کر بے چین ہو گیا تھا۔اور یہاں پہنچ کر حنان کو دیکھ کر اسے اندازہ ہو رہا تھا۔کہ یہاں کے حالات اس کی سوچ

سے زیادہ خراب تھے۔امی فلک کے شدید خلاف ہو چکی تھیں۔وہ اب چاہتی تھیں۔کہ حنان فلک سے نکاح سے انکار کر دے۔وہ ایسی دوغلے کردار کی لڑکی کو ہر گز اپنی بہو نہیں بنانا چاہتی تھیں۔جبکہ دوسری طرف حنان اور بابا بضد تھے۔کہ نکاح ہر صورت یہیں فلک کے ساتھ ہو گا۔

فلک نے سر پہ ڈالے آنچل کو خود ہی نکاح خواں کے آتے ہی چہرے پہ ڈال لیا۔

اور جب اس سے پوچھا جانے لگا کہ کیا اسے حنان سے نکاح قبول ہے۔

اس وقت۔۔۔عین اُسی لمحے اس کے دل نے اس سے بغاوت شروع کر دی۔دماغ نے تاویلیں گھڑنی شروع کر دیں۔

بار بار کانوں میں تارا کی آواز گونجنے لگی۔آنکھوں کے سامنے اس کا رویا رویا چہرہ بننے بگڑنے لگا۔

کیا مجھے یہ نکاح کر لینا چاہیئے۔وہ خود سے سوال کر رہی تھی۔

نہیں۔۔۔اس نکاح کے بعد کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہے گا۔رہا تو اب بھی کچھ پہلے جیسا نہیں تھا۔سب داؤ پہ تو پہلے ہی لگ چکا ہے۔پھر اور تباہی ہو گی۔

تین زندگویں کا سوال ہے۔۔۔

فلک ایسا نہ ہو کہ تم حنان سے اپنے دل کو مار کر شادی کر لو۔اور پھر خود

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

خوش رہ پاؤ اور نہ کوئی اور۔

ویسے بھی حنان کی محبت تو ہے ہی دھوکہ۔ایسے بے اعتبارے شخص کا ساتھ کون لڑکی چاہے گی۔

مجھے تو حنان بالکل نہیں چاہیے۔دماغ اور دل آج ایک طرف تھے۔

نکاح خواں نکاح نے پاک کلمات پھر سے دوہرائے۔بابا نے اب کی بار اُمید طلب نظروں سے اسے دیکھا۔جبکہ فلک اُنہیں نہیں دیکھ رہی تھی۔

وہ اپنا فیصلہ لے رہی تھی۔

فلک بنتِ سلطان۔۔۔وہ اپنے نام پہ چونکی تھی۔اس نے سر اُٹھا کر نکاح خواں کو دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا آپ کو حنان احمد والد فیضان بہزاد سے یہ نکاح دس لاکھ روپے سکہ رائج الوقت اپنے نکاح میں قبول ہے؟

فلک نے گہرہ سانس لیا۔دل کو مضبوط کیا۔بائیں جانب صوفے پہ بیٹھے بابا، بڑے بابا، چچا اور سامنے بیٹھے عبداللہ کو دیکھا۔عبداللہ کے پیچھے سینے پہ بازو لپیٹے وہ بھی بیٹھا تھا۔

فلک نے ایک بار پھر بابا کو دیکھا۔بابا نے اسے اپنی جانب دیکھتے پایا تو نظروں کا رُخ بدل لیا۔وہ ا سے باراض تھے۔

میں جانتی ہوں بابا۔۔۔میں خوش نہیں رہوں گی۔میں اس رشتے سے خوش نہیں رہوں گی۔

آپ بھی نہیں رہیں گے۔اور تارا بھی درگور ہو جائے گی۔

کیا بابا کسی کی جان بچانے کے لئے مجھے یہ سودا مہنگا ہے؟وہ ان جانب دیکھتی رہی۔

کچھ لمحے سوچتی رہی۔اور پھر سر دھیرے سے نفی میں ہلا دیا۔مہمان جو اس کی خاموشی کو اس کی گھبراہٹ سمجھ رہے تھے۔اس کے نفی میں سر ہلانے پہ کچھ شش وپنج کا شکار ہوئے تھے۔جب کہ گھر والوں نے دلوں پہ ہاتھ دھر لئے۔تارا جو سر جھکائے بیٹھی تھی فوراً سیدھی ہوئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلک نے نفی میں سر ہلا کر نکاح خواں کو دیکھا۔اور باری باری اپنے خاندان کے افراد کو جو اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے بہت سارے زومبیز میں وہ واحد انسان ہو۔

بابا نے فوراً مُٹھیا بھینچ لیں جبکہ بابا مظفر اپنی جگہ سے اُٹھ کر تیزی سے اس کی جانب بڑھے تھے۔حنان بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو چکا تھا۔

فلک نے دل کو حوصلہ دیا اور خود بھی کھڑی ہوگئی۔

یہ کیا تماشا ہے؟ اس کے عین سامنے کھڑے ہوتے بڑے بابا نے دانت پیستے

ہوئے حقارت سے اسے دیکھتے پوچھا تھا۔فلک نے فوراً نظر جُھکا لی۔

بڑے بابا میں یہ نکاح نہیں کر سکتی۔اس نے ہاتھوں کو دوپٹے کے نیچے چھپا کر ان کی کپکپاہٹ چھپانے کی کوشش کی تھی۔امی سلطان کے ساتھ گھر کی باقی خواتین بھی تیزی سے ان کی جانب بڑھیں۔امی سلطان نے اسے کندھے سے پکڑ کر باہر کے دروازے کی جانب دھکیلنے کی کوشش کی تھی۔چچی نے یہ منظر دیکھا تو ان کے دل کو جو پیچھلے تین روز سے آگ لگی تھی۔کچھ سکون ملا۔

فلک نے ماں کو دیکھا اور اپنا ہاتھ چھڑوا لیا۔

اسے اپنا مسیحا نظر آ چکا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ وہیں تھا۔اسی جگہ وہ اپنے گھر کے افراد کی زد سے نکلی اور اس سیاہ شلوار قمیض والے کی جانب بڑھی جو اس سارے صورتِ حال کو بہت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

اس نے فلک کو اپنی جانب آتے دیکھا تو فوراً ٹھٹکا تھا۔اس کے بھی ماتھے پہ بل اُبھرے تھے۔سب نے فلک اور زین کو دیکھا تھا۔جبکہ زین فلک کو دیکھ رہا تھا۔اور فلک باقی افراد کو۔

یہ کیا کرنے والی ہے؟زین کے زیہن میں ایک دم سے بہت سی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

میں۔۔۔

میں یہ نکاح اس لئے نہیں کر سکتی۔کیوں کہ۔۔۔وہ رُکی۔۔۔اور گہرہ سانس لیا۔

کیونکہ میں زین سے نکاح کر چکی ہوں۔الفاظ تھے یا بمب۔۔۔وہاں موجود لوگ سمجھ نہ پائے۔سمجھ تو زین بھی نہ پایا تھا۔

یہ لڑکی کیا بکواس کر رہی ہے۔ہونٹ بھینچ کر اس نے دل میں خود سے کہا تھا۔

اس نے کچھ بھی کہنے کے لئے لب وا کئے مگر سامنے سر جھکائے ڈھیر ہوئے سلطان انکل کو دیکھ کر دانت پیس کر رہ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اگر وہ انکار کرتا۔تو یقیناً اور بدنامی ہوتی۔

اس میں اتنی ہمت نہ آ سکی کہ وہ بلند آواز میں انکار کر سکتا۔اس کے سامنے سلطان بہزاد ڈھلکے کندھوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔زین کو ان پہ جہاں ترس آیا تھا۔وہیں فلک پہ غصہ بھی۔اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔اور ہاتھوں کی مُٹھیاں زور سے بھینچ لیں۔

کیا بکواس ہے یہ۔حنان تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔جبکہ ابا سلطان مزید برداشت نہ کر پائے اور یک دم سے بُھربھری مٹی کی مانند صوفے پہ ڈھیر ہو گئے تھے۔

بڑے بابا مظفر بھی سمجھ نہی پا رہے تھے کیا کہیں۔وہ فلک کی جانب بڑھے اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے کرتے اس کے گال پہ ایسا طمانچہ رسید کیا تھا کہ وہ دوہری ہو گئی۔

اس کے سر سے دوپٹہ اُتر کر اس کے کندھے پہ آن ڈھلکا۔اور اس کی ناک سے سرخ مائع بہہ نکلا۔فلک فوراً سیدھی ہوئی۔یہ دوسرا تھپڑ تھا جس نے اس کی روح زخمی کر ڈالی تھی۔اس نے بہت شکوہ کرتی نظروں سے بائیں جانب منہ پہ ہاتھ رکھے حیران کھڑی تارا کو دیکھا تھا۔

تارا کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا اظہار کرے۔آپی سدرہ کہ چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔فلک نے فوراً نگاہ کا زاویہ پھیرا لیا۔

تبھی امی سلطان آگے بڑھی تھیں۔اور اُنہوں نے بھی اپنے اندر کے اُبال کو اس کے چہرے پہ نکال باہر کیا تھا۔اب کی بار فلک اپنی جگہ سے ہلی تک نہ تھی۔۔لیکن آنسو جیسے اپنے ساتھ سب بہا لے گیا تھا۔وہ آنسو جو آنکھ سے نکل کر اس کی کے پاؤں کے انگوٹھے پہ جا گرا تھا۔فلک نے چہرہ نہیں اُٹھایا تھا۔

یہ نہیں ہو سکتا بابا۔وہ مردانے سے باہر کھڑا چیخا تھا۔چچی جان مسکرا دیں۔

خس کم جہاں پاک۔

کیوں نہیں ہو سکتا۔وہ تیزی سے بولی تھیں۔میں تارا سے ہر گز نکاح نہیں

کروں گا۔اور فلک۔۔۔وہ بے بسی سے چیخا۔۔۔

وہ جھوٹی ہے۔۔۔جھوٹ بول رہی ہے۔اس کا نکاح نہیں ہوا۔بالوں کو مُٹھی میں جکڑتے وہ تقریباً رو دینے کو تھا۔

یہ قسمت کا کیسا مزاق تھا اس کے ساتھ۔جس لڑکی کو اس نے بے تحاشا چاہا تھا۔اس نے ہی بھری محفل میں اس کا دامن پھاڑ ڈالا تھا۔اپنے خاندان کو رُسوا کر دیا تھا۔وہ اب کیا کرتا۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

فیضان صاحب اپنے بیٹے کو سمجھائیں۔بچوں جیسی باتیں نہ کرے۔جب بھری محفل میں لڑکی نے اس چھوکرے سے نکاح کا اعتراف کر دیا تو ہم کون ہوتے ہیں انکار کرنے والے۔

اب کیا تمہاری چار دن کی عاشقی کی خاطر سارے خاندان سے سر میں جوتے پڑوائیں۔پہلے ہی اس چھٹانک بھر کی لڑکی نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔

چچی جان نے چچا کی موجودگی میں بمشکل خود کو کوئی بھی غلط لفظ بولنے سے روکا تھا۔جبکہ چچا کچھ سُن ہی نہیں رہے تھے۔وہ اپنی ہی سوچ میں تھے۔

امی۔۔۔آپ بات کو سمجھ نہیں رہیں۔میرے لئے فلک کو چھوڑ دینا آسان نہیں ہے۔آپ پلیز میرے لئے مشکلات مت پیدا کریں۔ہو سکتا ہے وہ اس رشتے سے انکار کرنے کی خاطر محض جھوٹ بول رہی ہو۔حنان نے چڑھتے ہوئے کہا تھا۔

تو بیٹا پھر بھی اس طرح کے رشتے پہ سو بار لانت۔۔۔وہ کہاں برداشت کرنے والی تھیں جھٹ بولیں۔چچا فیضان نے ٹوک دیا۔

بحث ختم کرو۔۔۔چلو حنان اندر۔فلک اور زین کا نکاح دوبارہ ہوگا۔اور تمہارا اور تارا کا۔بہت سوچتے ہوئے اُنہوں نے دونوں بھائیوں سے مشورہ کرکے فیصلہ کیا تھا۔

سلطان صاحب اگرچہ شدید صدمے میں تھی۔اور فلک کی اس حرکت نے اُنہیں اس سے متنفر کر دیا تھا۔لیکن پھر بھی شدید غصے کے عالم میں بھی وہ دین کو نہیں بھولے تھے۔ولی کی غیر موجودگی میں نکاح ہوتا ہے یا نہیں اس بات پہ ابھی کوئی ہتمی رائے نہیں تھی۔ایسے میں فیصلہ کیا گیا تھا۔کہ نکاح کو دوبار سے ولی کی موجودگی میں کروایا جائے گا۔اور نکاح کے فوراً بعد فلک کو اس گھر سے رُخصت کر دیا جائے گا۔ویسے ہی جیسے کسی۔۔۔کسی لاوارث کی شادی میں ہوتا ہے۔

زندگی میں آسانی تلاش کی جائے وہ لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

حنان تارا کو اتنی آسانی سے ملے گا یہ اس نے ہر گز نہیں سوچا تھا۔اور کچھ لمحے کے لئے وہ فلک کی تکلیف کو بھی بھول گئ۔وہ تو اس وقت سحر میں تھی۔

کیا ایسا بھی ممکن تھا۔وہ حیران سی شیشے کے سامنے بیٹھی اپنے نفیس سے کیئے گئے میک اَپ کو دیکھ رہی تھی۔اور بار بار اپنے چہرے کے نقوش کو ہاتھ لگا رہی تھی۔

ہونٹوں پہ موجود مسکراہٹ لمحے کو نہ سمٹی تھی۔

دل نے جسے چاہا پالیا۔یہ خوشی یہ احساس ہی ایسا تھا۔کہ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ایسا کیا کرے کہ جس سے اس کی خوش ظاہر ہو۔

ہائے لڑکی تم تو بہت پیاری لگ رہی ہو۔دروازہ کھولتے اندر داخل ہوتے آپی سدرہ نے بے باک تبصرہ کیا تھا۔تارا منہ پہ ہاتھ رکھے ہنس دی۔خوشی سے اس کے دونوں گال سرخ پڑ چکے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپی سدرہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔اور مسکرائیں۔دل سے ہلکی سے ٹیس ضرور اُٹھی تھی۔اپنے ارمان جل جانے کی ٹیس۔۔۔لیکن پھر بھی اب سب ٹھیک ہو چکا تھا۔جس نے جو ان کے ساتھ کیا اس نے وہ بھگت لیا تھا۔فلک کو مار کھاتا دیکھ کر دل کو بہت سکون ملا تھا۔اُنہوں نے بھی اس کی وجہ سے ایسے ہی مار کھائی تھی۔

خُدا کرے تم ہمیشہ ایسے ہی خوش رہو۔مسکرا کر اُنہوں نے اس کے گال کا بوسی لیا تھا۔تارا مسکراتی رہی۔

آپی مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میرا اور حنان کا نکاح ہو چکا ہے۔آپی کے ہاتھ

پکڑتے اس نے جوش میں کہا تھا۔آپی اس کے انداز پہ ہنس دیں۔

بس دیکھ لو پھر۔۔۔

ویسے میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ فلک کی شادی حنان سے نہیں ہونے والی۔تم نے خامخواہ ہی رو رو کر خود کو ہلکان کر لیا تھا۔اس کے سر کو ہلکے سے تھپکتے اُنھوں نے کہا تھا۔تارا مسکراتی رہی۔

ویسے آپی مان آفندی کو حویلی کا پتہ کیسے چلا؟

میں اسے دیکھ کر بہت ڈری تھی۔معصومیت سے اس نے ایسی بات کہہ دی تھی۔کہ آپی سدرہ نے گہرہ سانس لیا۔

اسے میں نے بلایا تھا۔اس کے سامنے سے ہٹتے اُنھوں نے بالوں کو ہاتھ سے شیشے میں دیکھ کر سلجھاتے کہا تو تارا ایک دم اُلجھی۔

آپ۔۔۔نے کیسے؟

میں نے تمہارا لیپ ٹوپ میں تصویریں دیکھی تھیں۔اور اس سے پہلے تمہارے فون میں موجود تمام میسجز پڑھ لئے تھے۔مجھے ساری بات کی سمجھ آ گئی۔کہ حنان تمہاری کلاس میٹ کا کزن ہے۔اور خاصا رنگین مزاج ہے۔

میں نے تمہاری دوست کو کال کرکے اس سے حنان کا نمبر لیا تھا۔اور یوں میرا اس سے رابطہ ہو گیا۔

ہم دونوں نے مل کر ایک چھوٹا سا منصوبہ بنایا اور وہی ہوا جیسے ہم نے منصوبہ ترتیب دیا تھا۔وہ کہہ رہی تھیں۔اور تارا منہ پہ ہاتھ رکھے اُنہیں سُن رہی تھی۔

مجھے افسوس ہے کہ تم میری بیٹی ہو۔مجھے افسوس ہے کہ تم بہزاد خان کی پوتی اس کا خون ہو۔اور غم ہے کہ تم سلطان بہزاد کی بیٹی ہو۔وہ حیران کھڑی اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی۔جن کی آنکھوں میں آج اس کے لئے شکوہ تھا شکائت تھی۔اُن کی آں کھیں محض اپنا غم دیکھ رہی تھیں۔فلک کی آں کھوں میں کوئی ایک فرد بھی جھانک کر نہیں دیکھ رہا تھا۔کہ وہ اس وقت کس حال میں ہے۔وہ کیسے وہ سب برداشت کر رہی ہے جس کی اسے سزا مل رہی ہے

۔امی سلطان کی آنکھوں میں اس کے لئے بےزاری اور تنفر تھا۔فلک نے ہونٹ بھینچ لئے۔

اس کی ماں کو اس کے ہونے کا دُکھ تھا۔

کبھی وہ جن کی آنکھوں کا نور تھی۔آج انہی نے اسے جوتے مارے تھے۔

بظاہر وہ لاپرواہ نظر آ رہی تھی۔جیسے کوئی پروا نہیں ہو۔بس اپنی مرضی اپنی خواہش پالی کافی ہے۔

دکھنے میں وہ ایسی نظر آ رہی تھی۔برف جیسے دل کی مالک لیکن اصل میں وہ رو رہی تھی۔بِلک رہی تھی۔اس کی روح میں چھید ہو رہے تھے۔اس کے جسم

پہ چہرے پہ زخم تھے۔یہ وہ زخم نہیں تھے جو امی سلطان کے ہاتھ اُٹھانے سے آئے تھے۔یہ روح کے زخم تھے۔جو امی سلطان، بابا، بڑے بابا، تارا سدرہ آپی حنان اور مان آفندی کی وجہ سے آئے تھے۔اسے محض کچھ ہی دنوں میں اپنے آپ سے شدید نفرت ہو گئی تھی۔اتنی کہ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ خود کشی کرلے یا اپنے آپ کو کسی ایسی جگہ چھپالے جہاں کوئی اس کے جاننے والا نہ ہو۔جہاں اسے تازہ ہوا میسر ہو اور بس۔وہ خاموشی سے امی سلطان کو دیکھتی ان کی بات سُنتی رہی۔اور آخر میں سر جُھکا کر کچھ بھی کہیے بغیر چل دی۔

وہاں اسے بھیجتے وقت سوائے تارا اور امی سلطان کے اور کوئی نہیں تھا۔

فلک امی سلطان کی بات سُن کر تارا کی جانب بڑھی اور اس کے گلے لگ گئی۔

دل لمحے کو چاہا کہ رو دے۔مگر ابھی اسے رونا نہیں تھا۔روتی تو شائد سب تباہ ہو جاتا۔

تارا نے دُکھ سے گہرہ سانس لیا۔مگر اگلے ہی لمحے اس کا سانس جیسے ساکت ہو گیا۔فلک اس کے گلے لگی۔اس کے کان میں بہت مدھم سی بولی تھی۔

شادی مبارک تارا۔۔۔

تم نے جس کو چاہا تمہیں میں نے دے دیا۔پیچھے ہٹنے سے قبل فلک نے اس کی گال پہ بوسہ لیا تھا۔

اور پھر بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔جہاں غیر فہم تاثرات تھے۔

تمہیں کیا لگتا ہے تم نے حنان کو اپنی عقل سے حاصل کیا ہے۔۔۔فلک نے اب کی بار اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

نہیں تارا۔۔۔اس نے سر نفی میں ہلایا۔

میں نے اسے تمہیں بھیک میں دیا۔وہ اس وقت کسی ساحرہ کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔اس کی آنکھیں تارا پہ جمی تھیں۔اور تارا کی اس پہ۔۔۔

تارا سڑک پہ چلنے والا ہر شخص بے وقوف نہیں ہوتا۔یہ ہم ہی ہوتے ہیں۔جو سامنے والے کو اس کے اصل سے ہٹا کر دیکھتے ہیں اور پھر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔میں نے بھی تمہیں تمہارے اصل سے ہٹ کر دیکھا تھا اور دیکھو تم نے مجھے دھوکہ دے دیا۔فلک کی مسکراہٹ نے تارا کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔اس کے الفاظ سے کہیں زیادہ گہری اس کی مسکراہٹ تھی۔

بہت کچھ بولتی مسکراہٹ۔

فلک دوبارہ اس کے کان کے قریب ہوئی۔تارا کا دل اب کی بار زور سے دھڑکا۔وہ جو سمجھ رہی تھی۔سب اس کے لئے بہترین ہے۔وہ غلط تھی۔سب بہترین نہیں تھا۔سب ٹھیک نہیں تھا۔

تم اور حنان ایک دوسرے کو ڈیزرو کرتے ہو۔دوبارہ سے اس نے مسکراتے ہوئے اس کے کان میں صور پھونکا۔اور پیچھے ہٹ کر حویلی پہ ایک آخر نظر ڈالی۔

امی سلطان اندر جاچکی تھیں۔

وہ مرِدہ دل اور سُست قدموں سے چلتی گیٹ کی جانب بڑھی اور پھر اَگلے ہی لمحے گیٹ پار کر گئی۔

زین ماتھے پہ انگنت بل لئے سٹیرنگ وہیل کو گرفت میں لئے اس کا منتظر تھا۔

اس کے ہاتھوں سے ہوتی اس کی کلائیوں کی رگیں ایسے تنی ہوئی تھیں۔کہ یوں لگتا تھا جیسے ابھی پھٹ جائیں گی.

فلک خاموشی سے بیٹھ گئی۔اس نے ہر گز بھی اس کی جانب دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔اسے یقین تھا کہ اس وقت وہ شاک میں ہوگا۔وہ اسے وقت دینا چاہتی تھی۔

میں تمہارے باپ کا نوکر نہیں ہوں جو گیٹ سے باہر بیٹھ کر انتظار کروں گا۔دانت پیستے اس نے اندر کے غبار کو نکالنے کا رستہ ڈھونڈا۔فلک خاموش ہی رہی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تمہارا غصہ کرنا بنتا ہے کرلو۔کہا تو اس نے کچھ نہیں تھا بس دل ہی دل میں خود سے سوچا تھا۔اس وقت اسے زین پہ ترس آ رہا تھا۔

مجھے ایک بات بتاؤ۔۔۔اچھے بھلے کزن کو چھوڑ کر تمہیں کیا تکلیف پڑی تھی جو مجھے خامخواہ میں گھسیٹا۔میرا دل چاہ رہا ہے تمہیں اُٹھا کر کہیں کسی دریا میں پھینک آؤں۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فلک کی خراب حالت کو مزید خراب کر دے۔فلک نے ہونٹ بھینچ لئے۔اور اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھا۔

مجھے پتہ ہے۔تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔مجھے اپنے کئے کااحساس ہے۔لیکن میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارا نہیں تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بس۔۔۔اب خاموش ہو جاؤ۔وہ دھاڑا۔فلک نے غصے سے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو کن اکھیوں سے دیکھا۔اور نظر شیشے کے پار ٹکا دی۔وہ اب بھاگتی دوڑتی سڑک کو دیکھ رہی تھی۔

میں اگر آج حنان سے نکاح کر لیتی تو شائد تارا زندہ نہ رہ پاتی۔اور اگر کسی اور صورت تارا کا نکاح حنان کے ساتھ ہو بھی جاتا۔تو میری موجودگی میں حنان کبھی تارا کو خوش نہ رکھ پاتا۔مجھے افسوس ہے زین کہ تارا کو بچانے کی خاطر میں نے تمہیں مشکل میں ڈال دیا۔سڑک کو دیکھتے وہ اپنے آپ سے مخاطب تھی۔

مجھے سمجھ نہیں آتی میں دادا، ممی اور ڈیڈ کو کیا منہ دیکھاؤں گا۔کس منہ سے

کہوں گا کہ میرا نکاح ہو چکا ہے۔

کاش۔۔۔

کاش کہ میں آج تمہارے گھر جاتا ہی نہ۔دانت پیستے پیشانی مسلتے اس نے دوبارہ سے کہا تھا۔فلک نے گردن گھوما کر اسے دیکھا۔

حویلی اب میرا گھر نہیں ہے۔اسنے اُداسی سے کہا۔زین خاموش رہا۔وہ دوبارہ سے گویا ہوئی۔

اور تمہیں کسی سے بھی اس نکاح کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں خاموشی سے تمہارے گھر سے کسی ہوسٹل چلی جاؤں گی۔تم مجھے بعد میں طلاق دے دینا۔

لوگوں کو صفائی دو گے تو مزید اُلجھو گے۔سر شیشے سے ٹکاتے اس نے اپنی طرف سے بہت بہترین اور قابل مشورہ دیا تھا۔مگر زین کا دماغ مزید جل اُٹھا۔تم اپنی بکواس بند رکھو۔وہ ایسا ہر گز نہیں تھا جیسا اس وقت اس کے ساتھ پیش آ رہا تھا۔اب کی بار فلک نے بھی دانت پیسے۔بھاڑ میں گئی نرمی۔اب کچھ بولے۔۔۔وہ خوٗد سے مخاطب تھی۔کسی اجنبی سے اتنی بدتمیزی تو وہ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

زین نے تنفر سے سر جھٹکا۔

یااللہ میرے لئے آسانی پیدا فرما۔اس نے دعا کی تھی۔

حنان کے کمرے کی ساری بتیاں روشن تھیں۔اور وہ اس وقت جنونی حالت میں کمرے کی ہر چیز کو اُٹھا اُٹھا کر زمین پہ پھینکتا جا رہا تھا۔

کانچ کی میز۔۔۔کانچ کی سائڈ ٹیبلز

شوپیسز الماریوں کے شیشے اور گُلدان۔اس نے اپنے کمرے کی ہر ایک شے پہ اپنی بے بسی اور غصہ نکالا۔مگر جب اس سے بھی افاقہ نہ ہوا تو وہ تیزی سے کمرے کے ساتھ ملحقہ چینجنگ روم کی جانب بڑھا۔اور واڈروب کے پٹ وا کر کے جنونی انداز میں اپنے سارے کپڑے زمین پہ پھینکنے لگا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا۔ساری دنیا کو مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگا دے۔ہر اس شخص کو فنا کر دے جس نے فلک کو زین کے ساتھ رخصت کیا۔

واڈروب کو خالی کرنے کے بعد وہ تھکا نہیں تھا۔وہ ڈریسنگ کے شیشے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔اور اپنی سرخ پڑتی آنکھوں کو دیکھا۔جو ضبط سے سرخ پڑ رہی تھیں۔

اچھا ہوا فلک تم میرے سامنے نہیں ہو۔اگر آج تم میرے سامنے ہوتی۔۔۔

تو۔۔۔

تو میں تمہارے وجود کو کسی مشین سے گزار دیتا۔اور تمہارے جسم کے ریشوں کو آگ لگا دیتا۔

نفرت ہو رہی ہے مجھے ہر چیز سے۔۔۔اس ساری دنیا سے۔یہاں کے لوگوں سے ہر شخص۔

فلک تم سے۔۔۔

ہاں تم سے۔۔۔اور اپنے آپ سے۔آخر میں اس نے اپنے بالوں کو مُٹھیوں میں بھینچ لیا۔اور گھٹنوں کہ بل زمین پہ ڈھیر ہو گیا۔وہ بظاہر رو نہیں رہا تھا۔اس کی آنکھ سے ایک آنسو نہیں بہا۔مگر دل۔۔۔

دل جو ہر شخص سے پوشیدہ تھا اس وقت شدید کرب میں تھا۔رو رہا تھا بلبلا رہا تھا۔

کیسا احساس ہوتا ہے وہ جب آپ ایک چیز کی بے تحاشا خواہش کرواور مسلسل کرو۔پھر ایک روز کوئی آپ کو کہیے کہ ہاں وہ چیز تمہاری ہے بس تھوڑا انتظار کرلو۔اور بے تحاشا انتظار کے بعد اختتام میں وہ ایک اکلوتی چیز کسی اور کو دے دی جائے آپ سے پوچھا بھی نہ جائے۔اور اس کے بدلے آپ کو وہ چیز دی جائے جس کی آپ کو سرے سے خواہش ہی نہ ہو۔تب کیسا محسوس ہوتا ہے۔

جو لوگ اس احساس سے واقف ہیں وہ یقیناً حنان احمد کی حالت کو سمجھتے ہوں گے۔

زین جس وقت فلک کو لئے گھر میں داخل ہوا گھر کے تمام ملازمین اس کے انتظار میں جاگتے ملے۔

فلک کو زین کے ساتھ رات کے پہلے پہر دیکھ کر ملازمین بہت حیران ہوئے تھے۔اُن سب کے زہنوں میں اس سے قبل کہ سوال و جواب اُٹھتے زین نے بتا دیا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور اسے نکاح کر کے لایا ہے۔

باقی کے ماندہ جواب دینا اس کے لئے اہم نہیں تھا۔سو وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔فلک کو کچھ اور سمجھ نہ آئی تو وہ بھی زین کے ہی کمرے میں چلی گئی۔زین کمرے میں جاتے ہی سٹڈی میں گھس گیا تھا۔اور دروازہ اندر سے لاک کر لیا تھا۔فلک نے اس بات کو کوئی خاص اہمیت نہ دی۔اور خود فریش ہونے باتھ روم کی جانب چل دی۔

اس نے خوُد کو بظاہر نارمل رکھا۔مگر باتھ روم کے شیشے میں اپنا عکس دیکھتے ہی اسے اپنے غم اپنے دُکھ یاد آنے لگے تھے۔

وہ بیس منٹ تک جب تک زین نے آ کر باتھ روم کا دروازہ پیٹ نہیں ڈالا تھا۔کھڑی روتی رہی۔

زین باہر بیٹھا اس کا منتظر تھا۔وہ سٹڈی میں بیٹھ کر کچھ لمحے اپنے آپ کو پُر سکون رکھنا چاہتا تھا۔تبھی سیدھا وہیں چلا گیا تھا۔اب جب پانچ منٹ بعد واپس

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لوٹا تو فلک باتھ روم میں تھی۔

بات حقائق کے ساتھ کی جائے تبھی مسلے حل ہوتے ہیں۔دماغ ٹھنڈا ہوا تو اسے احساس ہوا تھا۔کہ وہ فلک سے اس سب کی وجہ پوچھے جس سب کی وجہ سے وہ خامخواہ کی مشکل میں پھنس گیا ہے۔اور اس سب سے الگ وہ خود تنہا ہو گئی ہے۔

لیکن باتھ روم میں رونے کا سیشن فلک کا لمبا ہوتا جا رہا تھا۔تبھی تنگ آ کر زین نے نہ چاہتے ہوئے بھی دروازے کو ایسے پیٹا کہ وہ بیچارہ ہل ہی گیا۔

فلک نے بجتے دروازے کو دیکھ کر روتے ہوئے بھی زین کو منہ ہی منہ میں چند ایک القابات سے نوازہ اور پھرچہرے کو اچھے طریقے سے تھتھپاتی باہر آ گئی۔

لیکن اس کی سرخ آنکھیں اس کے رونے کی چغلی اب بھی کھا رہی تھیں۔

وہ۔۔۔وہ رُکا۔الفاظ لمحے کو بھول گئے۔

کس لئے باتھ روم کا دروازہ پیٹا تھا بھول گیا۔فلک کے رونے نے اسے شرمندہ کیا تھا۔کیوں کیا تھا یہ ابھی اس معلوم نہیں تھا۔

وہ میں نے تم سے بات کرنی تھی۔بیڈ پہ پائنتی کی جانب بیٹھتے اس نے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے کچھ شرمندگی سے کہا تھا۔فلک بظاہر نارمل ہی رہی۔اور جا کر

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کے سامنے صوفے پہ بیٹھ گئی۔

زین نے کچھ لمحے اپنے اور اس کے پاؤں کے انگوٹھوں کو دیکھ یہ شائد یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ کس کا زیادہ سفید ہے۔

اب بھلا کسی کے پاؤں کو دیکھ کر اپنے پاؤں کو دیکھنے کی بھلا اور کیا وجہ بن سکتی ہے؟

فلک اپنے ناخنوں کا جائزہ ل رہی تھی جب زین نے کہنا شروع کیا۔

پہلی بات کچھ دیر قبل کہ الفاظ پہ میں شرمندہ۔۔۔

نہیں ہو۔لفظ شرمندہ کہتے اس نے کچھ وقفے بعد نہیں پہ زور دیا تو فلک نے خاموشی سے اسے دیکھا۔بولی کچھ نہیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلحال وہ اس سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

میری جگہ کوئی بھی شخص ہوتا۔اگر اس کو اس سب سے گزرنا پڑتا جس سب سے میں گزر رہا ہوں تو یقیناً ایسے ہی تم سے بات کرتا جیسے میں نے کی۔

اس لئے مجھ سے معذرت کی توقع مت کرنا۔۔۔شہادت کی اُنگلی اُٹھا کر گویا بات ختم کی۔فلک نے گہرہ سانس لیا۔

دوسری بات جب تک میرے گھر والے واپس پاکستان نہیں آ جاتے تمھیں یہاں سے جانا ہوگا۔میں تمھیں یہاں نہیں رکھنا چاہتا۔وجہ اس کی تم مجھ سے

مت پوچھنا کیونکہ میں نہیں بتاؤں گا۔

وہ کتنا خوش فہم تھا۔فلک کو آج اندازہ ہو رہا تھا۔یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ فلک اس کے ساتھ رہنے کی خواہش رکھتی ہے۔؟ فلک نے سوچ کر سر جھٹکا۔

تیسری بات۔۔۔اب تم مجھے وہ سب بتاؤ گی جس کی وجہ سے تم نے یہ گھٹیا حرکت کی تھی۔اور بغیر کچھ چھپائے۔ سمجھی۔آخر میں بات پہ زور دیا۔فلک نے کوئی جواب نہیں دیا پاؤں صوفے پہ چڑھا کر ٹانگوں پہ چادر لپیٹ لی۔یہ وہی چادر تھی جو وہ گھر سے لائی تھی۔

اور کچھ بھی کہنا ہے ؟

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نہیں اس نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔

پہلی بات تم جیسے بد تمیز لوگ کبھی کسی سے معذرت نہیں کرتے۔عقل مند وہی ہے جو تم سے ایسے کسی اچھے کام کی توقع ہی نہ رکھے۔سو میں نہیں رکھ رہی۔اس کی اس بات ہی زین کے ماتھے پہ بل اُبھرے تھے۔مگر فلک نے کوئی خیال نہ کیا۔اور بولتی رہی۔اس نے بھی تو خاموشی سے اس کی بات سُنی تھی۔

(ہاتھ سے وی (V) کا اشارہ کیا)دوسری بات

چاہے تمہارے گھر والے آئیں یا نہ۔میں یہاں نہیں رہوں گی۔میں پہلے بتا چکی

ہوں۔اور اُنہیں کچھ بھی بتانے کی ضروت نہیں ہے۔دادا امریکہ میں ہیں۔انکل آنٹی بھی وہیں ہیں۔سو وہ شائذ واپس اتنی جلدی نہ آئیں۔سوائے اس کے کہ کوئی ایمر جنسی ہو جائے۔

تیسری بات کا جواب یہ ہے۔کہ جو بھی ہوا میں تم سے شرمندہ ہوں۔کوشش کروں گی کہ تمہارے مسلے حل کرتی جاؤں۔اس لئے بلاوجہ میرے معملات میں دلچسپی دیکھانے سے پرہیز کرو۔

کیا تم کسی ونڈر لینڈ میں رہتی ہو؟کسی محل کی شہزادی ہو؟

یا کسی شہر گُلستان کی پری؟

کہ تم جو بھی فیصلہ کرو گی۔ہمیشہ وہی ہو گا۔

پہلے تم نے اپنے فضول سے خاندانی مسلے میں مجھے خامخواہ گھسیٹا۔۔پھر زبردستی تمہارے ابا جی نے مجھ سے تمہارا نکاح کروا دیا۔

اور اب جب میں تم سے اس کی وجہ پوچھ رہا ہوں تو تم مجھے آگے سے نہ جانے کیا سائنس سُنا رہی ہو۔وہ تو چڑھ ہی گیا تھا۔پہلے ہی رات رات بھر کیس حل کر کر کے اس کا دماغ شدید تھکا ہوا تھا۔

اچھا بات ختم کرتے ہیں۔فلک نے فوراً ہاتھ اُٹھائے گویا ہار مانی۔

زیادہ سوال مت کرنا بس خاموشی سے بات سُننا۔کہتے ہوئے اس نے زین کو وہ

سب بتا دیا جو وہ کسی اپنے کسی ہمدرد کو بتانا چاہتی تھی۔

وہ جو اسے سارے معملات۔ساری حقیقت سے آگاہی دے رہی تھی۔تو اس لئے نہیں دے رہی تھی۔کہ اسے زین سے ہمدرد چاہئے تھی۔وہ اس سے ایسی کسی چیز کی اُمید نہیں رکھتی تھی۔بلکہ وہ اسے اس لئے یہ سب بتا رہی تھی۔کیونکہ یہ اس کا حق تھا۔کہ وہ معلٖے کو سمجھتا کیونکہ وہ اس سب میں شامل تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

وہ صوفے پہ ٹانگیں سمیٹے سُکڑی سمٹی سو رہی تھی۔جب کسی نے دھاڑ کی آواز سے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔فلک ڈر کر جھٹکے سے اُٹھی مگر پھر فوراً ہی منہ سے دل سوز کراہ برامد ہوئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ڈر کر تیزی سے اُٹھنے کی وجہ سے اس کی گردن کو جھٹکا لگا تھا۔اور ساتھ ہی گردن کے پٹھے میں کھنچاؤ پیدا ہوا تھا۔

اس نے گردن کو مسلتے اطراف میں نگاہ دوڑائی اور خالی کمرہ دیکھ کر سکون کا سانس لیا۔

کمرے میں کوئی موجود نہیں تھا۔یعنی یہ دروازے کو زور سے مار کر جانے کی حرکت کسی اور کی نہیں زین مصطفٰے کی تھی۔

اس نے ناگواری سے قالین پہ پڑے اس کے جوتوں کے جوڑے کو دیکھا۔اور

جانبوج کر اُنہیں مسلتی اُٹھ بیڈ پہ جا لیٹی۔

اسے یاد تھا اس نے پیچھلی بار اسی کمرے میں زین کے جوتوں کپڑوں کا کیا حشر کیا تھا۔اس نے کروٹ بدلتے مسکراہٹ روکی اور آنکھیں موند لیں۔ابھی وہ ٹوٹی نیند کو دوبارہ سے جوڑنے کا سوچ ہی رہی تھی۔جب دروازہ ایک بار پھر سے کھلا اور دوبارہ دھاڑ کی آواز سے بند ہوا۔

بس بہت ہوا۔۔اب کی بار جواباً دھاڑتی وہ بھی اُٹھی بیٹھی۔زین جو برش اُٹھائے شیشے کے سامنے بال برش کرنے والا تھا معصومیت سے گھوما۔

کیا ہوا نیند خراب ہو گئی؟فلک کے ماتھے پہ سینکڑوں بل تھے۔اُسے مزہ آیا۔

یہ ابھی کیا بد تمیزی کی ہے تم نے۔کافی رنگ بالوں کو مُٹھی میں دبوچے اس نے دانت پیس کر کہا تھا۔

زین نے شانے اُچکائے۔

کونسی حرکت؟وہ چند انچ کے بالوں کو کبھی بنا اور کبھی بگاڑ رہا تھا۔فلک کا دل چاہا اس کے سر میں کچھ مارے۔لیکن اب کی بار بس اسے گھورا تھا۔زین شیشے میں سب دیکھ رہا تھا۔

ویسےایسی حرکتیں کرنے کی عمر نہیں ہے تمہاری۔رات کو جو اس نے ذرا نرمی دیکھائی تھی۔اب سب غائب تھی۔وہ اپنے خول سے نکل چکی تھی۔کسی بھی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انسان کے ہاتھوں بے عزت ہونا اسے ہر گز گوارہ نہیں تھا۔یہ سب اس کی برداشت سے باہر تھا۔

مجھے کیا سوٹ کرتا ہے اور کیا نہیں تم اس کی فکر مت کرو۔اپنا سوچا کہ تم کو یہاں سے نکل کر کہاں رہنا ہے۔کیونکہ میں ہر روز، آج کی طرح اپنی حسین صبح تباہ نہیں کرنا چاہتا۔

میں دفتر جا رہا ہوں۔سکون سے چائے کا کپ پیتے اس بارے میں سوچو اور پھر مجھے آگاہ کرو۔اس کے بکھرے بالوں کو دیکھ کر ناگواری سے نظر پھیرتے اس نے صوفے پہ بیٹھتے کہا تو فلک اسے محض گھور کر رہ گئی تھی۔

فضول انسان۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تاریک کمرے میں مٹی کے تیل کی بُو نے اسے لمحوں میں تاریکی سے اُجالے کی جانب لا پٹخا۔اس نے جھولتے سر اور

دُھکتے زیہن کو لئے آنکھیں کھول کر اطرف میں نگاہ دوڑائی۔مگر سیاہ گھورک اندھیرے کے علاوہ اسے کچھ نظر نہ

آیا۔وہ اس وقت کہاں ہے کسی حال میں ہے اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔

اس نے چند لمحے یوں ہی پڑے پڑے اپنے آپ کو ماحول کا عادی بنانے کی

کوشش کی۔اور پھر عصاب کو یکجا کر کے فرش

سے اُٹھ بیٹھی۔اُٹھتے ساتھ ہی ریڑھ کی ہڈی سے تازہ دم سی ٹیس اُٹھی
تھی۔نمرہ نے ہونٹ بھینچ کر اپنی کراہ روکی۔اور

پچھلی ٹانگوں کو سمیٹ کر فرش پہ ہاتھ مارتے ممی کو تلاش کرنا چاہا۔ممی وہاں
نہیں تھیں۔وہاں اس کے سوا اور کوئی ذی

روح موجود نہیں تھا۔نمرہ کو کمر سے اُٹھتی ٹیسیں بھول گئیں اسے اب یاد تھا
تو صرف اتنا کہ اسکی جان سے پیاری ماں اس

کے ساتھ اس وقت موجود نہیں ہے۔وہ کہاں ہیں کس حال میں ہیں۔وہ نہیں
جانتی تھیں۔خوف اور وہم کا احساس اس کے

اندر زہر گھولنے لگا تھا۔اس نے آنکھوں سے بہتے نمکین پانی کو آنکھیں جھپکتے
صاف کیا۔اور اپنی جگہ سے اُٹھی۔

ممی؟ بہت ہلکی اور بے دم سی آواز میں اس نے اپنی ماں کو پکارہ

ممی؟

ممی۔۔۔

ممی۔۔۔ممی ممی کی بے دم آوازیں اس نے فرش پہ ایک جگہ دیوار کا سہارے
لئے نہ جانے کتنی بار دیں تھیں۔مگر

خاموش ہی اس کو جواب دیتی رہی۔

وہ وہیں ایک جانب کھڑی آہستی آہستہ ممی کو زیرِ لب پکار رہی تھی۔جب اسے اس کمرے کے دروازے کے پار سے کسی

نسوانی چیخ کی آواز سُنائی دی تھی۔

وہ ممی تھیں۔۔۔نمرہ کو لگا کسی نے اس کے کانوں میں سیسہ گھول دیا ہو۔

ممی۔۔۔آنکھیں پھاڑے سیاہ اندھیر کمرے میں دیکھتے اس نے منہ میں ممی کو ایک بار پھر سے پکارہ تھا۔

آ آ آ۔۔ایک بار پھر سے جہاں آرا کی تکلیف سے لرزتی آواز گونجی۔نمرہ بھی جواب میں چیخی۔

ممی۔۔۔اس کی آواز میں خوف تھا۔درد تھا تکلیف تھی۔وہ دیوانہ وار اندھیرے میں ہاتھ پھیلائے چیخوں کی جانب بھاگنے

لگی۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔کہ وہ کس طرف سے نکل کر ممی کی جانب جائے۔اور ممی کی آوازیں مسلسل اس کے

کانوں میں اس تاریک کمرے میں گونج رہی تھیں۔نمرہ دروازے کو تلاش کرتی تین بار منہ کے بل فرش پہ گری تھی۔مگر

ممی کی مسلسل چیخیں اسے ہر بار اپنے قدموں پہ کھڑے ہونے کی ہمت دے

دیتی تھیں۔

ممی۔۔۔

ممی کک۔۔۔کہاں ہیں آپ۔

ممی مجھ۔۔مجھے جواب دیں۔وہ دیوار کا سہار لئے بلند آواز میں ممی کی چیخوں کے جواب میں چیخی۔اس کا چہرہ

مسلسل رونے سے گیلا ہو کر سرخ پر چکا تھا۔اور اس کے لباس سے ڈیزل اور مٹی کے تیل کی بُو آتی تھی۔

نمرہ۔۔۔نمرہ چھپ جاؤ۔تکلیف سے دوہرے ہوتے ممی کی دروازے کے دوسرے جانب سے چیخنے کی آواز آئی تو نمرہ نے

سیاہ تاریک کمرے کو دیکھتے اطراف میں نگاہ گھومائی۔

مم۔۔۔ممی آ۔۔۔آپ کہاں ہیں۔دیوانہ وار دروازے کو تلاش کرتے دائیں بائیں گھومتے چکر کاٹتے وہ روتی چیخ رہی

تھی۔جب اس کا سر بہت زور سے بھاگتے دیوار سے ٹکرایا۔سر اور ناک میں شدید تکلیف اُٹھی تھی۔لیکن پس منظر میں

ممی کی چیخیں اس کے عصاب پہ ایسے سوار تھیں کہ سر اور ناک کی تکلیف کو فوراً ہی بھول گئی۔اس کی ناک سے خون

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بہہ رہا تھا مگر وہ اس سے بے پروا دیوار سے دور ہٹی۔

نہیں۔۔۔

نہیں تم ایسے نہیں کر سکتے۔۔۔۔وہ۔۔۔وہ بہت معصوم ہے۔

پلیز ایسے مت کرو۔ممی کی منت کرتی آواز دروازے کے پار سے گونجی اور ساتھ ہی کسی کے بھاری بوٹوں کی دھمک

تھی جس نے نمرہ کے دل میں خوف کو مزید بڑھا دیا۔اس نے آواز کی جانب جانے کی کوشش کی لیکن آواز کی کوئی سمت

سُجھائی نہ دے رہی تھی۔ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ہر جانب سے بس ایک ہی آواز گونج رہی ہے۔وہ ابھی ایسے ہی

کھڑی اطراف میں میں دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔جب بھاری پھاٹک کے دونوں پٹ چرررر کی آواز سے واہ ہو

ہوئے ساتھ ہی پٹوں کے درمیان سے ایک ہولہ چلتا اس کی جانب بڑھا۔گہری تاریکی کے بعد اک دم سے روشنی میں

دیکھنے سے آنکھوں کو تکلیف ہو رہی تھی۔اس نے چہرے کے سامنے ہاتھ کیا۔مقصد تیز روشنی سے بچنا تھا۔

پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ س کے سامنے کھڑا تھا۔۔اس کا چہرہ نمرہ کی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جانب تھا اور پُشت کی جانب روشنی نمرہ

کے لئے اس کا چہرہ پہچاننا مشکل تھا۔

اور پُشت پہ حال میں جہاں کرسی کے ساتھ باندھی گئی جہاں آرا چیخ رہی تھیں۔کے روشندانوں سے سورج کی نارنجی

کرنیں چھن کر اندر آ رہی تھیں۔اور سورج دھیرے دھیرے ڈھلتا جا رہا تھا ۔۔۔ڈھلتا جا رہا تھا۔بالکل ان ماں بیٹی کی

زندگیوں کی طرح۔

☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘☘

فلک نے گیلے بال برش کرتے ایک نظر دیوار گیر گھڑیال کو دیکھا۔اور پھر واپس نظر شیشے کی جانب موڑ لی۔

زین نے گھر کی راہداری پار کی تھی جب باورچی خانے کے سامنے سے گزرتے دلان میں بیٹھتے بریانی کی سوندھی

سوندھی خشبو نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔زین کو حیرت ہوئی۔اس کی خانسا ماں کو بریانی نہیں بنانی آتی تھی۔وہ

چاولوں کا کیا حال کرتی تھیں زین بخوبی جانتا تھا۔لیکن آ ج خشبو کچھ مختلف تھی۔

یہ اس چڑیل نے بنائی ہے۔صوفے سے پُشت ٹکاتے اس نے تھوڑا سا بس تھوڑا سا خوش فہم ہو کر سوچا تھا۔لیکن وہ زین

مصطفٰے ہی کیا جو کبھی فلک سُلطان کی اچھائی کا اعتراف کر لے۔

اس نے سر جھٹک دیا۔بنا ہی نہ لے کہیں۔اپنی ہی سوچ پہ لعنت بھیجتے اس نے آنکھیں موند لیں۔لیکن بھلا ہو چاولوں کی

خشبو کا جو پل بھر کو بھی آرام کرنے دے۔زین نے آنکھیں کھول دیں۔

فلک نے ایک آخری نظر اپنے عکس کو شیشے میں دیکھا اور واپس بیڈ ک جانب گھومی۔اس نے استری شُدہ دوپٹے کو اُٹھا کر پھیلا کر کندھوں پہ ڈالا اور دروازے کھول کر باہر نکلی۔

زین ماتھے پہ بل لئے ہمیشہ کی طرح اپنے آپ سے ہی بے زار لگ رہا تھا۔وہ صوفے پہ لیٹا سونے کی کوشش کر رہا تھا

۔لیکن قد سے چھوٹے صوفے پہ آرام سے لیٹ جانا اس کے لئے مشکل تھا۔

فلک کو اس پہ ترس آیا۔

بیچارا اچھا بھلا انسان کا بچہ ہو ا کرتا تھا۔افسوس سے سر جھٹکا۔

اس نے سیڑھیوں سے اُترتے دلان میں نظر گھومائی توقع کے عین مطابق ملازمین آرام کی غرض سے سونے جا چکے تھے۔

زین نے جوتوں کی ٹھپ ٹھپ پہ آنکھیں کھول کر فلک کو دیکھا۔

نارنجی قمیض سفید شلوار اور سرخ دوپٹہ اوڑھے گیلے بالوں کو کھولے وہ اچھی خاصی لگ رہی تھی۔

زین نے نظروں کا زاویہ بدلا اور سیدھا ہو بیٹھا۔

تم کب آئے؟اس کے سامنے کھڑے ہوتے سینے پہ بازو لپیٹتے وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

بس ابھی۔۔۔اس نے بس لمحے بھر کو چہرہ اُوپر کی جانب اُٹھاتے کہا اور پھر واپس چہرہ جُھکا لیا۔

یہ ملازمین کہاں ہیں؟

وہ سب گئے۔فلک نے مسکرا کر ایک بار پھر سے جواب دیا۔اور باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی۔زین نے ایک ابرو اُٹھا کر

اس کی پُشت کو دیکھا۔وہ ایک منٹ میں دوبار مسکرائی تھی۔اس بات کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

کیوں؟ اپنی جگہ پہ بیٹھے بیٹھے بالوں کو ہاتھ سے سُلجھاتے اس نے قدرِ بلند آواز میں پوچھا۔

کیوں کا کیا مطلب؟ گلاس میں پانی اُنڈیلتے فلک سُلطان نے وہیں کھڑے

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interview

کھڑے زین کو تعجب سے دیکھا تھا۔جوپاؤں

جوتوں سے آزاد کر رہا تھا۔

کیونکہ یہ وقت ان کے گھر جانے کا نہیں ہے۔بائیں پاؤں سے جرابیں اُتارتے

اس نے خاصی ناگواری سے جواب دیا تھا۔فلک

گلاس لئے باہر نکلی۔اور پھر کوئی بھی جواب دئے بغیر پانی سے بھرا گلاس اس

کے سامنے رکھا۔زین نے اس نوازش پہ سر

اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔آنکھوں میں کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔فلک خاموشی سے

اس کے سامنے والے صوفے پہ جا بیٹھی۔

میں نے اُنہیں بھیج دیا۔

مجھے تم سے بات کرنی تھی۔اس لئے میں نے اُنہیں بھیج دیا۔اس نے ٹانگ پہ

ٹانگ چڑھاتے بڑی فرست سے کہا تو زین نے

کوئی جواب نہیں دیا بس خاموشی سے پانی پینے لگا۔

کھانا لگاؤ۔وہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔پانی پی کر اس نے کہا تو فلک نے اسے

گھورا۔زین نے اسے ہلتے نہ دیکھا تو ابرو

اُٹھایا۔

میں تمہیں کام کرنے والی نظر آتی ہوں۔؟کافی روکھائی سے اس نے کہا تو زین

نے گھورا۔

تم نے سارے ملازمین بھیجے تھے۔تو اب کھانا بھی تم ہی لگاؤ گی۔

جی نہیں۔۔۔میں بس چاول اور پلیٹیں لاؤں گی۔چمچ پانی اور گلاس تم لاؤ
گے۔ہنہہ آیا بڑا۔ناک چڑھا کر سر جھٹک کر

اس نے اسے اپنی حیثیت بتا بلکہ جتا دی تھی۔اور اُٹھ کر یہ جا وہ جا۔زین کو
حیرت ہوئی۔

کیا چیز ہے یہ۔۔۔دادا دیکھ لیں آ کر۔بڑ بڑا کر اس نے ہونٹ بھینچتے جوتے اُٹھا
کر میز کے نیچے پٹخے اور وہیں میز کے

نیچے سے سلیپرز اڑستا باورچی خانے کی جانب بڑھ گیا۔

دونوں نے اپنی اپنی چیزیں لا کر میز پہ رکھیں کُرسیاں گھسیٹیں اور آ بیٹھے۔

چاول اپنی اپنی پلیٹوں میں ڈالتے دونوں خاموش تھے۔لیکن پھر کچھ ہی دیر بعد
جب اس نے اس سے کوئی بات نہ کی۔تو

فلک کو خود ہی کہنا پڑا۔

میں نے ہوسٹل ڈھونڈ لیا ہے۔تم مجھے کھانا کھانے کے بعد چھوڑ آنا۔اس نے
بات کا آغاز کیا۔زین نے سر اُٹھایا نہ کوئی

جواب دیا۔وہ بس پلیٹ پہ جُھکا رہا۔فلک نے لمحے کو رُک کر اس کے چہرے پہ

کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی اور پھر

دوبارہ سے بات شروع کر دی۔

میں چاہتی ہوں کہ تم اس بات کو یہیں دبا دو۔دادا کا امریکہ والا نمبر بابا کے پاس نہیں ہے اس لئے وہ اس سارے واقع سے

انجان ہیں۔میرے خیال میں یہی بہتر ہے کہ اُنہیں اس سب سے انجان ہی رکھا جائے۔میں جب وہاں سیٹ ہو جاؤں گی۔تو

تم مجھے ڈائورس کے کاغزات بھیج دینا۔۔۔ملازمین کو بھی سمجھا دینا کے وہ اس سارے واقع کا ذکر کسی سے نہ کریں۔

اور تمہیں لگتا ہے کہ وہ بعض رہیں گے۔

تم سچ میں کسی خیالی دنیا کی تخلیق ہو۔تم ایک ایسی بات کو چُھپانے کی کوشش کر رہی ہو جس میں میرا کوئی قصور

نہیں۔

میرا بھی نہیں تھا۔اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔زین نے بے پروائی سے شانے اُچکائے۔جو تم کہوں۔

میں ان سے اگر چھپاؤں گا تو مجرم بن جاؤں گا۔اور دوسری بات دادا کے ملازمین صرف ان کے وفادار ہیں۔میرے نہیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لیکن اُنہوں نے ابھی تک دادا کو نہیں بتایا۔فلک نے پھر سے بات کاٹی زین نے چونک کر اسے دیکھا۔

یہ تم سے کس نے کہا؟اس نے عادت کے مطابق ابرو اُٹھایا۔فلک نے ہاتھ سے چمچ رکھ دیا۔

بس مجھے لگتا ہے۔

واہ۔۔۔وہ اس کے جواب پہ محظوظ ہو کر مسکرا دیا۔

انسان کو اس کا لگنا سب سے پہلے دھوکا دیتا ہے۔اگر کسی چیز کے بارے میں آپ شائد یا لگتا بولتے ہو تو اس کا بات کا

صاف مطلب ہے کہ آپ کے سامنے اس وقت دو پہلو ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا تم یہ سب آسان لفظوں میں کہو گے۔

ہاں کیوں نہیں۔اُنہوں نے دادا کو تمہارے ادھر آنے سے ٹھیک اگلے روز صبح ناشتے سے بھی قبل اس نکاح کا بتا دیا ہو

گا۔یقین نہیں آتا تو بے شک پوچھ لینا۔اس نے ایسے یقین سے کہا جیسے پتھر پہ لکیر ہو۔

تم بھی تو ہو گا بول رہے ہو۔یہاں بھی تو دو پہلو نکلتے ہیں۔فلک خاصی زھین تھی۔فوراً سے پیشتر کہا۔زین ایک پلیٹ کھا

چکا تھا اس نے دوبارہ سے چاولوں کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

خانسا ماں اتنی بُری بریانی پہلے تو کبھی نہیں بناتی ہیں۔چمچ منہ میں رکھنے سے قبل اس نے کہا تھا۔اس نے اس کی

پیچھلی بات کو صاف نظر انداز کر دیا تھا۔فلک بد مزہ ہو گئی۔

ہنہہ۔۔۔کھایا ہے تمہاری خانسا ماں کے ہاتھ کا کھانا۔اور اتنی بھی بُری نہیں بنی جتنے تم نے زاویے بنائے ہیں۔اس نے ہر

گز کوئی زاویے نہیں بنائے تھے۔

دیکھا نہیں تم نے میں کتنی مشکل سے کھا رہا ہوں۔کون اتنی بکواس بریانی بناتا ہے۔ہزار بار کہا ہے ماسی کو کہ کوئی

کوکنگ کلاسسز جوئن کرلیں۔ایک اور چمچ منہ میں ڈالنے سے قبل اس نے کہا تو فلک کے لئے برداشت کر نا مشکل ہو

گیا۔مگر وہ پھر بھی پی گئی۔

تم نے یہاں محض بریانی نامہ سُنانا ہے یا میری بات بھی سُنو گے۔بد مزہ ہوتے اس نے پلیٹ سامنے سے سرکاتے کہا تو زین

نے سر ہلایا۔

کہو۔۔۔

اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟

اچھا تو تم مجھ سے مشورہ مانگ رہی تھی۔یعنی تمہیں اپنی صلاحیتوں پہ بھروسہ نہیں ہے۔۔۔سہی۔وہ کوئی موقع نہیں

جانے دیتا تھا۔کہ کب وہ فلک کو آڑے ہاتھوں لے۔اس حویلی میں ہونے والی اپنی بے عزتی ابھی تک نہیں بھولا تھا۔اور یہ

سب اس فلک کی وجہ سے ہوا تھا۔

بھاڑ میں جاؤ تم۔کہہ کر اس نے پلیٹ اُٹھا کر زور سے پٹخی اور پاؤں پٹختی موقع سے ہی واک آؤٹ کر گئی۔

زین پہ رائی برابر بھی اثر نہیں ہوا۔وہ بس مزے سے کھاتا رہا۔

بریانی تو اچھی ہے۔کھاتے ہوئے اس نے آخری بات یہی سوچی تھی۔

زرتار آسمان پہ چمکتا چاند اس کی نظروں کے حصار میں تھا۔اس نے گہرہ سانس لے کر جیب سے موبائل نکالا اور نمرہ کے

نام سے موجود نمبر پہ کال ملائی۔

لیکن جواب موصول نہیں ہوا۔

اس نے دوبارہ کال ملائی۔پھر کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

پھر ملائی۔۔۔

پھر ملائی۔مگر ہر بار ناکامی ہی اس کا مقدر ٹھہری۔اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔اور فون کو ہاتھ میں دبوچ لیا۔اسے اس وقت

نمرہ کی غیر ذمہ داری پہ شدید غصہ آ رہا تھا۔

وہ پیچھلے باسٹھ گھنٹوں سے غائب تھی۔اس نے ایک بار بھی کال کی او ر نہ ہی عبداللہ کی کال اُٹھائی۔پہلے اسے غصہ تھا

پر اب اسے پریشانی تھی۔وہ اس کے باپ اور بھائی کو جانتا تھا۔آفندیز کی نظر میں اس کی قدرر ایک ٹوٹے جوتے سے بھی

کم تھی۔مگر پھر بھی اُنہوں نے اسے قید کر رکھا تھا۔وجہ جہاں آرا سے بے وجہ کی ضد اور حقارت تھی۔عبداللہ کا نمرہ

سے نکاح جہاں آرا نے خود کروایا تھا۔عبداللہ کو جہاں آرا ایک شام زخمی حالت میں اپنے ٹوٹی کار میں ملی تھیں۔اس نے

اُنہیں ہوسپٹل پہنچایا تھا۔

جہاں آرا کا بیگ ان کے پاس موجود نہیں تھا اور نہ ہی کوئی اور رابطے کا ذریعہ ۔اُنہیں جب دو دن بعد ہوش آیا تو ڈاکٹرز

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews

نے ان سے ان کے گھر اور گھر والوں کا نام اور ایڈریس پوچھا مگر اُنھون نے

یہ کہہ کر منع کر دیا کہ ان کے شوہر برسوں

قبل ایک ایکسیڈنٹ میں وفات پا گیا ہے۔ان کی ماں بہت بوڑھی ہے اور اپاہج

ہے۔ایسے میں وہ نہیں چاہتیں کہ ان کے گھر

رابطہ کر کے اُنہیں ڈیسٹرب کیا جائے۔

اس سارے عرصے میں شہریار اور ضیاء آفندی ان کی تلاش میں تھے۔وجہ جو

عبداللہ کو سمجھ آئی وہ یہی تھی۔کہ

شہریار جہاں آرا سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔اور ضیاء آفندی جہاں آرا اور شہریار

سے اس قدر نفرت کرتے تھے۔کہ ان سے یہ

ہار برداشت نہ توتی تھی۔کہ جہاں آرا کسی بھی طرح اُنہیں چھوڑ کر شہریار ان

کے پُرانے دوست اور رقیب سے شادی

کریں۔یہ ان کی ہار تھی۔اور ان کی انا کا مسئلہ تھا۔

محبت اور نفرت کی یہ جنگ جہاں آرا کے یونیورسٹی کے زمانے میں شروع ہوئی

۔جہاں آرا اور شہریار اکرام ہم جماعت تھے۔شہریار اکرام جہاں آرا کو یونیورسٹی

کے اول روز سے ہی چاہتے تھے۔ اُنہوں نے اپنی محبت کو عیاں سب سے پہلے

اپنے بہترین دوست ضیاء کے سامنے کیا تو ضیاء آفندی جن کا آئے روز ہی

لڑکیوں سے چکر رہتا تھا۔جبھی جہاں آرا کی جانب متوجہ ہو گئے۔اُنہوں نے دل ہی دل میں جہاں آرا کو اپنے لئے پسند کر لیا۔ باوجود اس کے کہ ان کا رشتہ ان کی والدہ اپنی بہن کی بیٹی اپنی بھانجی بتول سے کر چکی تھیں۔مگر ضیاء آفندی کے لئے جہاں آرا کو چھوڑ دینا ناممکن تھا۔دوسری طرف شہریار اکرام ضیاء آفندی کی نیت میں موجود کھوٹ سے انجان تھے۔اور چونکہ جہاں آرا اور شہریار اکرام ہم جماعت تھے تو دونوں اکثر ساتھ ہوتے۔ دونوں کی دوستی بھی جلد ہی ہو گئی۔لیکن شہریار آفندی جہاں آرا کو بتا نہ سکے کہ وہ ان کو چاہتے ہیں۔اس سے قبل کہ وہ فیصلہ کرتے ایک روز ضیاء آفندی نے جہاں آرا کو ملنے کا کہا اور پھر ایک ہوٹل میں جاکر اُنہیں پرپوز کرد یا۔چونکہ ضیاء آفندی شہریار اکرام کے دوست تھے۔تو جہاں آرا بھی اس حوالے سے انہیں کسی نہ کسی حد تک جانتی تھیں۔ اچھے نقوش کے مالک بولڈ سے ضیاء آفندی کی شخصیت میں اتنی کشش تھی کہ کوئی بھی لڑکی ان سے شادی کرنے کو عزاز سمجھتی۔جہاں آرا کے لئے اُنہیں انکار کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔

دوسری طرف جب شہریار اکرام کو ضیاء آفندی کی ہوشیاری کا علم ہو ا تھا۔وہ شدید غصے میں آ گئے۔اور جاکر ضیاء کا گِریبان پکڑ لیا۔لیکن اب دوستی میں بال آ چکا تھا۔ضیاء آفندی اب وہ دوست نہیں رہیے تھے۔جو شہریار اکرام کی کسی بھی جُرت کو برداشت کر لیتے۔دونوں کے درمیان خوب ہتھہ پائی ہوئی۔اور آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ جہاں آرا کو حاصل کرنے کی کوشش میں دیکھتے ہیں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کون پہلے آگے نکلتا ہے۔

جہاں آرا کی قسمت کا فیصلہ بھی دوسری جانب ان کے گھر والے کر چکے تھے۔اس سے بالکل انجان کہ جہاں آرا ضیاء آفندی کو چاہتی ہیں۔اُنہوں نے گھر میں رشتے داروں کو آتے دیکھا تو فوراً ماں کے پاس پہنچیں اور صاف لفظوں میں اپنی پسند سے آگاہ کر دیا۔جہاں آرا کے والد کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ملکوں ملکوں پھرنہ ان کا معمول تھا۔ سمجھدار اور دور اندیش تھے۔اُنہوں نے بیٹی کی ضد دیکھی تو عقل مندی اسی میں خیال کی کہ جہاں بچی کی خوشی ہے وہاں رشتہ کر دیا جائے۔ضیاء آفندی کا دوسری طرف گھروالوں نے رشتہ طے کر رکھا تھا۔اور ان کے لئے یہ ناک کا مسئلہ تھا کہ وہ برادری میں زبان دے کر پھیرتے۔اُنہوں نے اس رشتے پہ صاف انکار کر دیا۔

مگر ضیاء آفندی کے لئے تو جیسے یہ موت و حیات کا معملہ تھا اُنہوں نے اپنے والدین کو ترکیب دلائی کہ ان کا پہلا نکاح وہ اپنی بھانجی سے کروا دیں اور دوسرا نکاح جہاں آرا سے ہونے تک پہلے نکاح کو خفئیہ رکھا جائے۔ایسے جب دوسرا بھی نکاح ہو جائے گا تو وہ دونوں بیوئیوں کو ساتھ رکھ لیں گے یہ ان کے لئے مشکل نہیں ہے۔اور نہ ان کے گھر والوں کو شکائت ہو گی۔ضیاء آفندی کی رائے پہ سب متفق ہوگئے۔اور یوں دونوں عورتوں سے ہی ضیاء آفندی نے شادی کر لی۔خاندان کی لڑکی میں سے مان آفندی جبکہ جہاں آرا سے ثمرہ آفندی پیدا ہوئی۔

جس وقت جہاں آرا کو ضیاء آفندی کی شادی کا علم ہوا وہ رُخصت ہو کر آ چکی تھیں۔یہ قسمت کا لیکھ تھا۔لیکن ان کے لئے اس دھوکے کو برداشت کرنا مشکل تھا۔اُنھوں نے شادی کی پہلی ہی رات ضیاء آفندی سے جھگڑا کیا۔جس کی وجہ سے ضیاء آفندی نے اُنہیں دھکے دے کر اپنے کمرے سے نکال دیا۔

جہاں‌آرا کی مقابل ایک ایسی عورت آن کھڑی ہوئی تھی۔جو ضیاء آفندی کے سہی جوڑ کی تھی۔وہ ضیاء آفندی ہی کی طرح ہوشیار اور چلاک تھی۔اس نے جہاں آرا کی زندگی کو عزاب بنانے میں ایک لمحہ تک نہ جانے دیا۔اور جہاں آرا کی طرف بدقسمتی سے اس گھر میں کوئی ان کے حق میں بولنے والا بھی موجود نہ تھا۔اُنھوں نے آفندیز کے گھر تین سال زندگی کے گزارے اور پھر ایک روز جب بتول نے اُنہیں گھر سے نکال دیا تو وہ روتی دھوتی ابا کے پاس چلی آئیں۔ابا نے اکلوتی بیٹی کی حالت دیکھی تو سہار نہ پائے اور خالقِ حقیقی سے جاملے اور امی بھی ابا کے جانے کے بعد دل کے عارضے میں مبتلا رہیں اور وہ بھی سال بھر بعد ہی ابا کے پیچھے ا ن دیکھی منزل کی جانب چل دیں۔پہلے ابا اور پھر امی ان دونوں کی موت نے اُنہیں جھنجھوڑ ڈالا تھا۔وہ ضیاء آفندی سے خُلع لے چکی تھیں لیکن اس کے بدلے اُنہیں نمرہ کو اسے سونپنا پڑا۔

زندگی کی تلخی بتدریج بڑھتی جا رہی تھی۔جب ایک روز شہریار اکرام واپس ان کی زندگی میں آ گئے۔اُنھوں نے چھپ کر ان سے نکاح کر لیا اور ایک الگ گھر میں رکھا۔مگر تب وہ وقت تھا جب جہاں آرا لوگوں کے چہروں کو پہچاننے

لگی تھیں۔شہریار کا ان کے بارے میں حساس ہونا کوئی محبت نہیں بلکہ شک کا وہ بیج تھا جس نے ان کو جہاں آرا کی نظر میں بے وقعت کر دیا تھا۔مگر بیٹی کی بھلائی کہ لئے اُنہیں شہریار کو برداشت کرنا تھا۔اُنہوں نے شادی کے اول روز سے ہی جان لیا تھا کہ شہریار کو نمرہ ایک آنکھ نہیں بھاتی وجہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ ضیاء آفندی کا خون تھی۔اُن کا بس چلتا تو وہ اسے مار ہی دیتے۔مگر جہاں آرا نے شہریار کو ہر لمحہ یہ باور کروانا شروع کر دیا کہ اُنہیں ضیاء آفندی اور ان سے مُنسلک کسی چیز کوئی لگاؤ نہیں رہا خواہ وہ نمرہ ہی کیوں نہ ہو۔

ضیاء آفندی نے گھر کا ماحول بہتر رکھنے کے لئے کم عمر نمرہ کو باہر بھیج دیا۔جہاں ان نے بچپن سے لڑکپن گزارا۔نمرہ کے جاتے ہی جہاں آرا نے فیشن ڈیزائنگ کرنے کا سوچا اور بہانہ بنا کر امریکہ نمرہ سے ملنے جانے لگیں۔ہر ماہ دو ماہ بعد وہ نمرہ سے ملنے جاتیں جس کا علم ان کے علاوہ نمرہ اور نمرہ کی آیا کو ہوتا۔

مگر اس بار وہ یہاں سے چھپ کر گئی تھیں یہ سوچ کر کہ شائد ہر بار کی طرح قسمت اس بار بھی اُن پر مہربان ہو جائے گی۔مگر اس بات قسمت نے کچھ اور لکھا تھا۔جس سے دور بیٹھا عبداللہ بالکل انجان تھا۔

کمرے کی تمام بتیاں گل تھیں اور فلک صوفے پہ بازوں میں سر دیئے لیٹی تھی۔زین نے گزرتے لمحے بھر کو اسے دیکھا اور واڑروب کی جانب بڑھ گیا۔اس نے لباس منتخب کیا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

اس نے فلک کو پہلی نظر کے بعد دوسری بار دیکھنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ فلک نے بھیگی آنکھوں سے کمرے کو دیکھا۔وہ جانتی تھی زین باتھ روم میں اس نے اُٹھ کر پاؤں میں جوتا اڑسا اور کمرے سے نکلتے ہوئے جان بھوج کر دروازہ دھاڑ کی آواز سے بند کیا۔دروازے کی دھاڑ اتنی بلند تھی کہ اندر کھڑے زین نے بھی سُنی وہ مسکرا دیا۔

اب آیا مزہ محترمہ۔سب کی جان عذاب کرنے والی کی اب جب خود جان شکنجے میں پھنسی ہے تو کیسے بُدک رہی ہے۔اسے تو سوچ کر ہی مزہ آیا تھا۔وہ جانتا تھا اس نے حویلی سے آنے کے بعد خود کو بظاہر بہت مظبوط دیکھا تھا۔مگر وہ اندر سے بہت غمگیں تھی۔ہر رات باتھ روم میں گھنٹوں رونے کا سیشن چلتا ہے وہ ا سے بھی واقف تھا۔لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

فلک نے زین کے کمرے کا عین سامنے والے کمرے کا دروازہ کھولا اور دروازے کو پھر سے زور سے بند کیا۔

اس نے بیڈ پہ لیٹ کر چادر کو سر تک تان لیا۔اور لیٹتے ہی رونے میں روانی آنے لگی۔

وہ کتنی عجیب تھی۔یوں لگتا تھا جیسے وقع ہی کسی ونڈر لینڈ کی ہو،۔امی سے مار کھاتی رہی کچھ نہیں بولی بڑے بابا سے بھی تھپڑ کھایا سارے خاندان کے سامنے ذلیل ہوئی نہیں روئی۔روئی تو صرف اس وقت جب اسے احساس ہوا کہ وہ حویلی سے دور جا رہی ہے۔روئی تو اس صرت اس وقت جب اسے احساس ہوا کہ وہ کسی دوسرے کے گھر پڑی ہے۔

فلک سُلطان اُن میں سے تھی۔جس کے لئے اس کا خاندان سب سے اہم تھا اپنی انا سے بھی اہم۔اور دوسرے نمبر پہ انا جس پہ وہ کبھی کسی صورت سمجھوتہ نہیں کرتی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین کے ساتھ اس نے محض چند گھنٹے ایک چھت کے نیچے گزارے لیکن اب اسے احساس ہونے لگا تھا جیسے اس کے لئے زمین تنگ پڑتی جا رہی ہو۔

وہ یہاں اس گھر کی حدود سے باہر نکل جانا چاہتی تھی کہیں دور کہیں بہت دور۔لیکن زین کا رویہ اس کے ساتھ ایسا تھا جیسے وہ اس کا مزاق اُڑا رہا ہو۔کچھ دیر قبل اس کی ہر بات کا مزاق اُڑانا فلک کو اپنی شدید توہین محسوس ہوا تھا۔اور اب اسی توہین کا اثر ختم کرنے کے لئے وہ رو رہی تھی۔

زین جس وقت نہا کر باہر نکلا وہ کمرے سے جا چکی تھی۔وہ جانتا تھا۔

اس نے کسی اکسٹھ کی دہائی کا گانا چلایا اور اس کی آواز اتنی بڑھا دی کہ گھر میں موجود فلک جہاں ہوتی آسانی سے سُن لیتی۔

برش اُٹھا کر اس نے بالوں کا جائزہ لیا اور پھر اُنہیں سُدھار نے لگا۔

وہ اس وقت نیلی جینز پہ آدھے آستینوں کی سفید ٹی شرٹ پہلے خاصا اچھا دِکھ رہا تھا۔

جھوم جھوم کوا بھی ڈھولک بجائے

چیل چیل چلا کے غزلیں سُنائے

ارے واہ واہ۔۔۔

ارے واہ واہ۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جھوم جھوم۔۔۔گانے والے نے پھر سے الفاظ دوہرائے۔اور فلک نے منہ سے رونے کے دوران اتنی تیزی سے لحاف کھینچا تھا جیسے پاک بھارت جنگ ہونے کی خبر سُن لی ہو۔

چھک چھک چھک۔۔۔زین کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے اس کے دماغ پہ اثر ہو گیا ہو۔

گھوم گھوم کوا بھی ڈھولک بجائے چیل چیل چلا کے غزلیں سُنائے۔تیسی بار جب پھر سے گانے کے بول پھر سے شروع ہوئے تو زین نے گانے کی آواز مزید بڑھا دی اور ساتھ ہی خود بھی ایک آدھ سُر لگانے لگا۔

یا اللہ رحم۔۔۔کہیں یہ پاگل تو نہیں ہوگیا۔اس قدر بچگانہ گانا۔۔۔اور سُن کون

رہا تھا زین مصطفی وہ جس کی آنکھیں ہر وقت اس کے ماتھے پہ رہتی تھیں۔
فلک نے افسوس سے ایک نظر کمرے کی چھت کو دیکھا۔گویا کہا اللہ بیچارے کو بخش دیں۔

اور اُٹھ کر کمرے سے باہر جھانکنے کی نیت سے دروازے کی جانب بڑھی۔

جھوم جھوم کوا بھی ڈھولک بجائےچیل چیل چلا کے غزلیں سُنائے۔۔۔

زین نے ایک بار پھر سے ایک لمبی سے تان لگائی۔تو فلک کے لئے برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔اس نے دبے قدموں چلتے راہداری پار کی اور زین کے کمرے کا تھوڑا سا دروازہ کھولا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین بیڈ پہ بیٹھا تھا اور جھک کر جوتے پہن رہا تھا غالباً کہیں جا رہا تھا۔

جھوم جھوم کوا بھی ڈھولک بجائے چیل چیل چلا کے غزلیں سُنائے۔

فلک نے ہاتھ میں پکڑے موبائل کا کیمرہ آن کر کے زین کی وڈیو بنانی چاہی تھی۔جب عین اسی لمحے زین نے دروزے سے جھانکتی فلک کو دیکھ لیا۔فلک کے ہاتھ میں متواتر کیمرہ تھا اور شرمندگی کا احساس ایسے اُٹھا تھا کہ اسے احساس بھی نہ کہ اگلا قدام اسے کیا لینا چاہے۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

زین تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور حیران پریشان کھڑی فلک کے سامنے سے

سارا دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھول کر اب وہ خود اس کے سامنے جم کر کھڑا تھا۔اتنے بڑے اور مضبوط مرد کو دیکھ کر وہ بھی اپنے عین سر پہ وہ گھبرا گئی۔اس نے نظر جھکا لی۔

وہ۔۔۔وہ تم کیا کر رہے تھے؟ اسے سمجھ نہیں آیا کیا کہے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔اور ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑا فون مُٹھی میں دبا کر پُشت پہ چھپانے کی کوشش کی۔

میں تو جو اپنے کمرے میں کھڑا کر رہا تھا سو کر رہا تھا۔تم بتاؤ تم کیا کر رہی تھی۔اس کی آنکھوں کی پلکوں کی گہری جھالر دیکھتے اس نے خشک لہجے میں کہا۔فلک کی ہتھیلی نم ہوئی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں۔۔۔میں کک۔۔۔کچھ نہیں۔غیر ایرادی طور پہ اسے دیکھنے کی کوشش بھی کی۔لیکن پھر فوراً سر جھکا لیا۔زین نے لمحے سے بھی کم عرصے میں جانچ لیا کہ وہ رو رہی تھی۔

مجھے اپنا فون دو۔۔۔مذید کچھ کہے بغیر اس نے ہاتھ کی پھیلی ہتھیلی فلک کے سامنے کی فلک ایک قدم پیچھے ہوئی۔اور سر نفی میں ہلایا۔

کیوں دوں۔زین دو قم آگے بڑھا۔بتاتا ہوں۔۔۔کہ کیوں چاہئے لاؤ دیکھاؤ ذرا۔اس نے ہاتھ کو اب کی کھول رکھا تھا۔فلک نے ہونٹ کاٹے۔میں نہیں دوں گی۔میں نے کچھ نہیں کیا۔

میں نے ک کہا کچھ کیا ہے۔اس نے تین قدم کا فاصلہ مزید طے کیا اور پھر جُھکتے ہوئے اس کی پُشت سے فون جھپٹ لیا۔پلٹنے سے قبل اس نے فلک کی آنکھوں میں جھنکا۔

تم لوگوں کی جاسوسیاں بھی کرتی ہو۔

تمہیں معلوم نہیں کہ بغیر وردی یا جاسوسی کے پیشے سے منسلک ہوئے بغیر کسی کی جاسوسی کرنا جُرم ہے۔اس نے تیزی سے وڈیوز والا فلڈر کھولا اور اندر اپنی سیوڈ وڈیو ڈلیٹ کرتے کہا فلک کے ماتھے پہ بل نمودار ہوئے۔

میں کوئی جاسوسی نہیں کر رہی تھی۔میں یہ کہنے آئی تھی کہ اگر تم مجھے ہوسٹل نہیں لے جا سکتے تو بتا دو میں خود ہی چلی جاؤں گی۔اس نے خاصا جتانے والے انداز میں کہا توزین اس کے اس سفید جھوٹ پہ بمشکل ہی مسکراہٹ روک پایا تھا۔اسے اپنی انا کتنی عزیز تھی وہ جان گیا تھا۔یہ اس کی نظر میں فلک کا ویک پائنٹ تھا۔

اچھا۔۔۔

چلو نکلو پھر جا رہا ہوں میں اس طرف چھوڑ سوں گا لیکن یاد رکھنا کہ یہ میرا تم پہ دوسرا احسان ہے۔

پہلا کب کیا تھا۔

جب تم سے نکاح کیا تھا۔وہ اس روز کو تزکرہ کرنا کیسے بھول سکتا تھا جس روز کو یاد کرتے ہی فلک غمگیں ہو جاتی تھی۔فلک نے ناگواری سےا سے دیکھا اور بڑبڑا کر کمرے میں چلی گئی۔

بس قسمت خراب تھی میری۔آواز اتنی تھی کہ زین نے بھی سُنی۔وہ اسے گھور کر رہ گیا تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

تارا نے سجے سنورے اپنے روپ کو دیکھا اور ہونٹ کے قریب لگی لپسٹک کو ٹیشو پیپر سے تھپتھپایا۔آج اس کی حنان کے ساتھ رُخصتی ہو چکی تھی۔اور اب وہ حنان کے کمرے میں بیٹھی اس کی منتظر تھی۔جس روز اس کا نکاح ہوا۔حنان کھادوں اور چاولوں کی ڈیل کا کہہ کر اسلام آباد چلا گیا تھا۔اور آج رُخصتی سے محض گھنٹہ بھر قبل ہی لوٹا تھا۔

آج تارا بہت خوش تھی۔اس کے وجود کے انگ انگ سے خوش جھلک رہی تھی۔وہ کبھی خوشی سے چوڑیوں کو جھلاتی کبھی کانوں میں پہنے جُھمکوں کو ہلاتی اور کبھی پاؤں میں پہنی پاءل کو گھوماتی۔ آج اس کی خوشی اس کی پسند کا دن تھا اور اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیسے اظہار کرے۔

حنان جس وقت کمرے میں آیا وہ بیڈ کی پُشت سے سر ٹکائے تقریباً نیند میں تھی۔وہ آیا ہی اتنی لیٹ تھا کہ تارا انتظار کرتے کرتے ہی غنودگی میں چلی گئی

تھی۔

حنان کے ہاتھ میں سیگرٹ تھا اور وہ پائنتی کی جانب کھڑا تھا۔تارا نے آنکھیں کھول دیں۔اور حنان کو سامنے کھڑا دیکھ کر فوراً سیدھی ہو گئی۔ساتھ ہی چہرہ بھی جُھکا لیا۔

حنان اس کے سامنے اس کے چہرے کی جانب دھوؤاں چھوڑ رہا تھا۔دھوءیں میں اسے تارا کے عکس کی بجائے فلک نظر آنے لگی تھی۔اور تارا باوجود سامنے ونے کے کہیں پیچھے کہیں پس منظر میں چلی گئی تھی۔

تارا نے اسے خود کو دیکھتے پایا تو مسکرا دی۔مگر وہ مسکراہٹ محض وقتی تھی۔

حنان اس کی جانب بڑھا۔

فلک۔۔۔

فلک تم کب آئی۔تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ تم آئی ہو۔ولہانہ پن سے وہ اس کی جانب بڑھا تھا۔تارا کے دل کے ٹکڑے ہوئے۔

حنان نے بیٹھتے ساتھ ہی اس کی کلائی تھام لی۔وہ اسے تارا نہیں فللک دیکھ رہا تھا۔تارا کے گلے میں آنسوں کا گھولا بننے لگا۔

فلک تم کچھ بول کیوں نہیں رہی۔تم جانتی ہو میں نے اس دن کا کتنا انتظار کیا تھا۔اس کی آنکھوں میں کرب تھا۔تارا نے اپنی کلائی چھڑوانی چھاہی۔حنان نے

مزید دباؤ ڈالا۔

ح۔۔حنان میں تت۔۔۔تارا ہوں۔مہرین تارا۔

کیا ہوگیا ہے آپ کو۔اس نے روتے ہوئے اب کی بار تکلیف دیتی اس کی گرفت سے کلائی کو دوبارہ چھڑوانے کی کوشش کی۔حنان ایک دم سے جیسے حوش میں آیا۔

تم۔۔۔وہ دھاڑا۔تارا کا دل اُچھل کر ہلق میں آ گیا۔اس نے نظر جُھکا لی جیسے مجرم ہو۔

وہ مم۔۔۔اسے سمجھ نہیں آئی وہ کیا کہے۔اس سے کوئی جواب نہ بن پایا تو آنسوں میں مزید روانی آ گئی۔

تم کیا کر رہی ہو ادھر اور ادھر میری فلک کیوں نہیں ہے۔بچپن سے بُنے گئے خواب کے سحر میں تھا اس کے لئے جیسے یقین کرنا مشکل تھا کہ فلک اب کبھی اس کی نہیں ہو سکتی۔

حنان آپ کیا کہہ رہے ہیں۔آپ کی شادی مجھ سے ہوئی ہے فلک سے نہیں۔بار بار ایک ہی نام سُن کر تارا کی نسوانی انا کو ٹھیس پہنچی تھی۔اس نے کرب سے کہا تو حنان تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھا۔

اُٹھو۔۔۔اُٹھو میرے بستر سے۔اس نےاسے بھی کلائی سے پکڑ کر کھینچا تھا۔گُنگناتی

چوڑیا ایک دم سے خاموش ہو کر اسکی کلائی میں دھنسنے لگیں تارا کرہ کر رہ گئی۔

ح۔۔حنان میرا بازو۔کلائی کی جلد سے خون کی باریک دھار قمیض کے آستین میں جزب ہونے لگی۔حنان نے گرفت مزید سخت کر دی۔

تکلیف ہو رہی ہے۔دانت پیستے اس نے حقارت سے پوچھا تھا تارا کی روح تک فنا ہو گئی۔

درد ابھی تم نے دیکھا کہاں ہے۔وہ اسے لئے ایک دم سے دیوار کی جانب بڑھا۔میں بتاتا ہوں درد کسے کہتے ہیں اس سے قبل کہ تارا سمجھتی اس نے دیوانہ وار اس کی کلائیوں کو دیوار پہ مارانا شروع کر دیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تمہارے ہاتھوں میں پہنی ان۔۔۔ان چوڑیوں سے مجھے نفرت ہے۔نفرت ہے مجھے ان سے۔وہ اس کی دونوں کلائیاں تھامے چیخ رہا تھا۔وہ اس کے ہاتھوں کو دیوانہ وار دیوار پہ مار رہا تھا۔اور تارا اس کا جنون دیکھتی بے بسی سے رو رہی تھی۔

قسمت کی اس ستم ظریفی پہ وہ حیران تھی۔جو بظاہر ملا تھا۔وہ آج بھی اس سے اتنی ہی دور تھا جیسے اول روز سے۔

حنان کینفرت انگیزی پہ درو دیوار نے کان لپیٹ لئے۔اور ایسے ہو گئیں۔جیسے وہاں کوئی ہو ہی نہ۔جیسے صدیوں سے وہاں کوئی آیا نہ ہو۔جیسے وہ جانتی ہی نہ

ہو۔

زندگی کا ایک اُصول بہت اچھا ہے یہ خواہشات کے پیچھے بھاگنے والوں کو اپنے پیچھے بہت بھگاتی ہے۔اور جو قسمت کے لکھے پہ یقین رکھتے ہیں یہ ان شاہوں کے پیچھے بھاگتی ہے۔

اس وقت مہرین تارا کی زندگی میں وہ وقت تھا جب وہ زندگی کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔حنان نے اس رات اتنی تکلیف سے دو چار کیا تھا۔کہ اس کی ذات کا سارا مان سارا غرور سب منوں مٹی تلے جا سویا تھا۔اور اب وہ محض مٹی کا ڈھیر ہو کر رہ گئی تھی۔حنان نے اپنے اندر کا سارا غصہ ساری بے بسی تارا پہ نکال باہر کی جیسے وہ تو کسی برداشت کرنے والے کا

منتظر ہو۔تارا کو بے تحاشا پیٹنے کے بعد وہ خود کمرے سے چلا گیا کہاں گیا وہ نہیں جانتی تھی۔وہ تو خود اپنے آپ سے بیگانی ہو کر فرش پر کانچ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پہ ڈھیر ہو چکی تھی۔اس کی روح کے ساتھ ساتھ اس کا جسم بھی لہو لہان تھا۔

حنان نے دھمی آواز سے کمرے کا درواز وا کیا اور خود دہلیز پہ کھڑے ہو کر کمرے پہ ایک طائرانہ نظر ڈالی۔

تارا زمین پہ بے حوش پڑی تھی۔اور کمرے میں جابجا کانچ بکھرا تھا۔حنان کے

ماتھے پہ تفکر کی لکیریں نمودار ہوئیں وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

تارا۔۔۔

تارا کیا ہوا ہے تمہیں۔۔۔؟؟

تت۔۔۔تاراشدید غصے میں اسے پیٹنے کے بعد وہ حویلی کی چھت پہ چلا گیا تھا۔ساری رات وہ وہاں بیٹھا سگرٹ پیتا رہا تھا۔اور اب فجر سے کچھ ہی دیر قبل وہ واپس نیچے آیا تھا کہ تہجد پڑھنے کوئی اُٹھا اور اسے دیکھ لیا تو یقیناً سوال و جواب کا نا ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

حنان نے اس کی گردن اور ناک پہ ہاتھ رکھ کر اس کی چلتی سانس کو محسوس کیا اور پھر جھک کر اسے بازو میں اُٹھا کر بیڈ تک لے گیا۔اس نے اسے بیڈ پہ لیٹا کر اس پہ لحاف اوڑھ دیا تھا۔اور پھر خود تیزی سے تولیہ گیلا کرنے کی غرض سے باتھ روم کی جانب بڑھا۔

تارا کے ماتھے سے ٹپکتا خون زخم اورزخم کے قریب کے حصے پہ جم چکا تھا۔اور دونوں گال بھی کانچ کے ٹکروں کا شکار تھا۔اس کی دونوں کلائیوں پہ بھی بے تحاشا زخم تھے۔حنان کو اپنے کیئے کا افسوس ہوا۔

اس نے سب سے پہلے تارا کے چہرے پہ پانی کے قطرے چھینک کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب ہوا تھا۔اور پھر پھر کے ماتھے پہ آئے زخموں کو گیلے تولئے سے صاف کرنے لگا۔

وہ اس کے بائیں جانب گھوٹنے اکٹھے کئے اس وقت اسے اپنے ہی دئے زخم صاف کر رہا تھا۔اور لاکھ بار خود کو لانت بھیج چکا تھا۔

تارا نے ٹھنڈے پانی کو محسوس کیا تو کسلمندی سے آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی ساتھ ہی بے اختیار منہ سے ہائے نکلا تھا۔

ہائے امی۔۔۔کے الفاظ پہ اس کی کلائی کو دیکھتے حنان نے چونک کر تارا کو دیکھا۔تیز روشنی کی وجہ سے اس کے لئے آنکھیں کھولنا مشکل تھا۔وہ بار بار آنکھیں کھول بند کر رہی تھی تاکہ آنکھوں کو روشنی کا عادی کر سکے۔حنان نے گہرہ سانس لیا۔جیسے گردن سے کوئی بوجھ کا ٹل جانا محسوس کیا ہو۔

تارا تم ٹھیک ہو۔تولیہ پاس پڑی ٹرے میں رکھ کر اس نے اس کے بالوں کو نرمی سے سہلاتے پوچھا تو تارا نے چونک کر اسے دیکھا۔

وہ اس کے قریب بیٹھا اس کے زخم صاف کر رہا تھا؟ تارا کو حیرت ہوئی۔یقیناً ایسا ہونا بنتا تھا۔ایک شخص شدید تکلیف دینے کے بعد ٹھوکر مار کر ٹھکرا کر چلا جائے اور پھر خود ہی واپس بھی آ جائے اس سے بڑھ کر حیرت کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔

تارا کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔اس کی آنکھوں سے آنسو نکل نکل کر اس کے کانوں کے قریب بالوں میں جزب ہونے لگے تھے۔حنان نے ہونٹ بھینچ لئے۔اور پھر چہرہ موڑ لیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں معذرت خواہ ہوں تم سے یہ سب میری میرے غصے اور بد تمیزی کی وجہ سے ہوا ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ ایسے پیش نہیں آنا چاہیئے تھا۔چہرہ موڑے

وہ شدید ندامت کا شکار لگتا تھا۔تارا کے رونے میں مزید شدت آ گئی۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ زخم کی تکلیف کی وجہ سے روئے یا حنان کی ندامت کی خوشی میں۔حنان نے اسے اور زور سے روتے دیکھا تو اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

پلیز تارا معاف کر دو۔یہ سب میری بے وقوفی کی وجہ سے ہوا ہے۔مجھے پتہ ہے تمہیں تکلیف ہو رہی ہے۔میں دوبارہ ایسا کبھی نہیں کروں گا مجھے معاف کر دو۔بس ہاتھ جوڑنے باقی رہ گئے تھے ورنہ باقی تو اس کے لہجے نے ساری کثر پوری کر دی تھی۔تارا اسے دیکھتی آنسو بھاتی رہی۔بھاتی رہی اور حنان اس کے پہلو میں بیٹھا اس کے آنسو اپنے پوروں سے صاف کرتا رہا۔وہ جتنا روتی اتنا حنان پہ بوجھ بڑھ جاتا۔

میں تم سے شرمندہ ہوں کہا تو ہے اب کیا سارا ملک بہانے کا ارادہ ہے۔۔۔جب مسلسل وہ روتی رہی اور اس کے رونے میں مزید شدت آتی رہی تو وہ بگڑ گیا۔تارا نے فوراً آنسو صاف کیئے۔اور پھر اٹھنے کی کوشش کی۔

حنان نے اس کے پیچھے پڑے تکیئے کو درست کر کے اس کے بیٹھنے میں مدد کی تھی۔

وہ۔۔۔اس کی آنکھیں پھر نم ہونے لگیں۔اسے اپنی قسمت پہ یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔اسے تو لگا تھا یہ غم جو اسے آج دیکھنے کو ملا ہے یہ سارے زندگی بھی دیکھنے کو ملے گا لیکن وہ غلط تھی۔اسے یقین تھا کہ اسے وہم ہوا تھا۔

حنان آپ مجھ سے معافی مانگ کر مجھے شرمندہ مت کریں۔بھول جائیں۔زخموں سے گزرتا پانی اسے تکلیف دے رہا تھا۔لیکن آنسوں کو روکنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

حنان شرمندگی سے مسکرا دیا۔اور اس کا ہاتھ پکڑ کر نرمی سے سہلانے لگا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

رات کی تاریکی میں اس کے کمرے کی کھڑکی سے چاند اس کے کمرے میں جھانک رہا تھا۔اور فلک زمین پہ بیڈ سے پُشت ٹکائے تھوڑی گھوٹنے پہ ٹکائے چاند کو دیکھتی مسلسل رو رہی تھی۔

اسے ہوسٹل میں آج آئے دوسرا روز تھا زین نے اسے چھوڑ تو ادھر دیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا۔کہ جب تک وہ اس کے گھر میں تھی اس کے اچھے بُرے کا ذمہ دار وہ تھا لیکن اب سے آج سے وہ کچھ بھی کرتی ہے اس کی ذمہ دار وہ خود ہو گی۔فلک جانتی تھی اس بات کا کیا مطلب ہے۔وہ اس سے صاف لفظوں میں ہاتھ اُٹھا رہا تھا۔زین کے الفاظ سُننے کے بعد اسے اپنے آپ مزید اکیلا اور بے بس محسوس ہونے لگا تھا۔وہ لاکھ خود کو بہادر ظاہر کرتی

لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھی جو ہمیشہ ہی لوگوں کے حصار میں رہتے ہیں۔جن کے لوگ شیدا رہتے ہیں۔لیکن اب اس پہ وہ وقت آن پڑا تھا کہ اس کہ وہ بالکل تنہا تھی۔جس نے نکاح کر کے اسے حویلی سے رُخصت کیا گیا تھا وہ شخص بھی اسے چھوڑ گیا تھا۔فلک کے رونے میں مزید شدت آ گئی۔

اس کے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔اور اس کی آواز کمرے میں گونج رہی رہی۔

اللہ جی دیکھیں میرے پاس کوئی نہیں ہے۔

دیکھیں میری اچھائی کا مجھے کیا صلہ مل رہا ہے۔مجھے سب نے چھوڑ دیا۔سب نے مجھے بوجھ سمجھ کے دھدکار دیا۔

دیکھیں اللہ جی۔۔۔مجھے رُسوانے کرنے والے خود کتنے پُرسکون ہیں۔کتنے مزے میں ہیں۔اور ایک میں ہوں۔۔۔جو بالکل بے یارو مددگار۔وہ اس وقت شدید خود اذیتی میں مبتلا تھی۔کوئی سُجھائی نہیں دے رہا تھا وہ کس سے بات کرے کسے اپنے اندر کا غم سُنائے تو اپنے رب ہی کو بلا لیا۔

انسان وہ ہیں جو ذرا سے شک کی بنیاد پہ انسانوں کو تنہائی کے مضبوط قلعے میں بند کر کے چلے جاتے ہیں۔اور ہمارا رب وہ ہے جو سمدر کی گہرائی میں ڈرے سہمے حشرات کو بھی دلاسہ دیتا ہے۔پہاڑوں میں قبروں میں برف میں دبے انسانوں کے حال سے بھی وقف رہتا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

انسان میں لاکھ بُرائی دیکھتا ہے لیکن جب دیکھتا ہے کہ میرا بندہ بہت سارے انسانوں میں بھی غیر محفوظ اور خوفزدہ ہے تو فوراً حوسلہ دیتا ہے کبھی نہیں کہتا کہ تم نے فلاں وقت فلاں گناہ کیا تھا۔کبھی طعنہ نہیں دیتا۔کبھی نہیں جتاتا۔

تو جب لگے کہ آپ اکیلے ہو آپ کو سُننے والا کوئی نہیں تو محسوس کریں کہ کوئی ہے جو ہمیشہ سے ہے۔آپ کے پاس ہمیشہ سے تھا۔بس آپ نے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا۔محسوس کریں اور کہہ دیں۔۔۔نہ بھی کریں تو بھی کہہ دیں۔خُدا کو کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن ہم انسان چاہتے ہیں کہ ہم کسی کو اپنا غم سُنائیں۔تو خُدا تو بہترین غم سُنتا ہے اور پھر غموں کو دور بھی کر دیتا ہے۔فلک نے خُدا کو غم سُنانے کے لئے چُنا تھا اس نے بے شک بہترین انتخاب کیا تھا۔شائد وہ سمجھ چکی تھی۔کہ انسانوں کے سہارے محض وقتی سہارے ہوتے ہیں۔انسان ہم سے محض زندگی کی وجہ سے جُڑے ہیں۔جس دن جس کی ڈور کٹ گئی وہ الگ ہو کر کہیں دور چلا جائے گا۔اپنے کے حال سے بالکل الگ۔غموں سے بالکل الگ۔

اپنوں کو کھونے کا غم شائد وہ زندگی میں پہلی بار محسوس کر رہی تھی۔اس کے ساتھ پہلی بار ایسا ہو رہا تھا۔کہ وہ کسی ایسے انسان کو اپنی آنکھوں کے جاتا دیکھ رہی تھی۔جس سے اسے شدید محبت تھی۔

وہ رسی کے ساتھ بندھی تھی۔اس کی پُشت بازو ٹانگی سب رسی سے بندھے تھے۔اور ممی اس کے بالکل سامنے کرسی پہ بیٹھی تھی۔جب۔۔۔جب شہریار اکرام نے لوہے کی راڈ اس کے سامنے ممی کے سر میں دے ماری تھی۔

کیا تھا وہ لمحہ کیا۔۔۔کونسی گھڑی تھی تھی وہ۔ماں باپ انسان کی زندگی کا وہ سرمایہ ہوتے ہیں جن سے انسان کو پیدا ہوتے ہی محبت اور انسیت ہو جا تی ہے۔اور پھر وہ وقت سے ساتھ بڑھتی جاتی ے بڑھتی جاتی ہے۔کبھی کم نہیں ہوتی۔مرنے تک وہ محبت ساتھ رہتی ہے۔

وہ تکلیف سے چیخ رہی تھی۔رو رہی تھی۔اور ممی کے ماتھے سے نکل کر خون ان کی قمیض میں جزب ہو رہا تھا۔

مم۔۔۔ممی۔کرسی سے بندھی وہ چیخی۔شہریار اکرام تیزی سے اس جگہ سے نکل گئے۔شائد اُنہیں اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔

ممی۔۔۔ممی پلیز آنکھیں کھولیں ممی پلیز آپ کو اللہ کا واسطہ میری طرف دیکھیں۔بلند آواز میں چیختی خود کو رسی سے آزاد کروانے کی کوشش کرتے وہ بلک رہی تھی۔اس کا رؤں رؤں اس کی آنکھیں اس کے ہاتھ بنا ہوا تھا۔لیکن وہ رسی اس ظالم نے اتنی کس دی تھی کہ نمرہ کے لئے خود چھڑوانا مشکل تھا۔

ممی۔۔۔اللہ جی دیکھیں میری ممی۔۔۔

می پلیز آنکھیں کھولیں می میری طرف دیکھیں پلیز می۔۔۔

می اپنی نمرہ کو دیکھیں۔وہ روتے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔اور سورج آہستہ آہستہ جہاں آرا کی زندگی کے ساتھ غروب ہوتا جا رہا تھا۔

کیا کبھی کسی شخص نے اپنی آنکھوں سے ایسا لمحہ دیکھا ہو گا۔کہ جب کوئی اس کی ہنستی مسکراتی ماں کے سر میں بھاری شے مار کر اسے مار دے۔اور وہ شخص سامنے بیٹھا محض بے بسی سے روتا رہئے۔

ایسے انسان کی زندگی باقی کیا رہ جاتی ہو گی۔۔۔

شائد کچھ نہیں۔ایسے شخص کے لئے زندگی کی چند سانسیں بھی بھاری ہوتی ہیں یوں جیسے اس کی کمر پہ کئی ٹن وزن لاد دیا گیا ہو۔

ماں اس کی کل کائنات تھی۔اس کے پاس کل دو خالص رشتے تھے جن میں جہاں آرا وہ تھیں جو اسے کسی مشکل حالت میں کبھی نہ چھوڑتیں۔

دو ظالموں نے محض محبت نفرت اور انا کی جنگ میں اس سے اس کی ماں چھین لی تھی۔

سورج آہستہ آہستہ فیکٹری کی نظر آتی کھڑکیوں سے اندرر جھانکتا غروب ہو رہا تھا۔اور جہاں آرا کی روح اس کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔مسلسل بیس منٹ تک رونے اور چیخنے کے بعد نمرہ اپنے حواسوں سے بیگانہ ہو گئی تھی۔شائد اس

کی وجہ اس کا یقین میں مبتلا ہوجانا تھا کہ اس کی ماں اب دنیا میں نہیں رہی۔اس کی ماں نے اس کے سامنے جان دی۔اس نے ان کا خون ان کے وجود سے رستے دیکھا تھا۔اور اس کی برداشت یہی تک تھی۔کہ وہ محض رسی سے بندھی بے تحاشا روتی رہے چیختی رہی اور پھر بے حوش ہو جائے۔

جس وقت بے حوش ہو کر اس کی گردن کُرسی سے ڈھلکی جہاں آرا نے عین اُسی لمحے مڑ کر جاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

اور پھر شائد یوں ہوا ہو کہ وہ اس کے قریب چلی آئیں ہوں بے حوشی میں اس کے ماتھے پہ چمٹے بالوں کو نرمی سے ہٹا کر اس کے گال پر آخری بوسہ دیا ہو۔اور پھر کچھ بھی کہے بغیر چلی گئیں ہوں۔شائد جاتے وقت وہ بھی غم زدہ ہوں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عبداللہ کی مسلسل حالت غیر ہو رہی تھی۔کوئی کال کوئی میسج اس تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔اور وہ جس حد تک جا کر سوچ رہا تھا۔۔۔اس کا سانس بند ہونے لگا تھا۔

اسے ڈر تھا کہ کہیں نمرہ اور جہاں آرا کی مُلاقات کا مان اور ضیاء کو علم نہ ہو گیا ہو۔وہ جانتا تھا ضیاء کو اگر لمحے کو بھی علم ہو گیا کہ وہ جہاں آرا سے ملتی ہے تو وہ اسے مارنے میں لمحہ نہیں لگئے گا۔

عبداللہ کی دھڑکن سوچتے کی رفتار پکڑ لیتی تھی۔

عبداللہ نے ایک آخری آس کے تحت نمرہ کے نمبر پہ کال ملائی تھی۔لیکن اس بار قسمت نے اس کے ساتھ کچھ اور کھیل کھیلنے کا سوچا

اس نے تین بیل ہی ابھی دیں تھیں جب دوسری طرف سے کال اُٹھا لی گئ۔عبداللہ کو لگا اسے ایک دم سے کسی نے آکسیجن دے دی ہو۔ورنہ پہلے تو وہ مر رہا تھا۔

نمرہ۔۔۔نمرہ تم کہاں تھا۔

تم جانتی ہو میں پیچھلے ایک ہفتے سے پاگلوں کی طرح تمہیں کال کر رہاہوں۔جوش میں اس کی آواز خاصی بلند ہوگئی۔عبداللہ کا بس چلتا تو خوشی سے بھنگڑا ڈالنے لگتا۔

لیکن دوسری جانب کا خالص امریکی لہجہ سُن کر وہ ساکت ہو گیا تھا۔

دوسری جانب کوئی مرد تھا کوئی بڑی عمر کا مرد جو اسے بتا رہا تھا کہ اسے موبائل جنگل میں گرا ملا تھا۔فون آف تھا۔اس نے آن ہی کیا تھا کہ عبداللہ کی کال آنے لگی۔تو اسنے یہ بتانے کے لئے کال اُٹھالی کہ وہ فون کے مالک کو فون کا بتا دے۔لیکن عبداللہ نے مقابل کی سُننے سے قبل ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔

عبداللہ جو کمرے میں ٹہل رہا تھا لمحے بھر کو ساکت ہو گیا۔اسے لگا اس کے سارے وہم درست ہونے لگے ہیں۔اسے کے ہاتھ سے فون گرتا زمین بوس ہو گیا تھا۔اور وہ محض اس ایک لمحے میں مقید ہو کر رہ گیا۔

ایسا ہمیشہ ہوتا ہے۔۔۔کہ جن سے محبت ہو بے تحاشا محبت ہو ان کے ہجر میں رونا ضرور پڑتا ہے۔سب کچھ پلیٹ میں رکھ کر نہیں ملتا محبت تو بلکل نہیں۔

محبت کرنی پڑتی ہے سو ریاضتیں ہوتیں سو طواف ہوتے ہیں پھر جاکر محبت ملتی ہے۔

اگر وہ اس کے ساتھ تھی اسے لگا تھا وہ اسے مل گئی۔

اتنی آسانی سے۔۔۔یہ اس نے کیسے سوچ لیا تھا۔

اب تو سہی علم ہونا تھا اس کی محبت اس کی تڑپ کا۔اب ہی کو کھوٹے کو کندن اور کندن کو کھوٹہ بنانے کا وقت تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

مان آفندی نے مسکراتے ہوئے دسرہ آپی کے نمبر پر کال ملائی لیکن کال بجائے اُٹھانے کے کاٹ دی گئی۔اس نے تیزی سے میسج لکھنا شروع کیا۔۔

کال اُٹھاؤ میری۔لکھ کر بھیجا۔

جواب بھی فوراً موصول ہوا۔

میں تم سے بات نہیں کر سکتی۔

کیوں؟

کیونکہ میں کرنا نہیں چاہتی۔وہ یقیناً اس کی بلیک میلنگ سے چڑ چکی تھیں۔مان کے چہرے پہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔۔

ہاں ٹھیک ہے۔۔۔مت کرو۔مجھے کوئی عتراض نہیں۔بس ذرا اپنے ابا کو میرا ایک چھوٹا سا پیغام دے دینا۔

پیغام بتانے کی میرا خیال ضرورت نہیں ہے۔۔مسکراتے ہوئے اس نے خاصا تفصیلی جواب لکھ کر بھیجا اور پھر اپنے آرام دے بستر پہ دراز ہو گیا سدرہ کا دل چاہا ہاتھ میں پکڑا فون زمین پہ دے مارے۔لیکن قسمت خراب کہ اس سے بھی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا تھا۔

مان آفندی نے حویلی سے آنے کے بعد آپی سدرہ کو بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا۔وہ حویلی کا ماحول دیکھ چکا تھا۔اور جانتا تھا کہ اگر ذرا بھی کسی کو آپی سدرہ کے کرتوتوں کی بھنک پڑ گئی تو وہ اسے زندہ درگور کرنے میں لمحہ نہیں لگائیں گے۔اور اسی بات سے فائدہ اُٹھا کر وہ آپی سدرہ سے رابطہ رکھے ہوئے تھا۔اس رابطے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے کھڑکیوں کے سامنے لگے پردے ہٹائے اور مڑ کر ایک پُرسوچ نگاہ کمرے پہ ڈالی۔آج صبح سے ہی وہ کمرے کی صفائی میں لگی تھی۔اورابھی کچھ دیر قبل ہی وہ فارغ ہوئی تھی۔فلک نے گہرہ سانس لے کر آنکھیں سکیڑ کر کھڑکیوں سے نظر آتے ماحول کو دیکھا۔

تیز دھوپ میں باغیچے کی گھاس چمک رہی تھی۔اور گیٹ کے پار سے تار کول کی سڑک تیزی دھوپ میں پگھلتی محسوس ہو رہی تھی۔آسمان پہ کہیں دور ایک چیل بھی چیخ رہی تھی۔جس کی آواز سڑک پہ وقفے وقفے سے بھاگتی گاڑیوں میں بعض اوقات دب جاتی۔

فلک نیچے آپ کے مہمان آئے ہیں۔وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی اپنی ہی سوچ میں غرق تھی جب باجی صوبیہ نے کمرے میں جھانکتے پیغام رسانی کا کام کیا تھا۔فلک نے مڑ کر ان کی جانب دیکھا۔

کون آیا ہے؟ وہ نہ جانے کیوں واڈروب کی جانب بڑھی۔شائد لباس بدلنے کی خواہش تھی یا کسی سے نہ ملنے کی پتہ نہیں بس وارڈن نے پیغام بھیجا ہے۔ان کے دفتر میں ہیں جو کوئی بھی ہیں۔صاف سُتھرے کمرے کو دیکھتے اُنہوں نے فلک سے مسکرا کر کہا تو فلک نے سر ہلا دیا۔

اچھا آپ چلیں میں آتی ہوں۔

کپڑے بدلنے کو رہنے دو۔مہمان شائد کافی دیر سے آئے بیٹھے ہیں۔وہ کپڑے

نکال رہی تھی۔صوبیہ باجی نے ٹوک دیا۔فلک نے ہونٹ بھینچ لئے۔اس سے ملنے کس کو آنا تھا۔کون آ سکتا تھا اس سے ملنے۔

اچھا چلیں پھر۔نکلنے سے قبل اس نے بالوں پہ ہاتھ پھیر کر ان کو درست کرنے کی کوشش کی کندھوں پہ دوپٹہ درست کیا اور پھر کمرے سے نکل گئی۔پیچھے ہی باجی صوبیہ تھیں۔

وہ جانتی تھی اس کی آنکھیں سُرخ ہیں۔وہ جانتی تھی اس کا حولیہ بد تر ہے لیکن اسے قوی اُمید تھی کہ اس سے ملنے والا یقیناً کوئی نہیں ہوگا وارڈن اور باجی صوبیہ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔

لیکن اس نے پھر بھی منع نہیں کیا۔وہ شائد خود کو اپنی اہمیت کو باجی صوبیہ کے سامنے بڑھانا چاہتی تھی۔یا پھر شائد یہ یقین کرنا ضروری تھا کہ اسے ملنے سچ میں کوئی نہیں آیا ہوگا۔

کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑے اس کے چہرے پہ مسکراہٹ غائب تھی۔اور اس کی جگہ بےبسی اور کچھ دیر میں ہونے والی خود ساختہ ہونے والی تذلیل نے لے لی تھی۔اس نے کمرے میں داخل ہونے سے قبل سیاہ کانچ کے دروازے کو دھیرے سے بجایا اور پھر چند سیکنڈ انتظار کرنے کے بعد دروازے کو کھول دیا۔

کمرے میں بیچو بیچ پڑے صوفوں پہ باوردی اپنی بھرپور وجاہت کو سمیٹے وہ بیٹھا

اس وقت اپنے فون پہ مصروف تھا باوجود اس کے کہ وہ جانتا تھا کہ فلک کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا۔۔فلک نے زین کو دیکھا تو اسے بے اختیار ہی سکون سا محسوس ہونے لگا۔اسے خوشی کے اس احساس نے بھر دیا کہ آج بھی اب بھی کسی کہ لئے اہم ہے۔اب بھی کوئی ہے جو اس سے ملنے آ سکتا ہے۔

وہ خاموشی سے آگے بڑھی اور پھر اس کے بائیں جانب کے صوفے پہ بیٹھ گئی۔وہ متواتر اپنے فون میں مصروف تھا۔فلک نے ہونٹ کاٹنے شروع کر دیئے۔وہ ا س سے تب تک بات نہیں کرنا چاہتی تھی جب تک کہ بات کا آغاز وہ خود نہ کر دیتا۔

مگر افسوس کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے فون سے بڑھ کر کمرے میں اس لمحے اور کوئی شے بھی قابل توجہ نہیں ہے اسکا آہستہ آہستہ دم گھٹنے لگا۔

تم نے کہا تھا اب تم کبھی میرے سامنے نہیں آؤ گے۔اب یہ خوبصورت چہرہ دیکھانے کی وجہ؟وہ یقیناً باوجود اپنے احساسات کے طنز کرنے سے بعض نہیں آئی تھی۔زین نے بمشکل مسکراہٹ روکی اور فون کو ساءڈ کے بٹن سے بند کرے میز پہ رکھ دیا۔

اور پھر شاہوں کا انداز بیٹھنے کا بھی کیا خوب تھا۔تانگ پہ ٹانگ چڑھائے بائیں بازو کو صوفے کی پُشت پہ پھیلائے اور دائیں ہاتھ کو ہونٹ پہ رکھے اس نے بغور فک کو دیکھا اور پھر جیسے تاسف سے گہرہ سانس خارج کیا۔

کیسی عورت ہو تم۔فلک کو لفظ عورت پہ ایک دم سے جیسے پتنگے لگ گئے تھے اس نے پہلو بدلا۔

سلام و دعا کی بجائے پوچھ رہی ہو کہ کیوں آیا ہوں۔۔۔تمہیں میرے آنے پہ خوشی نہیں ہوئی؟

نہیں۔۔۔میں تو شکر کر رہی تھی کہ جان چھوٹی۔اس نے نظر چورا کر کہا تو زین سیدھا ہوا کہتی ہو تو چلا جاتو ہوں۔

تو جاؤ۔وہ کہاں پروا کرنے والی تھی جھٹ کہہ دیا۔زین نے سر جھٹکا۔نہیں چلو اب کیا جانا کوئی کام ہے؟ منہ بنا کر اس نے پوچھا تھا

کس سے تم سے؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نہیں ڈولنڈ ٹرمپ سے۔وہ اسے چڑا رہا تھا اور وہ چڑھ رہی تھی۔فلک کے جواب پہ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔لیکن چونکہ وہ سر جُھکائے بیٹھی تو دیکھ نہ سکی تھی۔اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ اپنے حولئے سے بھی شرمندہ نظر آتی تھی۔

خیر کام تو ہے مجھے تم سے اسی سلسلے میں آیا ہوں۔لیکن تمیں دیکھ کر لگتا ہے تم وقع ہی آج کل بڑی مصروف ہو ہوسٹل کی صفائی ستھرائی میں۔میرے لئے تمہارے پاس کہاں وقت ہوگا۔بجائے اس کے کہ وہ اصل آنے کا مقصد بتاتا ادھر اُدھر کی ہانکنے لگا تھا۔فلک دانت پیس کر رہ گئی اور ایک بار خاصی

ناگواری سے آنکھیں اُٹھا کر اسے دیکھ بھی لیا۔زین اسے ہی دیکھ رہا تھا۔فلک نے واپس نگاہ اپنے ہاتھوں پہ مرکوز کر لی۔

مجھے تمہاری مدد چاہیئے۔آخر پھر اس نے کہہ ہی دیا۔فلک نے بےاختیار سر اُٹھایا۔

کیا چاہیئے؟ اسے لگا اسے سُننے میں غلطی ہوئی ہے۔

مجھے تمہاری۔۔۔فلک سُلطان تمہاری مدد چاہیے۔اب کی بار اس نے بھی اپنی بات میں وزن ڈالنے کو کہا تھا۔

کیسی مدد؟ فلک کے ماتھے پہ بل نمودار ہوئے۔زین اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ایک لڑکی کو گھر سے نکالنا ہے۔فون واپس اُٹھاتے اس نے اتنے آرام سے کہا تھا کہ فلک کو کچھ لمحے تو اپنے کانوں پہ یقین ہی نہ آیا تھا۔۔

کیا؟؟؟؟؟وہ چیخی۔زین نے اسے دیکھا اس کی پوری آنکھیں کھلی تھیں۔اب وہ واضح سرخی دیکھ سکتا تھا۔

تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے؟؟فلک کو اس کی یہ بات اپنی سخت توہین محسوس ہوئی تھی۔اس نے پولیس والوں کے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا تھا لیکن وہ لڑکیوں کو بھی اغواء کرتے ہیں اس کا علم اسے آج ہوا تھا اور زین کی بات سُن کر تو اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ زین مصطفٰی بھی ایسی گری ہوئی

بات کر سکتا ہے۔

تم روتی رہی ہو؟اس کی جانب دیکھتے اس نے کہا تھا فلک لمحے کو خاموش ہوئی۔لیکن پھر سنبھل گئی۔

یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔۔اور میں ایسے واہیات کام میں تمہاری ہر گز ہر گز مدد نہیں کروں گی۔آئندہ مجھے اپنی شکل مت دیکھانا۔کہہ کر وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔زین سرئت سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کا بازو پکڑ لیا۔فلک کو جھٹکا لگا اور وہ واپس صوفے پہ گر سی گئی۔

یہ کیا بد تمیزی تھی؟؟ماتھے پہ بے تحاشا بل اور لہجے کی ناگواری نے زین کو کافی کچھ جتایا تھا لیکن پھر بھی یوں ہی کھڑا رہا۔

وہ صوفے کے بازو پہ اپنا بائیاں ہاتھ رکھے دائیں سے فلک کا ہاتھ دبوچے ہوئے خاصا سنجیدہ تھا۔

میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔تمہیں ہر صورت میری مدد کرنی ہے۔

تم مجھے دھمی نہیں دے رہئے ہو۔؟

ہاں دے رہا ہوں۔پھر؟

اچھا چلو بتاؤ۔اگر میں تمہاری مدد نہیں کروں گی تو کیا کرو گے۔اور یہ۔۔۔میرا ہاتھ چھوڑو۔اپنا ہاتھ بہت غصے میں چھڑوا کر وہ سائڈ پہ ہو گئی تھی۔اس کا دل

چاہ رہا تھا زین کے بال دبوچ لے لیکن اس وقت وہ بہت سنجیدہ تھا اور وہ اس بُل کو چھیڑنے کی غلطی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

تو۔۔۔تو کو خاصا لمبا کیا۔تو میرے پاس تمہارے کزن۔۔۔

کیا نام تھا اس کا(زہن پہ جان بھوج کر زور ڈالا)ہاں۔۔۔چٹکی بجائی۔حنان ۔۔۔حنان احمد کو کال کروں گا اور اسے ساری حقیقت بتا دوں گا۔اور کہوں گا کہ آ کر تمہیں لے جائے۔آگے کیا ہوگا۔تم جانتی ہو قصہ ختم۔

تم کتنے چھوٹے ہو۔کتنی گھٹیہ حرکتیں۔۔۔

مدد کر رہی ہو یا نہیں۔اس کے برابر بیٹھتے اس نے اسے اندر ہی ٹوک دیا۔اس کا موڈ شدید خراب تھا۔

میں کسی کی بیٹی کو اغوا نہیں کرواؤں گی۔سمجھے تم۔۔۔اور اب ا گر تم نے مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔

تو؟ وہ فوراً اس کی جانب گھوما۔فلک کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔وہ کھسک گئی۔اس کا دل اب چاہنے لگا تھا وہ رو دے۔

زین تم مجھے ایسے بلیک میل نہیں کر سکتے۔آخر تنگ آ کر اس نے کچھ رونے والے انداز میں کہا تو زین فوراً رُخ بدل گیا۔وہ اس پہ دباؤ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ اس پہ مسلط ہوتی وہ ہو گیا تھا۔یہی اس نے ان

پانچوں کے ساتھ کیا تھا۔

مجھے تمہاری مدد چاہیۓ۔کل شام سات بجے تیار رہنا۔میں وارڈن سے بات کر لوں گا۔مزید اگر بحث ہوئی تو جو بھی ہو گا تم اس کی ذمہ دار ہو گی۔اس نے اسے اس قدر سخت لہجے میں کہا تھا فلک بس سر ہلا کر رہ گئی۔اور پھر اس سے قبل کہ زین مزید اسے ڈراتا وہ فوراً صوفے سے اُٹھی اور سائڈ سے نکلتی بھاگ گئی۔زین نے بمشکل مسکراہٹ روکی تھی۔

شیرنی اندر سے اتنی ڈرپوک ہے اسے اندازہ نہیں تھا۔اسے مزہ آیا۔

یہ بھی مزے کا کام ہے۔مسکرا کر اس نے وپس فون اُٹھایا اور باہر نکل گیا۔

نیلے شلوار قمیض پہ سفید دوپٹے کو گلے میں ڈالے فلک نے اپنے کافی رنگ بالوں کو پونی میں باندھا۔(جن کا رنگ اب آہستہ آہستہ ڈھلنے لگا تھا۔لیکن چونکہ پروا نہیں تھی تو بھاڑ میں جاتا رنگ)اور ایک بار پھر سے زین کے آئے میسج کو پڑھا۔

وہ وارڈن کے کمرے میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔اس نے میڈم سے کیا کہا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔وہ تو جا کر ہی معلوم ہونا تھا۔

شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر فلک نے آنکھوں پہ مسکارا لگایا پھر اوپر بڑا سا مصنوعی نظر کا چشمہ لگا لیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہونٹوں پہ ہلکی غالابی گلوس لگائی۔اور پھر مسکرائی۔

واہ فلک سُلطان صدقے تیری اس خوبصورتی پہ۔

ہائے اللہ کہیں مجھے نظر ہی نہ لگ جائے۔آنکھیں مٹکا کر اس نے گالوں پہ ہاتھ رکھ کر خود ستائشی انداز میں کہا۔اور پھر آخر میں ہنس دی۔

وہ آج نہ جانے کتنے عرصے بعد ہنس رہی تھی۔

زین نے اضطرابی انداز میں گھڑا پہ وقت دیکھا۔اور سر اُٹھایا تو فلک چلی آرہی تھی۔

چھوٹی سی سفید ہیل۔میں سادہ شلوار قمیض میں سفید دوپٹہ لئے وہ سادہ اور معصوم دکھ رہی تھی۔لیکن آنکھوں پہ لگے چشمے کو دیکھ وہ اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا پایا تھا۔اس نے فوراً چہرہ جھکا لیا۔فلک جانتی تھی وہ مسکرایا ہے۔لیکن بے پروا رہی۔

وارڈن نے اسے آتے دیکھا تو محض اس کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔اور واپس اپنے فون میں مصروف ہو گئیں۔

زین فوراً اُٹھ کھڑا ہوا۔

اوکے میم۔۔۔اللہ حافظ۔زین نے سنجیدگی سے اختتامیہ الفاظ کہے اور باہر کی جانب چل دیا۔فلک نے بھی سر ہلا کر خُدا حافظ کہا اور زین کے پیچھے ہی چل

دی۔

اچھی جوڑی ہے۔ان کو جاتے دیکھ کر میڈم نے سوچا اور پھر سر جھٹک کر فون کی سکرین پہ انگلی پھیرنے لگیں

زین نے باہر نکل کر کار کے قریب جاتے پہلے فلک کے لئے دروازہ کھولا اور پھر خود دوسری جانب سے ہوتا ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا۔فلک نے ایک بار پھر سے سامنے لگے شیشے میں اپنے عکس کو دیکھا۔اور گاڑی کے اندر کی روشنی جلا دی۔

زین چابی لگا چکا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین میں ایکٹرس تو نہیں لگ رہی؟ ایک دم سے کچھ سوچ کر اس نے زین سے پوچھا تھا۔زین جو سڑک کی جانب دیکھ رہا تھا نے چونک کر فلک کو دیکھا۔

ہلکے پھلکے سے میک اَپ میں اچھی دکھ رہی تھی۔

زین مسکرایا اور چہرہ موڑ لیا۔

باقی تو ٹھیک ہے بس یہ چشمہ لگانے کی میرا نہیں خیال کہ ضرورت تھی۔وہ شائد زیادہ فلمیں دیکھتی تھی۔کیونکہ فلموں میں ہی ایسے ہوتا ہے۔

نہیں۔۔۔چشمہ بالکل ٹھیک ہے۔اس نے چشمے کو ناک پہ ٹھیک کیا۔

چشمے ہی کی وجہ سے تو میں تھوڑی رپورٹر لگ رہی ہوں۔

نہیں ان چیزوں سے کوئی فرق نہیں پڑا۔اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ تم رپورٹر ہوئی۔

یہ ڈیش بورڈ کے نیچے کا کیبنٹ کھولو۔کہنے کے ساتھ اس نے اشارہ کیا تو فلک نے ایک ابرو اُٹھاتے کیبنٹ کھول دیا۔

اب دیکھو اس میں ایک سروس کارڈ ہو گا۔وہ تمہارا ثبوت ہے کہ تم رپوٹر ہو۔

فلک نے تعجب سے اسے دیکھا۔اور ہونٹ گول کرتے ہاتھ مار کر اندر سے سروس کارڈ نکال لیا۔

تم تو خاصے نقل باز ہو۔اور تو سب ٹھیک ہے یہ بتاؤ یہ تم نے تصویر کہاں سے لی تھی میری؟سروس کارڈ کو دیکھتے اس نے پوچھا تو زین سر پہ ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

ہنہ۔۔۔؟

کیا؟

اچھا یہ تصویر کا پوچھ رہی ہو؟

ہاں اسی تصویر کا کہاں سے لی ہے؟اس نے تصویر والے حصے کو اس کی جانب گھماتے پوچھا تھا۔زین کے ماتھے پہ بل نمودار ہوئے۔

کہاں سے لے سکتا۔تمہیں کیا لگتا میں تمہاری محبت میں گرفتار ہوں جو چھپ

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کر تمہاری تصویریں بناتا پھیروں گا۔

نہیں نہیں تم مجھے آج بتا ہی دو تم خود کو سمجھتی کیا ہو۔تم اپنی انہی حرکتوں کی وجہ سے حویلی سے نکالی گئی ہو۔۔آخری بات وہ اسے دبانے کے چکر میں کہہ تو گیا تھا لیکن پھر دل ہی دل میں لانت بھی بھیجی کیونکہ ایک دم سے فلک کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔سرخ و سفید رنگ ایک دم سے پیلا ہوا تھا۔

یہ زیادہ ہو گیا۔اس نے سوچا تو محض ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

گاڑی تیز چلاؤ۔اس نے زین کے پہلی بات کو نظر انداز کر دیا۔بولی تو لہجہ ہلکا سا کمزور تھا۔فلک نے افسردگی سے سر شیشے سے ٹکا لیا۔

بیچاری کا اچھا بھلا موڈ خراب کر دیا۔وہ سوچ کر رہ گیا تھا۔

ساری زندگی کا طعنہ ہے اب تو یہ فلک۔۔۔زین کی بات کو زیادہ دل پہ مت لگاؤ۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔وہ دل ہی دل میں خود کو حوصلہ دیتے کہہ رہی تھی۔

آج کافی دنوں بعد وہ چھت سے باہر نکلی تھی۔تازہ ہوا اور روشنیاں دیکھ کر اچھا اثر پڑے گا اسے تو یہی لگا تھا۔لیکن اپنے اندر وہ جیسے پھر سے حویلی والوں کی قیدی بن چکی تھی۔

زین نے ایک نظر اس کی خشک آنکھوں کو دیکھا اور سپیڈ بڑھا دی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دھڑا دھڑا نیب کاروائیاں کر رہا تھا۔ضیاء آفندی سمیت باقی تین کو پکڑ لیا گیا تھا۔لیکن ابھی فیصلہ نہیں سُنایا گیا تھا۔

جب سے شہروز اکرام نے اس سارے مسلے سے اپنے ہاتھ اُٹھائے تھے۔آہستہ آہستہ باقی پارٹیوں نے اور ان کی موجودہ پارٹی کے ارکان نے بھی استعفٰے دئے تھے۔نوابزادہ حق نواز اور اقبال بابر کی پارٹی ٹوٹ بکھر سی گئی تھی۔ایک مایوسی کی فضا ارکین میں پھیل رہی تھی۔جتنے کیس بھی نیب نے ان پہ چلائے وہ سب میں ناکامی کا سامنا کر رہے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.com

چیئرمین نیب کے خلاف بھی کیس چلانے کی کوشش کی گئی۔ایک مہم

Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بھی چلانے کی کوشش کی گئی۔چیئر مین کی کردار کشی کرکے لوگوں میں فیصلے کے خلاف ایک عام رائے بھی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔لیکن اس بار قسمت کا لیکھ کچھ اور تھا۔دنیا کے بڑے بڑے نیوز چینلز اور اخبارات نے ان کے کیسز سُنائے شروع کر دئے۔ان کی مارکٹ ویلیو ڈاؤن ہو گئی۔اور یہ تین چار لوگ لاکھ چیخیں مارتے یہ لاکھ خود کو مظلوم کہتے۔سوشل میڈیا اکٹیوسٹس اپنا کام بخوبی کر رہے تھے۔

فیس بُک ، انسٹا گرام اور ٹویٹر پہ فوج حکومت اور عدلیہ کے فیصلے کی بھرپور پزیرائی کی جاتی۔

ایک شکنجہ تھا جو ان چوروں کے خلاف بنایا گیا تھا۔بس ایک چیز میں نیب فلحال بے بس تھی۔اور وہ تھی شہروز اکرام کا اس کیس میں بچ جانا۔

اور یہی بات زین کو آگے جا کر مصیبت میں ڈال سکتی تھی۔مخالف پارٹیوں کے اراکین لاکھ شہروز اکرام کو بُرا بھلا کہہ لیتے۔لیکن شہروز اکرام اپنے اساسے ڈیکلئیر کروانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔کیسے ہوئے یہ ابھی معملہ سُلجھ رہا تھا۔

ٹھک ٹھک ٹھک۔۔۔۔

اس چھوٹے سے صحن والے گھر کے لکڑی کے دروازے پہ کسی نے بہت زور سے دستک دی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تبسم جو روٹیاں بنانے کے بعد منہ دھونے صحن میں لگے واش بیسن پہ جُھکی تھی نے سر اُٹھا کر اپنے بجتے دروازے کو دیکھا۔اور پھر چھپاکے سے چہرے پہ چولو بھر پانی ڈالا

امی دیکھیں دروازے پہ کون ہے۔باوجود منہ دھونے کے ایک دم سے آنکھوں میں صابن کی جلن ہونے لگی تھی۔اس نے دوبارہ پانی منہ پہ ڈالا۔

نوازش بیگم جو صحن میں ہی پنکھے کے سامنے بیٹھیں مغرب کے بعد تسبیح کرنے میں مصروف تھیں۔خاموشی سے اُٹھ کر دروازے کی جانب بڑھیں۔اور چٹخنی گرانے سے قبل سوراخ سے باہر جھانکا۔

پونی بنائے خوبصورت نقوش پہ چشمہ چڑھائے وہ لڑکی ان کے لئے انجان تھی۔اُنہوں نے اُلجھتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

فلک جو کہ بغیر پینٹ کی دیواروں کو کافی جانچتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔دروازہ کُھلنے پہ سامنے کھڑی بھاری بھرکم جسامت کی خاتون کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔وہ برواقت مسکرائی۔

اسلام علیکم آنٹی۔

وعلیکم اسلام بیٹا۔۔۔۔جی؟ جی کہنے کا انداز ایسا جیسے کہہ رہی ہوں بتائیں کیسے آنا ہوا۔فلک تھوڑا گڑبڑائی۔

اگر ان آنٹی نے مجھے پہچان لیا ناں کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں تو قسم سے ہڈی پسلی توڑنے میں منٹ نہیں لگائیں گی۔دل ہی دل میں سوچتے وہ گڑبڑائی تھی۔

میں اندر آ سکتی ہوں؟مجھے آپ سے ایک اہم بات کرنی ہے۔ساتھ ہی میں آپ کو اپنا تعارف بھی دے دوں گی۔مسکرا کر کندھے سے ڈھلکتے پرس کو سمبھالتے اس نے نرمی سے کہا تھا۔خاتون بھی جواباً مسکرائیں اور پھر ضرور کہہ کر رستہ سامنے سے چھوڑ دیا۔

تبسم نے ماں کے ساتھ انجان لڑکی کو دیکھا تو قدرِ تعجب سے ماں کو دیکھ کر ایک ابرو اُٹھا کر اشارے سے پوچھا کہ کون ہے۔تو اُنہوں نے بس مسکرانے پہ

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اکتاف کیا تھا۔

میں۔۔۔وہ اٹکی(نام تو بھول گیا)میں۔۔۔را۔۔رابعہ راجپوت۔بمشکل یاد کر کے اس نے قدرِ شرمندگی سے بتایا تو دونوں خواتین نے مسکرانے پہ محض اکتاف کرتیں۔

میں ایک رپوٹر ہوں۔ایک نجی چینل پہ آج کل کال کر رہی ہوں۔

نیوز کاسٹنگ کا پیچھے کا سارا کام میں کرتی ہوں۔زین کے سمجھائے کے مطابق وہ کہہ رہی تھی۔اس کے کہنے پہ دونوں ماں بیٹی نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔مطلب صاف تھا کہ وہ اس کے آنے کا مقصد جاننا چاہتی تھیں۔فلک نے صیحن میں نظر دوڑائی۔۔۔چھوٹا سا صحن ایک برامدہ اندر دو کمرے بائیں جانب برامدے میں باورچی خانہ۔

فلک اس وقت بہت اکوارڈ محسوس کر رہی تھی۔اس نے گلا کھنکارا۔۔۔

وہ اصل میں میرا چینل چاہتا ہے کہ آپ کے شوہر کی موت کے بارے میں رپوٹنگ کی جائے۔اور اصل قاتلوں کا ان کے انجام تک پہنچایا جائے۔

اصل میں۔۔۔ہمارا چینل انسانی حقوق کے لئے بھی کام کرتا ہے۔جیسے ایک این جی او۔کافی سوچتے اس نے آگے کہا۔تو خاتون نے پہلو بدلا تھا۔

میرے ابو کو فوت ہوئے تو دو ماہ ہونے کے قریب ہیں۔آپ کو۔۔۔میرا

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مطلب ہے آپ کے چینل کو اب ہی کیوں یاد آیا۔تب کہاں تھا آپ کا چینل جب یہ سب ہوا تھا۔ تبسم کافی زہین تھی۔فلک نے تھوڑا جھجک کر ابرو کھجایا۔زین تمہیں اللہ پوچھے منحوس آدمی۔دل ہی دل میں زین کو صلواتیں سُناتے وہ سیدھی ہوئی۔

ہم نے سُنا تھا کہ آپ کیس بند کرنا چاہتے ہیں۔

اور واقع کو حادثاتی موت قرار دینا چاہتے ہیں۔چونکہ ان دِنوں حالات آپ پہ کافی سخت تھے تو ہمارے چیئرمین کا فیصلہ تھا کہ جب آپ اس سارے ٹرامہ سے کچھ سنبھل جائیں تبھی آپ سے بات کی جائے۔

دوسرا۔۔۔اگر آپ خبریں سُنتی ہیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ دو ماہ سے مسلسل کرپشن کیسز کی طرف ساری قوم متوجہ تھی ایسے میں اگر کیس کُھلتا بھی تو عوام کچھ عرصہ یاد رکھتی اور پھر بھول جاتی۔اور کیس بہت ساری فائلوں کے ساتھ کہیں دب جاتا۔اگرچہ وہ کافی عقل مندی سے معملے کو سمبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔لیکن بار بار اس کی نظر آنٹی کے بھاری بھرکم ہاتھ کی طرف جا رہی تھی۔

فلک نے کچھ سوچتے سروس کارڈ تبسم کی جانب بڑھا دیا۔

تبسم نے خاموشی سے کارڈ دیکھا اور پھر واپس اس کی جانب بڑھا دیا۔اس لمحے فلک نے سُکھ کا سانس لیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

محترمہ بات یہ ہے کہ جو قیامت گزرتی ہے وہ صرف جس پہ بیتتی ہے وہی محسوس کر سکتا ہے۔اور دوسری بات لوگ اب بھی اس کیس کو محض نو بجے کے بولیٹن تک یاد رکھیں گے اور پھر سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں گے۔لیکن۔۔۔وہ رُکی۔فلک آنکھیں سُکیڑے اسے ہی دیکھ رہی۔

لیکن اس سب کے بعد جو جان ہماری عذاب ہو گی وہ مجھے آپ کو بتانے یا سمجھانے کی ضرورت نہیں۔میری ماں میرے بہن بھائیوں کا اندر باہر جانا مشکل ہو جائے گا۔

اور پھر کیا شئیورٹی ہے آپ کو کہ یہ کوئی حادثاتی موت نہیں بلکہ ایک قتل ہے۔وہ لڑکی طالبعلم نہیں تھی پوری کی پوری وکیل تھی۔فلک کو شدید کوفت محسوس ہوئی۔وہ کب ایسے لوگوں کے منہ لگا کرتی تھی۔ناک ہی محترمہ کی اتنی اُونچی تھی۔

میری اس کیس کے افسر سے بات ہو چکی ہے۔۔۔اور ان کا کہنا ہے کہ آپ یہ کیس جیت سکتی ہیں اگر آپ ان کا ساتھ دیں۔فلک نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

دیکھو بیٹا۔۔۔میں ان کے(تبسم کی طرف اشارہ کیا) ماموں سے بات کی تھی۔ان کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ کیس ختم کروا دیا جائے۔خاتون جو کہ خاموشی سے بات سُن رہی تھیں۔اس سارے عرصے میں پہلی بار بولی تھیں۔فلک نے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سمجھ کر سر ہلایا۔

کیا آپ نے مقتول کے بھائیوں یا بہنوں میں سے کسی سے بات کی؟

جی۔۔۔ہم نے ان سے بھی مشورہ کیاتھا۔اور یہ ہم سب ہی کا فصلہ ہے۔ تبسم نے تیزی سے خشک لہجے میں کہا تو فلک اسے دیکھنے لگی۔اب فلک کو اپنی اَنا کا مسلہ نظر آ رہا تھا۔فلک نے اپنی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

شام کے سات پینتیس ہو رہے تھے۔اسے اب ادھر سے جانا تھا۔

میں صرف آپ کو اتنا کہوں گی۔کہ مقتول کا حق ہے کہ ان کو حق ملے۔۔۔کیا مجھے ایک گلاس پانی ملے گا۔؟خاتون کی جانب دیکھتے اس نے کہا تو بمشکل گھٹنوں پہ وزن ڈالتے وہ اُٹھ کر باورچی خانے کی جانب بڑھی تھیں۔فلک نے گلا کھنکارا۔

آپ کی والدہ شائد بیمار ہیں۔فرش کو گھورتی ماتھے پہ بل لئے بیٹھی تبسم کو دیکھ کر فلک نے ذومعنی انداز میں کہا تو اس نے فوراً سر اُٹھایا۔

جی۔۔۔کچھ بیمار ہی ہیں۔فلک کے چہرے پہ اب شیطانی مسکراہٹ تھی۔وہ زندگی میں پہلی بات کسی کو ایسے بلیک میل کرنے والی تھی۔اسے تو سوچ کر ہی مزہ آیا۔فلک آگے کو جُھکی۔

میں نے سُنا ہے کہ کالج کا پروفیسر آج کل تمہیں تنگ کر رہا ہے۔اکثر تمہیں

اپنے روم میں بلاتا ہے۔اور ہریس کرتا ہے۔مگر چونکہ آنٹی جی(باورچی خانے کی جانب اشارہ کیا)بیمار رہتی ہیں تو تم اُنہیں بتانے سے گھبراتی ہو۔دوسرا اگر خاندان والوں کو خبر ہو گئی تو۔۔کافی بدنامی ہو گی۔۔۔نئ؟وہ اس وقت خود کو جیمز بونڈ کی فلم کی کاسٹ سمجھ رہی تھی۔ایک مشن پورا کرنے کے لئے لوگوں کو بلیک میل کرنا۔۔ایسا ایڈوینچر تو وہ پہلی بار کر رہی تھی۔تبسم نے ضبط کرتے ہونٹ بھینچ لئے۔بولی انداز خود کو قابو کرنے والا تھا۔

کیا چاہتی ہیں آپ؟

تم ابھی تک نہیں سمجھی۔۔۔فلک ہنسی جیسے اس کی نادانی اور کم عقلی کا مزاق اُڑایا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہم چاہتے ہیں کہ تم ایک نیوز کانفرنس کرو۔۔۔سب چینلز تمھیں کورج دیں گے۔

اور وہ چینل بھلا کونسے ہوں گے۔؟

سوشل میڈیا۔۔۔کہہ کر مسکراتے فلک اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔تبسم نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

تم سمجھ جاؤ گی۔۔۔یہ میرا نمبر (بیگ کی باہر کی زپ سے ایک کاغز کا ٹکڑا نکالا)ہے اس پہ کال کر دینا۔میرا خیال ہے اب ہمیں مزید اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔

چلتی ہوں۔کہہ کر وہ چل دی تھی۔

خاتون جو پانی لے کر آئی تھیں۔فلک کو جاتے دیکھ کر رہ گئیں۔تبسم نے تیزی سے پانی کا گلاس اُٹھا کر منہ کو لگا لیا۔اور ہاتھ میں پکڑے نمبر کو مُٹھی میں مُقید کر لیا۔

زین مصطفٰے خُدا پوچھے تمہیں منحوس آدمی۔

ہم یہاں کیا کر رہیے ہیں؟

یہ ایک چھوٹا سا ریستوران تھا جہاں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔فلک نے کچھ تعجب سے ارد گرد ماحول کو دیکھتے زین سے پوچھا تو زین نے جواب دینے سے قبل گلاس اُٹھا کر چند گھونٹ پانی پیایا تھا۔

تمہاری نئ نوکری کی خوشی میں ڈنر کرنے آئے ہیں۔سنجیدگی سے کہہ کر اس نے فلک کو دیکھا تو فلک ہنس دی۔

کونسی نوکری زین مصطفٰے صاحب۔۔۔؟میں جوب لیس ہوں۔بے پروائی سے کندھے اچکا کر اس نے مینیو کارڈ کھول لیا۔ظاہر ہے اب وہ کہہ نہیں رہا تھا تو کیا۔کھانا ہی کھانے آئے تھے وہاں۔

نہیں آج سے نہیں ہو۔اس نے بھی اب مینیو کارڈ کھولتے کہا تو فلک نے

تیزی سے سر اُٹھایا۔

مطلب؟

تم میرے انڈر ہو۔

اور اس بات کا مطلب اگر آپ تھوڑا اور واضع کر دیں تو۔۔۔

چھوڑو۔۔۔بعد میں۔۔۔پہلے کھانا آڈر کر دیں۔وہ جانتا تھا۔اگر اس ڈائن کو ابھی کھانے سے قبل پیچھے پڑوا لیا تو کھانا حرام کر دے گی۔ تبھی بات کو کل یا پرسوں کرنے پہ چھوڑ کر قریب آتے ویٹر کی جانب وہ متوجہ ہو چکا تھا۔فلک کو غصہ آیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین نے کھانا آڈر کیا تو فلک سے پوچھا تک نہ سب اپنی مرضی سے آڈر کیا ۔فلک کا دل چاہ رہا تھا۔جا کر زین کو یہیں باورچی خانے میں گرم توے پہ بیٹھا دے۔زیہن میں آتے اس عجیب سے خیال کو اس نے بہرحال بمشکل دبایا تھا بمعہ مسکراہٹ۔

کھانا خاصی خاموشی میں کھایا گیا۔دونوں ہی اپنے اپنے فونز میں مصروف رہے۔وجہ اس بڑھ کر اور کیا ہو سکتی تھی۔کہ دونوں ہی ایک حد تک ایک دوسرے کو ناپسند کرتے تھے۔زین کا تو خیر اللہ ہی وارث تھا۔اس نے لمحے کو بھی سر نہ اُٹھایا تھا۔مائیں جو کہتی ہیں۔

وڑ جا اپنے اس پیو چے۔۔۔وہ فقرہ فلک کے زیہن میں زین کو دیکھ کر آ رہا تھا۔اور خود وہ بھی زین سے کم نہیں تھی۔لگتا تھا جیسے سارے سال کا نیوز فیڈ آج ہی چیک کر لے گی۔

کھانا کھایا گیا تو زین نے چائے منگوا لی۔پھر دونوں نے ہی اپنے اپنے فونز واپس رکھے اور سر اُٹھا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

جب ناپسندیدہ ہمسفر ہو تب ایسے ہی ہوتا ہے۔

دونوں کی زندگیاں ایک دوسرے سے اتنے عجیب انداز میں ٹکرائی تھیں کہ دونوں کی ایک دوسرے کے بارے میں رائے بالکل بدل چکی تھی۔زین کی زندگی ویسے بھی آج کل بہت مصروف چل رہی تھی۔ایسے میں فلک کی طرف اس کا دھیان جانا خاصا مشکل تھا۔جبکہ دوسری طرف فلک سلطان کو سوائے اپنے گھر اپنی حویلی کے اور کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔وہ زین کو دیکھتی تو دیکھتی بھی کیسے۔

اچھا تم کچھ کہہ رہیے تھے۔چائے کے کپ کو اپنے سامنے رکھتے فلک نے زین کو اس کی کچھ دیر قبل کی بات یاد دلائی تو وہ جو چائے میں چینی ملا رہا تھا اس کی جانب چونکا کر دیکھنے لگا۔

کونسی بات؟جانبھوج کر انجان بنا۔

وہی کہ میں تمہارے انڈر ہوں۔ہاتھ ہلا کر اس نے کہا تھا۔زین نے سر اثبات

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں ہلایا۔

تم آج سے میرے انڈر ہو۔اور جو میں تم سے کہوں گا تمہیں وہ کرنا ہوگا۔چائے کا گھونٹ لے کر کپ واپس رکھتے زین نے کہا تو فلک نے آنکھیں گھومائی تھیں۔

اچھ(طنز) تم جیسے سائیقو کے ساتھ میں کام کروں گی؟

نہیں میرا دماغ نہیں خراب۔اس نے خاصی بد لیحاظی سے کہا تو زین کے ماتھے پہ ناگواری کے بل اُبھرے۔لیکن خیر ہماری تو جوتی کو بھی پروا نہیں تھی۔

میرے ساتھ کام کرنے کا پہلا اُصول۔وہ کہہ رہا تھا۔فلک نے پہلو بدلا۔

جتنا کہا جائے گا اُتنا کروگی۔

کوئی سوال نہیں کرو گی۔اور بدتمیزی تو بالکل نہیں کرو گی۔انگلیوں پہ اسے یاد کرواتے۔وہ اپنی بات پہ قائم تھا۔فلک اسے بے تاثر چہرے کے ساتھ دیکھتی رہی۔

مجھے لگتا ہے تمہارے کانوں کی کافی عرصے سے صفائی نہیں ہوئی۔

میں۔۔۔۔نے۔۔۔کہاہے۔۔۔کہ میں تمہارے ساتھ۔۔۔کام نہیں کروں گی۔اب کی بار اس نے واضع الفاظ کھول کھول کر ادا کیے تھے یعنی واضع کر دیا تھا کہ اب وہ مزید اس کی بلیک میلنگ میں نہیں آئے گی۔

میں نے سُنا ہے آج تمہارے کزن اور حنان(حنان بھی توکزن ہی تھا)کا ولیمہ تھا۔مجھے نہیں لگتا کہ تم ان کی ہیپی لائف کو خراب کرنا چاہو گی۔مسکراتے ہوئے اب کی بار ا سنے فلک کےزخم پہ پاؤں رکھا تھا وہ بھی جوتوں سمیت۔فلک بلبلا اُٹھی۔

بھاڑ میں جاؤ تم۔زندگی میں شائد ہی کبھی حنان اسے اتنا بُرا لگا ہو جتنا اس وقت لگ رہا تھا۔

زین نے جواب میں بے نیازی سے شانے اُچکا دیے۔ہاں ٹھیک ہے۔کام نکوالنے کے لئے اگر اسے بھاڑ میں بھی جانا پڑتا وہ یہ بھی کر سکتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تارا۔۔۔تارا؟

تارا دلان میں چچی کے ساتھ مورنگ شو دیکھنے میں مصروف تھی جب کمرے میں سوتا حنان نہ جانے کب اُٹھا اور تارا کو بلانے لگا۔چچا فیضان کے حکم پہ آج کل حنان اپنے ولیمے کے بعد سے گھر ہی پہ تھا۔نہ ہوتا اگر ابا کا حکم نہ ہوتا۔

لگتا حنان اُٹھ گئے۔ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے نِک سک سے تیار وہ خاصی تازہ دم لگ رہی تھی۔حنان نے پکارہ تو جھٹ اجازت مانگ کر اُٹھ گئی۔چچی جان کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

میں کب سے تمہیں بلا رہا ہوں۔کہاں مر گئی تھی تم۔دھاڑتے اس نے کمرے

میں آ کر کھڑی مسرور سی تارا کو دیکھتے کہا تو تارا جیسے ہوا میں بلندیوں میں اُڑ رہی تھی۔ایک دم سے واپس زمین پہ آن گری۔

مردوں کو عورتوں کو بلندی سے واپس زمین پہ لانا بخوبی آتا ہے۔

حنان نے خود کو تارا کے سامنے کمپوز کرنے کی کوشش کی۔تین چار دن تک تو وہ غصہ دباتا رہا۔لیکن پھر اُکتا کر ایک دم سے سارا غصہ نکال باہر کیا۔وہ تارا کو جب جب دیکھتا تھا۔اسے فلک یاد آتی تھی۔وہ لڑکی اس کی نسوں میں خون کی صورت دوڑتی تھی۔اسے بھول جانا ایسا تھا جیسے اپنے وجود سے سارے خون کو نکال باہر کرنا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حنان یہ آپ۔۔۔

میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟اس کی بات کاٹ کر وہ پھر سے دھاڑا۔اور اسے بازو سے کھینچ کر جھٹکا دیا۔تارا کراہ کر گئی۔

نئی نئی شادی کا نشہ اُتر چکا تھا۔

میں جب کمرے میں تھا مجھے تمہاری مدد کی ضرورت تھی تو تم کیا کرنے گئی تھی باہر۔اس کے بازو کو کمر سے لگائے۔وہ اس کے کان کے قریب ایسے دھاڑا کے تارا کو لگا اس کے کان کے پردے جواب دے گئے ہوں۔خوف کی لیہر اور کندھوں کی درد نے اس کی آنکھوں کو تیزی سے نم کیا۔

ح۔۔حنان چھوڑیں میرا بازو بہت درد ہو رہا ہے۔

درد۔۔۔درد تم سب کو صرف اپنے درد کی پڑی ہے۔میں کیا کروں بتاؤ مجھے۔میں کہاں جاؤ۔؟اس کے بازو کو ایک بار پھر جھٹکا دیتے اس نے کہا تو تارا سسکنے لگی۔

حنان آپ مجھے بتائیں آپ کو کیا مسلہ ہے۔۔۔

پلیز میرا بازو۔سسکتے اس کی منت کرتے وہ کہہ رہی تھی۔حنان نے اسے جھٹکا دے کر دور کیا۔تو وہ کلائیوں کے بل فرش پہ گری۔

میرے درد کو تم لوگ نہیں سمجھو گے۔

اور آئندہ جب تک میں اُٹھ نہ جاؤ کمرے سے مت نکلنا۔نئے احکامات دے کر وہ باتھ روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔لیکن تارا ایک بار پھر سے اپنی ٹوٹی بکھری انا کی کرچیاں سمیٹتے وہیں رہ گئی۔

اس نے ایک ایسے شخص کا سودا کر لیا تھا جس کی نظر میں وہ کچھ بھی نہیں تھی۔جب چاہے وہ اسے گھوڑے پہ بیٹھاتا گدھے پہ بیٹھاتا یا جوتے پہ بات تو ایک ہی تھی۔

اور یہ تذلیل اب نئ نہیں تھی اب اسے یہ روز برداشت کرنا تھا۔کیونکہ اس نے زیہر کے پیالے کو اگر پیا نہیں تھا تو گرایا بھی نہیں تھا۔

محبت نے اسے اندھا کر دیا تھا۔اس محبت نے جو اس کی تھی ہی نہیں۔اور اسی اندھے پن کا نتیجہ تھا کہ وہ گہری کھائی میں آن گری تھی۔جس کا ابھی اسے انداز نہیں تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

اسے جس وقت ہوش آیا۔رات بیت چکی تھی۔

نمرہ نے جھٹکا دے کر اپنی گردن کو سیدھا کیا۔اور اندھیرے میں ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی۔

کک۔۔۔کوئی ہے۔؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کوئی یہاں ہے کیا؟

اگر کوئی ہے تو پلیز میری بات کا جواب دو۔فیکٹری کے اس گودام میں بند ہوئے اسے چوتھا روز تھا۔وہ کہاں تھی۔کیسی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔اس کے سامنے اس کی ماں کا وجود تھا۔اور جو کب کا ختم ہو چکا تھا۔

گوشت کے جلنے کی بو اسے محسوس ہو رہی تھی۔نہیں بھی ہو رہی تھی۔۔۔بس وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

ماں کا چہرہ اسے رولاتا تھا اور بہت رولاتا تھا۔وہ چیخیں مار مار کر روتی دھاڑیں مارتی۔کئی کئی گھنٹے بندھی دیوانہ وار روتی رہتی۔اور پھر کچھ لمحوں کے لئے حوش

کھو دیتی۔

دماغ اس کے وجود کا ساتھ چھوڑ دیتا۔وہ واپس بے حوش ہو جاتی۔۔۔پھر جب کچھ دیر بعد حوش آتا پھر ایسے ہی چیختی چلاتی۔۔۔روتی گڑ گڑاتی۔مری ہوئی ماں کے جلتے سڑتے وجود کو سامنے دیکھتی سسکتی رہتی۔اور یوں دن بیت جاتا۔

وہ کئی گھنٹوں سے بھوکی پیاسی مسلسل رو رہی تھی۔چیخ رہی تھی۔۔۔لیکن نہ جانے قسمت کا یہ کونسا لیکھ کونسی کہانی تھی۔کہ کوئی چرند پرند دیکھائی دیتا نہ سُنائی دیتا۔بس وہ اور اس کا خُدا یا ماں کا مرا ہوا وجود۔۔۔

وہ اب آہستہ آہستہ اپنے دماغ کو چھوڑنے لگی تھی شائد۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دوسری طرف عبداللہ جب نمرہ سے رابطہ کرکے تنگ آچکا تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اب خود پیرس جائے گا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

اے موت !تُو مجھے آتی کیوں نہیں ؟آجا ناں۔

نمرہ کی زندگی میں وہ سات دن کسی عذاب کی طرح تھے جو اس نے فیکٹری کے گودام میں گزارے۔مسلسل بھوک ماں کی

موت کا صدمہ اور پھر مسلسل گلتی سڑتی نعش نے اس کے دماغ کو وقتی طور پہ اُلٹ دیا۔

جنگل کے بیچ سے گزر کر دنیا کے دوسرے کونے میں وہ فیکٹری تھی۔کسی چرند پرند کا گزر تک نہ تھا۔

اور شائد خُدا بھی نمرہ کا صبر آزمانہ چاہتا تھا۔جو اسے ایسے حالات میں ڈال دیا تھا۔

ماں کی موت ہوئی۔۔۔کبھی صبر آ ہی جاتا۔مگر مسلسل ماں کے جسم کو اپنی آنکھوں کے سامنے سڑتے دیکھنا ایک عذاب

تھا بہت بڑا عذاب۔

وہ سات دن تک بھوکی پیاسی چیخ و پکار کرتی رہی۔اور پھر وہ بالکل ادھ موئی ہو گی۔ہلق بالکل سوکھ گیا۔معدہ سڑ

گیا۔اور خود کو بھی کھانے لگا۔پھر نہ جانے کہاں سے ایک اُمید کی کرن نمودار ہوئی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی۔وہ کیسے وہاں سے نکلی۔اسے یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ بے حوش ہو گئی تھی۔شائد بھوکے رہنے کی

وجہ سے اس کی قوت ختم ہو گئی تھی۔لیکن جب اسے حوش آیا۔وہ ایک روشن سے کمرے میں تھی۔

نمرہ نے آنکھیں دو ایک بار بند کرکے کھولیں تاکہ آنکھوں کو روشنی کی عادت

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ڈال لے۔اورپھر سوچ ہوئے آنکھوں کے پٹوں

کے ساتھ اس نے کمرے میں نگاہ دوڑانے کوشش کی۔وہ اپنی جگہ سے ہلی نہیں تھی۔ہلنا چاہتی تو بھی ہل نہ پاتی وجہ

یہ تھی کہ اس کے جسم کے تمام پٹھے سردی میں ایک ہی جگہ مسلسل رہنے سے اکڑ گئے تھے۔انہیں کام کرنے میں شائد

ہفتہ ہی لگ جاتا۔

جس کمرے میں وہ لیٹی تھی۔ایک لکڑی کے بنے چھوٹے چھوٹے گھروں جیسے گھروں میں سے ایک کمرہ تھا۔جو بعض

اوقات جنگلات میں ہوتے ہیں۔لکڑی کے اس کمرے میں بائیں جانب ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی۔جس کے سامنے شیشہ

تھا۔جو بند تھا۔اس کھڑکی کے سامنے ایک چھوٹا سا میز تھا جس پہ ایک ٹائپ رائٹر اور ساتھ کچھ کاغزوں کے ڈھیر لگے

پڑے تھے۔پاس ہی بہت سارے پین اور مارکرز رکھے تھے۔ایسا لگتا تھا وہاں بیٹھ کر کوئی لکھتا ہے۔

میز کے بائیں جانب ایک لکڑی کی کرسی پڑی تھی۔جس پہ ایک لیپ ٹوپ پڑا تھا جو کہ شائد چارجنگ پہ لگا تھا۔اسی

کرسی کی ایک ٹانگ کے پاس ایک کپ پڑا تھا۔معلوم ہوتا تھا کافی دیر سے پڑا تھا۔اور اس سب کے علاوہ وہاں کچھ نہیں

تھا۔

نمرہ نے آنکھیں بند کیں اور جیسے ہی آنکھوں کے پردے گرے ایک دم سے خواب کی طرح فیکٹری کا منظر گھوم گیا۔وہ

باوجود تکلیف کے اُٹھ بیٹھی۔

اس نے اپنی گردن کو پکڑ رکھا تھ اور چیخ رہی تھی۔لیکن یہ کیا۔۔۔اس کی تو آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔

وہ چیخ رہی تھی۔اس کی دونوں آنکھیں خوف سے درد سے پھیلی تھیں۔اس نے اپنی گردن پکڑ رکھا تھا۔لیکن باوجود تکلیف

کے اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہنے لگے۔۔۔اس نے گردن کو چھوڑ دیا اور پوری قوت سے بستر کی چادر کو ہاتھوں کی مُٹھیوں

میں دبوچ لیا۔

اور پھر واپس سر تکئیے پہ گرا لیا۔وہ بیٹھ نہیں سکتی۔

اسنے زور زور سے سر تکئیے پہ مارنا شروع کردیا۔وہ تکلیف سے شدید احساس

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interview

سے زپر رہی تھی مگر بول نہیں پا رہی

تھی۔خُدا نے اگر اسے آزادی دی تھی تو اس آزادی کے بدلے آواز لے لی تھی۔وہ ایک تصویر کی طرح بن گئی تھی۔غمگیں

تصویر۔مگرخاموش۔۔۔

وہ ایسے ہی نہ جانے کب تک سر تکیئے پہ پٹختی رہتی جب کوئی کمرے کے دروازے کو کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

وہ جو کوئی بھی سردی سے کام رہا تھا۔باوجود اس کے کہ اس نے خاصی موٹی جیکٹ پہن رکھی تھی۔نمرہ کو حوش دیکھ

کر اورپھر تکیئے پہ سر پٹختے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔

اے۔۔۔

اے یہ تم کیا کر رہی ہو۔

رُکو۔۔۔تم۔۔۔

تم لڑکی پاگل تو نہیں ہو؟اے

اے رُکو میری بات سُنو۔اس کے کندھوں پہ ہلکا سا دباؤ ڈال کر ا سنے روکا تھا۔جس میں کافی حد تک کامیاب ہوا

تھا۔لیکن نمرہ نے چونکہ آنکھیں بند کر رکھیں تھیں اور باوجود حوش میں ہونے کے وہ ڈے ڈریمنگ میں تھی تو وہ خود

سے بھی بے گانہ تھی۔بس جب آنکھیں بند کرتی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آتا وہ رونے لگتی۔چیخنے لگتی۔سر پٹخنے

لگتی۔

اے لڑکی۔۔۔آنکھیں کھولو۔۔۔

آنکھیں کھولو۔دیکھو میں۔۔۔

میں کتنا خوبصورت ہوں۔اس مشکل حالت میں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیسے اس لڑکی کو اپنی جانب متوجہ

کرے۔اس کے جو منہ میں آیا اس نے کہہ دیا۔مگر افسوس کے کوئی بات نہ بنی۔

لڑکا ایک دم سے کچھ سوش کر پیچھے ہٹا۔اور تیزی سے باہر نکلا۔

نمرہ نے ہونٹوں کو آپس میں سختی سے بھینچ رکھا تھا۔بستر کی چادر کو اس قدر زور سے مُٹھیوں میں بھینچ رکھا تھا کہ

ہتھیلیاں اور ناخن سفید پڑ چکے تھے۔جبکہ اس کے ٹانگیں اور پاؤں بالکل اکڑ گئے تھے۔یوں جیسے مڑے لگے ہوں۔یہ

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شدید زیہنی دباؤ کی علامت تھی۔

لڑکا تیزی سے باورچی خانے کی جانب بڑھا اور وہاں میز پہ پڑے پانی بھرے جگ کو اُٹھائے واپس کمرے کی جانب دوڑا

تھا۔

اس نے نمرہ کے سر پہ پہنچ کر یخ ٹھنڈا پانی ایک دم سے نمرہ کے منہ پہ ڈال دیا۔

پانی کے گرتے ہی نمرہ نے ایسے سانس لیا جیسے وہ گہرے پانی سے ایک دم باہر نکلی ہو۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پانی کے گرتی ہی اس کی آنکھیں کھل گئیں اور ساتھ ہی ا س کا جسم نارمل ہونے لگا۔اس کے تھوں کی سختی میں کمی آ

گئی۔اور اکڑے پاؤں بھی سیدھے ہوگئے۔

لڑکے نے سکون کا سانس لے کر لڑکی کو دیکھا۔

نمرہ نے گہرے گہرے سانس لیتے اپنے سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھا۔

کندھوں تک آتے بھورے سے بال سفید رنگت چہرے پہ ہلکی بھوری بڑھی ہوئی داڑھی چوڑا سینہ مضبوط کندھے چھ

انچ سے نکلتا قد اور کلائیوں میں پہنے بہت سارے سیاہ بریسلیٹس۔لڑکا چہرے

سے کافی پریشان دکھ رہا تھا نمرہ بس

خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

لڑکے نے چند پل اسے دیکھا اور پھر چہرے پہ ہاتھ پھیرتا پیچھے کرسی کی جانب

بڑھا تھا۔اس نے کرسی پہ پڑا لیپ ٹوپ

اُٹھا کر میز پہ رکھا اور کرسی گھسیٹ کر نمرہ کے قریب بیڈ کے پاس لے

آیا۔نمرہ بس خاموشی سے اس کی نقل و حرکت

دیکھتی رہی۔

کیسی ہیں آپ؟لڑکے کے لہجے میں لمحے کو بشاشت آئی۔نمرہ بس جواب میں

اسے دیکھتی رہی۔وہ پھر بھی مسکرا دیا۔

مجھے سب زیک کہتے ہیں۔۔۔

ویسے میرا نام جیک ہے۔اور تمہارا؟وہ بات کر رہا تھا۔شائد نمرہ کو بلانے کی

کوشش کر رہا تھا۔ساتھ ہی اسے ٹرامہ سے

نکالنے کی کوشش بھی تھی۔

اچھا ویسے میرے دوست کہتے ہیں میں بہت ہینڈ سم ہوں؟ کیا میں ہوں؟

تمہاری آواز لگتا ہے بہت خوبصورت ہے۔اسی لئے تم بولنے سے کترا رہی ہو۔

چلوکوئی بات نہیں۔۔۔وہ مسکرایا۔او پھر اپنی جگہ سے اُ ٹھ کھڑا ہوا۔

تم کچھ کھاؤ گی؟

جوس یا کوفی لو گی؟

ویسے تو میں اچھا کُک نہیں ہوں۔لیکن میں تمہارے لئے پین کیک بنا سکتا ہوں۔تو پھر۔۔۔

ہو جائے؟ چٹکی بجا کر بر وقت مسکراتے اس نے کہا تھا نمرہ بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔دیکھتی رہی۔۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین مجھے بلی چاہئے۔کافی کا کپ لے کر دلان میں ٹی وی کے سامنے بیٹھتے اس نے زین سے کہا جو لیپ ٹوپ پہ شائد

کوئی فائل ٹائپ کر رہا تھا۔

کیا چاہئے؟زین نے چونک کر سر اُٹھایا تھا۔اسے لگا اسے سُننے میں غلطی ہوئی ہے۔

کیس کی وجہ سے زین فلک کو واپس لے آیا تھا۔ویسے اسے وہاں گئے ابھی محض تین روز ہی ہوئے تھے۔

بلی۔۔۔بِلی چاہئے مجھے۔کپ ہونٹوں سے لگاتے اس نے کافی کا گھونٹ لینے سے

قبل کہاتو زین نے آنکھیں سکیڑ کر فلک

کو دیکھا تھا۔

کیا کافی میں کوئی نشہ وشہ ملا کر پی رہی ہو؟ دماغ وماغ تو نہیں چل گیا؟ایک

نظر فلک کو دیکھ کر اس نے واپس لیپ

ٹوپ کی طرف متوجہ ہوتے طنز کیا تھا۔فلک نے منہ چڑھایا۔

زین اس وقت سیاہ ٹی شرٹ اور سیاہ ہی ٹراؤزرز میں ہلکے گیلے بکھرے بالوں

کے ساتھ صبح نو بجے ناشتے کے بعد کام

کر رہا تھا۔اور چہرے سے وہ خاصا تازہ دم لگ رہا تھا۔

فلک پیلے اور نارنجی کاٹن کے شلوار قمیض میں تھی جن کی آستینوں پہ خاصے

بل تھے۔لگتا تھا اس نے لباس کل سے پہن

رکھا تھا۔

زین میں تم سے کام کی تنخواہ نہیں لے رہی ناں۔۔۔نہیں لے رہی ناں؟

تو پھر مجھے بِلی لے کر دو۔وہ تو اڑ گئی تھی۔اس نے ہٹیلے پن سے کہا تو زین

نے ایک ابرو اُٹھایا۔

تنخواہ کیسی؟

میں تمہیں تین وقت کھانا دے رہا ہوں۔ویل فرنیشڈ رومز ہیں۔جس میں چاہے رہو کوئی روک توک نہیں ہے۔

جو مرضی کھاؤ پئیو۔جیسے مرضی گھومو پھیرو مجھے کوئی عتراض نہیں ہے۔ایسا ہوٹل پوری دنیا میں کہیں نہیں

ہے۔جیسا یہ ہے۔اور تم اب بھی تنخواہ کی باتیں کرر ہی ہو۔

افسوس۔۔۔

ہاں افسوس۔۔۔فلک نے بھر پور اس کی نقل اُتاری تھی۔

سُنو اگر مجھے بِلی لے کر نہیں دو گے۔تو میری طرف سے ریزائن لکھ لو۔اور۔۔۔سائن بھی خود ہی کر دینا۔کیونکہ میں اب

تمہارے لئے کام نہیں کروں گی۔۔۔بے شک لکھ کر رکھ لو۔ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر اسنے ڈرامائی انداز میں کہا تو زین ہنس

دیا۔

کام تو محترمہ ایسے کہہ رہی ہیں۔جیسے کشمیر کی آزادی کا انحصار ان کی ایک ہاں اور نہ پہ اٹکا ہے۔وہ اس وقت کام

میں مصروف تھا اور فلک کی اس نئی بحث پہ اسے چڑھ ہو رہی تھی۔

تم اگر ایک بِلی لے دو گے تو تمہارے خزانوں میں کمی تو نہیں آ جائے گی

ناں۔

دیکھو بی بی میں ایک عام سا پولیس والا ہوں۔وہ بھی ایماندار تنخواہ پہ گزارہ کرنے والا بندہ۔

اور وہ جو انکل کی اتنی جائداد ہے۔اسے کیا عیدی سینٹر میں دینے کا ارادہ ہے۔منہ ناک چڑھا کر اس نے کہا تو زین نے

بمشکل مسکراہٹ روکی تھی

دیکھو بی بی پہلے ہی اس گھر میں ایک پال۔۔۔پالتو(آنکھیں گھومائیں)ہے۔میں نہیں چاہتا رش پڑے۔فلک نے جواب میں

ایک دلفریب مسکراہٹ اُچھالی اور ٹانگ سے ٹانگ اُتاری۔

اوو۔۔۔تم کتنے اچھے ہو زین تمہیں میرا کتنا خیال ہے۔لیکن میں چاہتی ہوں۔کوئی فی میل وریژن آ جائے۔تاکہ تم بور نہ

ہو۔یونوجوڑی۔دل ہی دل میں زین کے چہرے پہ اُڑتی غصے کی لہر کو دیکھ کر داد دیتے فلک اپنی جگہ سے اُٹھ گئی

تھی۔وہ اسے کیا کہہ گئی تھی زین سمجھ گیا تھا۔

بد تمیز۔۔۔بڑبڑایا۔

کیا کسی نے کہا بد تمیززززز۔۔۔باورچی خانے کی جانب جاتے وہ بولی تھی۔زین

نے گہرہ سانس لے کر اس بد تمیزی کو

برداشت کرنے کی کوشش کی۔اور پھر بہت جوش کے عالم میں جیب سے
والٹ نکال کر اندر سے کھینچ کر کریڈٹ کارڈ

نکالا۔اور پھر سامنے میز پہ پٹخ دیا۔

میز پہ پڑا ہے کریڈٹ کارڈ اُٹھا لینا۔اور دو گھنٹے میں مجھے فائل بھیجو جس پہ
تمہیں کام کرنے کو کہا تھا۔اگر نہ ہوئی تو

میری طرف سے تم فارغ ہو۔

ہاں ہاں مل جائے گی۔۔۔اسے تو جیسے پروا ہی نہیں تھی۔زین نے ایک نظر
ناگواری سے باورچی خانے کی خالی راہداری کو

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیکھا اور پھر زبردستی پاؤں میں جوتا اڑستا لیپ ٹوپ اُٹھاتا اپنے کمرے کی جانب
بڑھ گیا۔

جناب وہ آ گئی ہیں۔۔۔زین کا ملازم فون کان سے لگائے بہت مدھم آواز میں
بول رہا تھا۔وہ جب بات کرتا تھا سپیکر کو

منہ کے قریب کر لیتا تھا تاکہ زیادہ بلند آواز میں بولنا نہ پڑے۔

جی۔۔۔پتہ نہیں۔

اچھا جی۔

تو آپ آئیں گے کب؟

جو حکم سرکار۔سیسنے پہ ہاتھ رکھ کر ملازم نے معدب انداز میں کہا اور پھر دونوں طرف سے کال کاٹ دی گئی۔

وہ اس وقت باغیچے میں کھڑا تھا۔دھوپ سر پہ چڑھ آئی تھی۔اور گرمی کا زور اب ہلکی ہوا سے کم ہونے لگا تھا۔

ملتان میں کہتے ہیں بہت گرمی پڑتی ہے۔سہی کہتے ہیں۔ملتان والے تو بُھن گئے تھے۔اب اللہ کر کے موسم بدل رہا تھا۔اور ملتان کے لوگ اس تبدیلی سے کافی خوش نظر آتے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سُنو؟

جی؟

تم نے امی کو میری اس دن والی حرکت کا بتایا تو نہیں۔سفید شرٹ کے کف کھول کر آستینوں کو موڑتے اس نے بیڈ پہ بیٹھتے تارا سے پوچھا تو تارا اُداسی سے حنان کو دیکھ کر رہ گئی۔

حنان کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کب وہ اچھا اور کب بہت کٹھور اور ظالم بن

جاتاتھا۔تارا کو اب اس سے ڈر لگنے لگا تھا۔

نہیں میں نے کسی کو نہیں بتایا۔نظر جُھکا کر اس نے افسردگی سے کہا تھا۔حنان نے اس کی جانب نہیں دیکھا۔بس پاؤں سے جوتے اُتارے بیڈ پہ دراض ہو کر ا سنے رموٹ سے سامنے لگی ایل ای ڈی چلا لی تھی۔

تارا نے حنان کے بیڈ کے پاس پڑے جوتے اُٹھائے اور اُٹھا کر ریک میں رکھ دیئے۔حنان نے بظاہر سامنے دیکھتے کن اکھئیوں سے تارا کو دیکھا تھا۔

تارا اس وقت فیروزی رنگ کاٹن شلوار قمیض میں بالوں کی ڈھیلی ڈھالی سی چوٹی بنائے۔کندھوں پہ دوپٹہ ڈالے خاصی بُجھی بُجھی دکھ رہی تھی۔حنان نے بس دیکھنے پہ اکتاف کیا تھا۔وہ اس وقت اس سے کوئی بات کرنے کی خواہش نہیں رکھتا تھا۔

تارا بھی ا س وقت صرف اپنے آ پ کوس رہی تھی۔کہ اس نے کیوں آپی سدرہ کی باتوں میں آ کر فلک کے لئے خاموشی اختیار کی۔اسے چاہئے تھا وہ سب کے سامنے بولتی کہتی کہ فلک معصوم ہے اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔

لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔گھر والوں نے فلک کے ساتھ تمام تعلق واسطے ختم کر دئے تھے۔اس کی وجہ سے خاندان بھر میں بہزاد خاندان پہ تھوتھو ہوئی تھی۔

بڑے بابا نے خاص طور پہ کہہ دیا تھا۔کہ اگر کسی نے بھی دادا ابرھیم کے

خاندان کے ساتھ سلام دعا کرنے کی کوشش کی تو وہ بھی خود کواس خاندان سے الگ سمجھے۔پھر بہزاد خاندان اس کی پروا نہیں کرے گا۔

اور اس سب سے الگ حنان الگ ہی روش پہ چل نکلا تھا۔ایک تو وہ تارا سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا تھا۔دوسرا اب اسکے زہن میں نئ بات آن سموئی تھی کہ اسے فلک سے ملنا ہے۔

اسے فلک سے اس کے دھوکے کی وجہ پوچھنی ہے۔

صورتِحال بالکل بھی آسان نہیں تھی۔چچی جان ہر وقت تارا کے سامنے فلک کی بُرائیاں کرتی تھیں۔اور اسے ہر روز ایک ہی پاٹ پڑھایا جاتا کہ اسے ہر ممکن طور پہ حنان کے دل سے فلک کو نکالنا ہے۔ اب چاہیۓ اس کے لئے تارا اپنی ذات کی انااعتماد ان کے بیٹے کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے کھو دیتی۔

تارا نے حنان کے واڈروب میں ٹنگے کپڑوں میں سے ایک جوڑا نکال کر باتھ روم میں لٹکایا۔اور پھر کچھ بھی کہیۓ بغیر باہر نکل گئ۔

جس طرح حنان اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔اسی طرح وہ بھی حنان سے اس وقت بات کرنے کی خواہش نہیں رکھتی تھی۔

نئ نئ چوٹ تھی۔ابھی اسے اپنے محبوب شوہر سے بہت شکوے تھے۔اور وہ اس سے الگ چاہتی تھی۔کہ حنان کو اپنی غلطی کا احساس ہو۔شائد جیسے پہلے ہو گیا تھا۔

وہ اس بار غلط تھی۔

☬☬☬☬☬☬☬☬☬☬☬☬☬☬☬☬

یہ فائل۔فائل زین کے سامنے رکھتے فلک نے اس کے بائیں جانب پڑے صوفے پہ بیٹھے زین کو دیکھا تھا۔

زین کافی گھنٹوں سے لیپ ٹوپ پہ مصروف تھا۔نہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔

زین۔۔۔

ہمم؟

میں نے فائل رکھی ہے۔جب زین نے کوئی دھیان نہ دیا توفلک کو اسے بتانا پڑا۔

تو ؟زین نے سر اُٹھا کر لمحے بھر کو اسے دیکھا تھا۔

تو کا کیا مطلب۔بھئی میں نے اتنے گھنٹے کی محنت کے بعد اتنی انفرمیشن جمع کی ہے۔اور تم نے فائل دیکھی تک نہیں۔

یار تم دو منٹ چُپ کرو گی؟ماتھے پہ بے تحاشا بل لئے اس نے فلک کو ٹاک دیا۔فلک کی صبح والی بدتمیزی وہ اب بھی نہیں بھولا تھا۔فلک نے ناک چڑھائی۔

بدتمیز۔بڑبڑا کر وہ اُٹھ گئی۔

زین اس وقت صبح کے ہی حولئے میں تھا۔ماتھے پہ بے تحاشا بل آہستہ آہستہ بڑھتے جا رہئے تھے۔کام کے دوران وہ مسلسل کافی پی رہا تھا۔جس سے اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں۔لیکن کام کا جنون اس وقت اس پہ اتنا سوار تھا کہ ہر چیز سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

جو لوگ کام سے محبت کرتے ہیں وہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔زین کا جنون تھا کہ وہ کرپٹ افراد کو ان کے انجام تک پہنچاۓ گا۔اس نے کیا۔اس نے چار لوگوں کو ان کے کئے کی سزا دلوائی تھی۔

عدالت ضیاء آفندی،نوابزادہ حق نواز،اقبال بابر وغیرہ پہ اپنی رسی آہستہ آہستہ کس رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پھندے قریب ہی تھے۔ان سب میں صرف اگر کوئی بچ رہا تھا تو وہ تھا شہروز اکرام۔اور زین مصطفٰے کے گلے میں وہ کسی ہڈی کی طرح چُبھ رہا تھا۔سمجھ نہیں آتی تھی کہاں چھپا بیٹھا تھا۔

زین نے لیپ ٹوپ کے بٹنوں سے ہاتھ ہٹا کر پاس پڑی فائل اُٹھائی اور کرسی پہ جھولتے پڑھنے لگا۔

فلک نے کافی محنت کی تھی۔زین نے گردن گھوما کر فلک کو دیکھا۔وہ واڈروب میں سر دیۓ کچھ تلاش کر رہی تھی۔اور پھر فائل کی جانب متوجہ ہو گیا۔۔۔زین نے فائل کھنگھالتے ایک دم سے چونک کر آنکھیں سکیڑتے سامنے

لگی تصویروں اور پھر اس میں درج تفصیلات کو پڑھنا شروع کر دیا۔

یہ تمام تفصیلات شہروز اکرم کی سیکٹری ماہم کی تھی۔

زین ایک دم سے پڑھتے پڑھتے چونکا اور پھر اس کے چہرے پہ ایک شریر سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔اس نے تیزی سے اگلا ورق کھولا۔ماہم کا بوائے فرنڈ تصویر میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔زین نے میز پہ قریب ہی پڑا اپنا موبائل نکالا اور تصویریں لیں۔

فلک نے واڈروب سے سبز رنگ قمیض اور نیلا پجامہ نکالا۔اور بیڈ پہ پھیلا کر رکھ دیا۔اور پھر خود جوتوں کے ریک کی جانب بڑھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سُنو۔۔۔

طیب۔۔۔

میں تمہیں ابھی ایک لڑکے کی کچھ تفصیلات بھیج رہا ہوں۔تم ذرا اس کا پوسٹ مارٹم تو کرو۔طیب کے جب سے زین نے کان کھینچے تھے۔وہ اب زین کی کال پہلی ہی بیل پہ اُٹھانے کی کوشش کرتا تھا۔زین کو آج کل اس سے شکوے شکائتیں کم کم تھے۔فلک نے چونک کر گردن گھوما کر زین کو دیکھا۔اور پھر مسکرائی۔زین کے سامنے فائل کھُلی پڑی تھی۔وہ دیکھ چکی تھی۔

شہر ملتان کی سونے جیسی فضا میں اس وقت گیلی مٹی کی سُوندھی سُوندھی خشبو اور ٹھنڈی ہوا دل کو راحت بخش احساس بخش رہی تھی۔

فلک نے گاڑی کا دروازہ بند کر کے ہوا سے اُڑتے بالوں کو سمیٹ کر کانوں کے پیچھے اڑسا اور پھر قدم مال کی جانب بڑھا دیے۔

کچھاکھچ بھرا مال اس وقت مال کی مصروفیت کاپتا دیتا تھا۔فلک نے مسکراتے ہوئے گہرہ سانس لے کر اپنے اندر کو پُرسکون کرنے کی کوشش کی۔وہ شاپنگ پہ اس لئے آئی تھی۔کیونکہ اس کے اندر سکون نہیں تھا۔سکون رُخصت ہوتا جا رہا تھا۔اور اب وہ خود سے بھاگتی سکون کی تلاش میں رش والی جگہ بھی چلی آئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے مال کی ایک بوتیک کی جانب جاتے ڈسپلے میں لگے ملبوسات کو بغور دیکھا اور پھر دروازہ دھکیلتی اندر داخل ہوگئی۔

بوتیک میں ریک پہ ٹنگے لباس میں اس وقت اسے کوئی اٹریکشن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔لیکن وہ پھر بھی دیکھتی رہی۔

اس نے ریکس کے قریب سے گزرتے بہت سارے فینسی ملبوسات دیکھے مگر کوئی ایسا غیر معمولی نہیں تھا۔ناک چڑھا کر وہ مڑنے ہی والی تھی جب ایک دم سے اس کی نظر ٹھہر گئی۔

فُل لینتھ نیٹ کی گہرے سرخ رنگ کی میکسی تھی۔جسے دیکھتے ہی فلک کا دل

بے ایمان ہونے لگا۔اس نے سوچ لیا کہ قمیت کوئی بھی ہو وہ یہ میکسی ضرور خریدے گی۔

نیٹ کی میکسی کے گلے پہ سرخ ہی رنگ کا کام تھا۔اور اسی طرح میکسی کا نیچلا حصہ سرخ رنگ دھاگے اور موتیوں سے مزین تھا۔انتہائی خوبصورت اور پُر وقار لباس معلوم ہو رہا تھا۔

فلک اس سیٹچو کے قریب گئی اور پھر اس کے گرد گھوم کر اس نے لباس کا مکمل جائزہ لیا۔

میکسی کے گلے کے پیچھلے حصے پہ لباس کی قمیت لکھی تھی۔فلک نے قمیت پڑھی تو لمحے بھر کو گھبرا گئی۔لیکن چونکہ اس وقت وہ ایک امیر شوہر کی بیوی تھی۔تو اس نے ہمیشہ کی طرح بےپروائی سے شانے اُچانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی تھی۔لیکن شائد وہ بھول رہی تھی۔کہ اس کا شوہر بقول فلک کے ایک کنجوس آدمی تھا۔جو باوجود پیسے کے خرچ کرنا عیب سمجھتا تھا۔

فلک نے جوش وخروش سے میکسی خریدی۔اور پھر اسی جوش کے ساتھ میکسی کے ساتھ ہم رنگ جوتا خریدا۔

جولری وغیرہ میں اسے کوئی دلچپسی نہیں تھی۔۔۔جولری کی دُکان کے قریب سے وہ خاموشی سے گزر آئی۔

اس نے اس سب کے بعد وہیں اسی مال میں موجود ایک پارلر کا رُخ کیا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھا۔اسے اپنے بالوں کو ڈائی کروانا تھا۔چونکہ ان کا رنگ اُترنے لگا تھا تو فلک کو ان کی بدنمائی کا ندازہ زین کے چہرے سے بھی ہوتا تھا۔

زین کو فلک کے کافی رنگ بال انتہائی ناگوار گزرتے تھے۔فلک جانتی تھی اسے اس کے بالوں کا رنگ بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔لیکن چونکہ وہ کہتا تھا کہ اسے فلک سے کوئی سروکار نہیں تو وہ اسے ٹوکتا بھی نہیں تھا۔البتہ جب جب فلک اس کے سامنے جا کر بیٹھتی وہ فلک کے بالوں کو خاص طور پہ دیکھا کرتا تھا۔اور فلک کو یقین تھا کہ وہ نظر کوئی مثبت نظر بالکل نہیں ہوگی۔

فلک سے جب خاتون نے بالوں کے رنگ کے بارے میں پوچھا تو اس نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا کوفی کلر۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اپنے آپ کو جینا کیسا ہوتا ہے۔فلک کو آج انداز ہو رہا تھا۔بال ڈائی کروا کر وہ اب کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔اس نے اگرچہ زین کو اُجاڑنے میں کوئی کثر نہیں چھوڑی تھی۔لیکن خیر اسے پروا بھی نہیں تھی۔

پسند کی میکسی ،جوتا اور پھر بالوں کو ڈائی کروانے کے بعد اب وہ ایک چھوٹے مال کے اندر ہی بنے ریستوران میں بیٹھی تھی۔اس نے چیکن فجیتہ پیزا کا آڈر دے رکھا تھا جو بس آنے کو تھا۔

وہ اس وقت جس کرسی پہ بیٹھی تھی۔وہ کھڑکی کے بالکل ساتھ تھی۔

آسمان پہ ہوا کے دوش پہ اٹکیلیاں کرتے بادل اس کو بہت اچھے معلوم ہو رہے تھے۔گھر سے نکل کر یقیناً اس نے ایک اچھا فیصلہ کیا تھا۔

دونوں بازؤں کو کہنیوں کے بل کھڑے کئے ہاتھوں کو آپس میں ملائے وہ باہر دیکھ رہی تھی۔جب کسی نے اس کے بائیں جانب کی کرسی کھینچی۔فلک نے چونک کر بائیں جانب دیکھا تھا۔

سفید کاٹن کے کلف لگے شلوار قمیض میں براؤن کھیڑی پہنے۔موچھوں (جو کہ پھر سے بڑی ہو چکی تھیں۔) کو تاؤ دیتا حنان پوری شان کے ساتھ بیٹھا تھا۔حنان کو دیکھا کر فلک بہت زیادہ غیر آرامدے ہوئی تھی۔اس نے گہرہ سانس لے کر میز سے بازو ہٹا دیے۔

اچھا تو محترمہ حویلی سے نکلنے کے بعد خاصے مزے میں ہیں۔ہمیں تو لگا تھا کہ رو رو کر خاصی ادھ موئی ہو چکی ہوگی۔لیکن تم تو خاصی بےوفا نکلی۔چہرے پہ گہری مسکراہٹ لئے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھاتے اس نے گہرہ طنز کیا تھا۔فلک نے سرد آنکھوں کے ساتھ حنان کو دیکھا۔اور پھر دیکھتی رہی۔

حنان۔۔۔بھائی۔کیا آپ کو اتنے مینرز نہیں ہیں۔کہ جب کسی کی ریزروڈ ٹیبل پہ آکر بیٹھنا چاہئیں تو پہلے اجازت لیتے ہیں۔

یہ تو تمیز کے اُصلوں میں پہلا اُصول ہے۔۔۔نئ؟

وہ لوگوں کو ان کی اوقات میں رکھنا جانتی تھی۔لیکن افسوس کے اس وقت وہ

ایک زخمی شیرنی تھی۔جس کا خون بہت بہہ چکا تھا۔اور جس کے بچنے کے چانسز بھی کافی کم تھے۔

بھئی تمیز ومیز کے سبق ہم سے تو نہیں پڑھے جاتے۔ہم تو جاہل ہیں۔اور ہم جہاں بیٹھنا چاہتے ہیں بیٹھ جاتے ہیں۔اور پھر تم ہی تو کہتی ہو۔کہ میں ایک خالص وڈیرا ہوں۔تو وڈیرے کب کسی سے اجازت لیتے ہیں۔۔۔

میں اس وقت خوش ہونے کے لئے آئی ہوں نہ کہ آپ کی فضول بکواس سُننے۔جائیں مہربانی فرمائیں کسی اور جگہ جا کر ڈیرا ڈالیں۔دانت پیس کر اس نے اتنی حقارت سے کہا تھا کہ حنان کی آنکھیں اس بےعزتی پہ لال ہونے لگی تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عورت ذات نے ہمشہ اسے آنکھوں پہ بیٹھایا تھا۔بس ایک فلک ہی تھی جو ہر وقت اسے کوئی نہ کوئی ایسی بات کہہ دیتی تھی جس سے حنان کی انا کو کوڑے لگنے لگتے تھے۔لیکن چونکہ معملہ محبت کا تھا۔خود پہ بےتحاشا عتماد کا تھا تو وہ برداشت کر جاتا تھا۔لیکن اب جب سے فلک نے حویلی چھوڑی تھی حنان کا ضبط بھی جاتا رہا تھا۔اب اس کے لئے اپنی انا سب سے اہم ہو گئی تھی۔۔

ان ٹکے ٹکے کے لوگوں نے محبت کو مزاق بنا ڈالا ہے۔ہر کسی کو محبت ہوتی ہے۔مگر افسوس کہ وہ محبت محض ان کا وہم ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔

محبت تو محبوب کو خوش دیکھ کر خوش ہونے کا نام ہے۔یہ کونسی محبت حنان کو

فلک سے اور تارا کو حنان سے ہوئی تھی۔جس میں صرف اور صرف اپنی ذات کا احساس تھا۔باقی اور کسی کی پروا نہیں تھی۔

بد رنگ محبت تھی ان لوگوں کو۔کچے رنگوں والی پھیکی چائنہ کی محبت۔جس میں نہ پائداری تھی۔اور نہ خالص پن۔

میں تمہارا بالکل لیحاظ نہیں کروں گا لڑکی۔زبان سنبھال کر بات کرو۔تم اب بہزاد خاندان کی کچھ نہیں لگتی۔اس لئے خود کو اس کیٹاگری سے باہر ہی رکھو۔اور آواز کو دھیمہ رکھو تو ہی بہتر ہے۔شہادت کی انگلی اُٹھا کر حنان نے کہا تو فلک کا دل چھناکے سے ٹوک گیا۔گلے میں آنسو اٹکنے لگے۔وہ تو مر کر بھی بہزاد خاندان سے الگ نہیں ہونا چاہتی تھی۔اور حنان نے کتنے مزے سے اسے اس کی جڑوں سے کاٹ الگ کیا تھا۔

آپ کو کون ہوتے ہیں مجھے میرے ہی خاندان سے الگ کرنے والے۔لہجے کو خونخوار بناتے اس نے دھیمے مگر زخمی شیرنی کی طرح غراتے لہجے میں پوچھا تو حنان مسکرا دیا۔یوں جیسے فلک کی کم عقلی پہ مسکرایا ہو۔

یہ فیصلہ تمہارے باپ کا ہے۔مسکرا کر اگر کوئی کسی نے گردن پہ چھوری پھیری تھی تو وہ حنان تھا۔فلک آنکھیں پھاڑے بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی۔

میں نہیں جانتا یار یہ کون ہے۔میں نے بس اسے ایک نعش کے ساتھ سڑتے دیکھا تو اُٹھالایا تھا۔جیک نے سیگرٹ کا کش لگاتے ٹیڈ سے کہا تو ٹیڈ نے محض خاموشی سے سر ہلانے پہ اکتاف کیا تھا۔

تمہارے خیال میں ہمیں اسے پولیس کے حوالے کرنا چاہیئے یا نہیں؟دوسرا کش لیتے اس نے دوبارہ ٹیڈ سے پوچھا تو ٹیڈ نے اسے گھورا تھا۔

لکھ لکھ کر جیک تمہاری عقل گھاس چرنے چلی گئ ہے۔

جب تم نے اسے اور اس عورت کو فیکٹری میں سڑتے دیکھا تھا تبھی پولیس کو کال کیوں نہیں کی۔اب کال کرو گے تو خامخواہ میں پھنسو گے۔سیدھی طرح سے اسے یہاں سے چلتا کرو۔کیوں خامخواہ میں اپنی پُرسکون زندگی کو حرام بنانا چاہتے ہو۔ٹیڈ حولئے سے خالص فرانسیسی تھا۔لمبے لمبے کندھوں کو چھوتے بھورے بال جنہیں اس نے پونی میں باندھ رکھا تھا۔چہرے پہ دو مُٹھی داڑھی اور کچھ اندر کو دُھنسی آنکھیں۔فرنسیسی بلیوں کے حساب سے وہ ایک ڈیشنگ بندہ تھا۔لیکن اگر میں پاکستانی لڑکی ہو کر دیکھوں تو کھ وی نئ سی۔

جیک تو اگرچہ ٹیڈ کی بات کے کچھ حصے سے اختلاف تھا مگر وہ خاموش ہی رہا۔وہ نمرہ کو مزید اپنے گھر بیچ میں نہیں برداشت کر سکتا تھا۔

تین دن بعد اسے اپنی کتاب کو پبلیکشن کے لئے دینا تھا۔اور نمرہ کی غیر متوقع آمد نے اس کے کام کو بُری طرح تباہ کیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لوگوں سے زیادہ گھلنا ملنا جیک کے ناپسندیدہ کاموں میں سے ایک تھا۔وہ زیادہ تر اکیلا رہنا پسند کرتا تھا۔تبھی اس نے اس ویران بیابان میں گھر لیا تھا تاکہ وہ اپنے آپ میں رہیے۔مگر یہاں بھی نمرہ کی موجودگی نے اسے خاصا بے زار کر دیا تھا۔

نمرہ جو کہ ایک سفید کاغذ اور ایک موٹی مارکر پکڑے زمین پہ بیٹھی کچھ بنا رہی تھی۔ٹیڈ اور جیک کی باہر سے آتی آوازوں کو با آسانی سُن سکتی لیکن افسوس کے اس کے اندر احساسات سو چکے تھے۔وہ وہ نمرہ نہیں تھی جو وقت بے وقت ہنسنا اپنا مشغلہ سمجھتی تھی۔

وہ اب ایک ویکٹم تھی۔ایک بے بس اور کمزور لڑکی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عبداللہ نے پیرس کی سڑک پہ چلتے پھرتے لوگوں کو نمرہ کا چہرہ دیکھا کر نمرہ کو تلاش کرنے کا کام شروع کر دیا تھا۔وہ مختلف تھانوں میں گیا۔بہت سارے لاوارث خانے اور سرد خانے بھی مردہ دل کے ساتھ دیکھ لئے۔مگر قسمت کچھ اور لکھ رہی تھی۔

وہ پیرس پندرہ روز کے لئے آیا تھا۔اور یہ پندہ دن اسے پیرس میں ایک ہوٹل میں گزارنے تھے۔لیکن وہ سوتا کب تھا۔

سارا سارا دن پیرس کی سڑکوں پہ فون ہاتھ میں لئے پھرتا ہوٹلوں میں جاتا

لوگوں کو نمرہ کی تصویر دیکھاتا۔صبح سے شام ہو جاتی اور پھر وہیں کسی پارک میں گھاس یا بینچ پہ سردی میں ہی لیٹ جاتا۔گھنٹوں گھنٹوں آسمان کو دیکھتا ۔۔۔اللہ سے نمرہ کے ملنے کی دعا کرتا اور سو جاتا اور یوں صبح سویرے سڑے کے کنارے کھڑے کسی نہ کسی گاتے شخص کی کوئی

دھن اسے جگا دیتی۔وہ پھر سے اُٹھتا ہوٹل جا کر نہاتا کپڑے بدلتا اور پھر سے سڑکوں پہ اپنی بیوی کو تلاش کرنے نکل کھڑا ہوتا۔

یہ تھی عبداللہ کی پیرس میں زندگی۔وہ جگہ جسے خوابوں کی تکمیل کا شہر کہتے ہیں۔اس شہر نے اس کی شہزادی کو کہیں چھپا لیا تھا۔اور وہ بے بس تھا اسے ڈھونڈ بھی نہیں پا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ اس پارٹی کو منعقد کون کر رہا ہے۔

طیب؟

جی سر؟ آنکھوں پہ چشمہ چڑھائے طیب بڑی شرافت سے سر جُھکائے زین کے گھر پہ موجود تھا۔زین نے پکارہ تو جھٹ جواب دیا۔

تم کس مرض کی دوا ہو مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی۔آخر تم پتہ کیوں نہیں لگوا پا رہیے۔بد مزاجی اس وقت زین کے انگ انگ سے جھلک رہی تھی۔

طیب نے گہرہ سانس لیا۔وہ سمجھ گیا تھا۔زین اب اپنی ناکامی اس پہ ڈالے گا۔

سر میں تو بس ایک معمولی سا۔۔۔

معمولی؟

مجھے اپنی ٹیم میں معمولی لوگ نہیں چاہئے طیب۔اور وہ سیکڑی کا بوائے فرنڈ پاکستان کب آ رہا ہے؟

لندن کیا کرنے گیا تھا کچھ معلوم ہے یا بس بھولپن میں ہی بیٹھے ہو؟

زین ڈرائنگ روم میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چکر لگا رہا تھا۔

کل شام شام'ویلا'میں ایک خاص دعوت منعقد ہو رہی تھی۔اور سُننے میں آیا تھا کہ اس دعوت میں بہت خاص خاص لوگ شرکت کریں گے بڑے بڑے مشہور بزنس مینز اور بیوروکریٹس اس دعوت میں خاص الخاص مدوع تھے۔اور پولیس والا یا کوئی اور باہر کا بندہ وہاں پھٹکے بھی ناممکن تھا۔

جی سر وہ وہاں اپنی نانی سے ملنے گیا تھا۔اور آج صبح واپس پاکستان لوٹا ہے۔بندے اس کے پیچھے ہیں سر۔طیب نے بتایا تو زین نے گہرہ سانس لیا۔اور پھر بالوں پہ ہاتھ پھیرتا واپس بیٹھ گیا۔

اور سیکڑی کی کیا مصروفیات ہیں؟

وہ سر آج کل نئی نوکری کی تلاش میں ہے۔شہروز اکرام کا دفتر وہ چھوڑ چکی

ہے۔

اور شہروز اکرم کی بیوی کا کچھ اتا پتا؟

جی سر جہاں آرا میڈم کچھ ہی روز قبل پیرس گئی تھیں۔شہروز اکرم کے گھر کا ملازم کہہ رہا تھا یہ نہیں معلوم کہ کس کام سے گئی ہیں۔بتا رہا تھا کہ شائد ایک دیڑھ ماہ لگے واپس آنے میں۔طیب کا ہوم ورک پورا تھا۔زین نے سر اثبات میں ہلایا۔

اسلامُ علیکم۔۔۔گلے میں سکارف کی صورت پیلا دوپٹہ ڈالے۔۔۔لمبی ٹخنوں کو چھوتی سفید کاٹن کی سفید دھاگے سے کام سے مزین قمیض کے ساتھ پیلا پجامہ پہلے۔فلک ٹرالی گھسیٹی ایک دم سے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔زین جو کہ طیب کو مزید ہدایات دینے والا تھا۔۔۔اپنے جونئیر کے سامنے فلک کو آتا دیکھ کر گڑبڑا گیا۔

اس نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

طیب نے مسکرا کر فلک کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

علیکم اسلام۔۔۔یقیناً اگر اس وقت زین سامنے نہ ہوتا تو فلک کا پورا سکین ہو چکا ہوتا۔ظاہر ہے بھئی بنیادی مردانہ گندی خصلت۔

میں تم دونوں کے لئے چائے لائی ہوں۔ٹرالی ان دونوں اور اپنے درمیان رکھتے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلک نے جیسے اہم بات بتائی۔ظاہر ہے جیسے وہ اندھے تھے۔

ٹھیک ہے۔تم اب جا سکتی ہو۔اس سے پہلے کہ فلک کپ اُٹھا کر تھرماس سے چائے کپ میں انڈیلتی زین نے دانت پیس کر کہا تھا۔فلک مسکرا دی اور کپ وہیں چھوڑ دیا۔

ٹھیک ہے۔۔۔تو پھر چائے تم خود بنا دینا۔

وہ اُٹھی۔۔۔اور ہاں۔۔۔میں بتانا بھول گئی۔کل میں پارٹی پہ جا رہی ہوں۔پلیز اپنا کریڈٹ کارڈ دے دو۔اس نے اُٹھتے ساتھ ہی ہتھیلی زین کے سامنے پھیلا دی تھی۔زین تو چکرا کر رہ گیا۔کل ہی ابھی وہ اس کو لوٹ کر گھر واپس آ رہی تھی۔اور اب پھر سے طیب کی موجودگی کا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔غصے اور شرمندگی سے اس نے فلک کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔وہ مسکراتی رہی۔البتہ اس عجیب سی صورتِحال میں سہی پھنسا طیب تھا۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔اوپر دیکھے یا نیچے۔مسکرائے یا بس ڈھیٹ بنا بہرہ بیٹھا رہے۔یا پھر اجازت لے کر اُٹھ جائے۔

والٹ میں ہے میرا کریڈٹ کارڈ۔۔۔آؤ دیتا ہوں۔دانت پیس کر اس نے فلک کی پھیلی ہتھیلی کو زور سے پکڑا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

سوری طیب۔۔۔میں ذرا اپنی وائف کو والٹ دے آؤں۔ظاہر ہے اب یہاں خاص طور پر وائف بولنا اہم تھا۔مرد تھا مردوں کی زہینیت کو سمجھتا تھا۔فلک

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نے منہ بسورا۔۔اس نے اسی مال میں ایک سفید اور جامن رنگ کا لونگ سکرٹ شرٹ دیکھا تھا۔اسے وہ لینا تھا۔لیکن چونکہ وہ پہلے ہی بیچارے زین کے کریڈٹ کارڈ پہ خاصی بھاری ثابت ہوئی تھی تو اس نے پھر کبھی پہ اسے چھوڑ دیا تھا۔لیکن افسوس کے دل وہیں اسی سٹیچو پہ کہیں اٹک گیا تھا۔اسے لانا بہت ضروری تھا۔

یہ کیا بدتمیزی ہے۔ہاتھ کو چھوڑ کر زین نے اس کی کلائی پکڑی ہوئی تھی۔فلک نے باہر آتے ہی جھٹکا دے کر دبے لہجے میں کہہ کر کلائی چھڑوانا چاہی۔زین نے جھٹکا دیا۔

بتاتا ہوں بدتمیزی کیا ہوتی ہے۔چلو ذرا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عورت اگر ٹیڑھے مزاج کی ہوناں۔تو مرد صرف تک وہ ٹیڑھا پن برداشت کرتا ہے جو وہ اس کی من چاہی ہو۔لیکن یہاں پہ سین کچھ اور تھا۔زین کو فلک کا یوں طیب کے سامنے آنا اور پھر حق جتانا۔سخت بُرا لگا تھا۔اسے صاف محسوس ہوا تھا کہ طیب اس ساری صورتِ حال سے خط اُٹھا رہا تھا۔

زین جانتا تھا اب وہ دفتر میں جا کر سب کو بتاتا۔اور زین کو مزاق بنتا۔

تم سے کس نے کہا تھا کہ ماسی بن کر چائے اُٹھائے اندر جاوٗ۔اس کی کلائی کو جھٹکا دے کر چھوڑتے زین دھاڑا تھا۔وہ دونوں اس وقت کمرے میں تھے۔فلک نے ماتھے پہ آءے بولوں کو نزاکت سے سامنے سے ہٹایا۔

میں بس ایک اچھی میزبان بننے کی کوشش کر رہی تھی۔محترمہ کو پہلے کبھی اپنی غلطی کا احساس ہوا جو اب ہوتا۔

میں نے تم سے کہا تھا کہ چائے لوؤ؟

نہیں ناں؟

نہیں کہا تھا ناں۔تو کیا مصیبت آن پڑی تھی۔۔۔کیا موت آئی تھی۔

تم جانتی ہو وہ کون تھا۔؟

فلک کو زین کے اس طرح تلخ ہونے پہ شدید دُکھ ہو رہا تھا۔زین کے چہرے کو اس نے بغور دیکھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کون ہے۔وہ دھیمی پڑ گئی۔

جب میں کچھ نہیں ہوں۔تو باقی سب کچھ بھی ہوں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔لہجہ خوُد بخود شکوہ کرنے لگا تھا۔زین نے ہونٹ بھینچ لئے۔

عورتوں کی ایک بات بہت بُری ہے۔جو مرد عورتوں کے ساتھ ذرا سا نرم پڑ جائے۔یہ اسے انگلی پہ نچاتی ہیں۔اور وہ بھی اپنی بھرپور ادھکاری سے۔زین بنیادی طور پر نرم مزاج عورتوں کی عزت کرنے والا انسان تھا۔بلاوجہ سختی کرنا اسے پسند نہیں تھا۔فلک یہ بات جانتی تھی۔تبھی ایسے زین سے بات کرتی تھی۔جیسے وہ زین کے گھر نہیں بلکہ زین اس کے گھر رہ رہا ہو۔

کوئی کام کر دیتی تو دن میں سو بار جتا دیتی۔

میرا یہ مطلب نہیں تھا فلک۔۔۔

میں بس اتنا کہنا چاہتا ہوں۔۔۔کہ وہ میرے دفتر کا بندہ ہے۔وہاں جا کر وہ اُلٹی سیدھی بات کرے گا۔تمہارے ساتھ میری بھی ساکھ پہ بات کرے گا۔ابھی توکوئی بھی نہیں جانتا کہ تمہارا مجھ سے نکاح ہو چکا ہے۔باوجود شدید غصے کے اس نے اب کی بار تحمل سے کہنا چاہا تھا۔فلک طنز سے ہنس دی۔

میری فکر مت کرو زین۔میری ساکھ پہلی بھی اچھی نہیں تھی۔میں البتہ تمہارے لئے معذرت کرتی ہوں۔اسے نہ جانے کیا ہوا تھا کہ وہ یوں ایک دم سے ڈھیر ہونے لگی تھی۔وہ بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

زین نے فلک کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

تم کونسی پارٹی پہ جانے کی بات کر رہی تھی۔؟وہ اصل میں بات بدلنا چاہتا تھا۔

میں شام پیلس میں مدعو ہوں۔اس نے ایک دم سے سر اُٹھا کر بے تاثر چہرے کے ساتھ کہاتو زین نے ایک دم آنکھیں سکیڑیں۔

تم مزاق کر رہی ہو؟اسے یقین نہیں آیا۔فلک نےتاسف سے سر ہلایا۔

ایک تو تم پولیس والے۔۔۔

تم کیسے مدعو ہو گئی اس دعوت میں۔فلک کی بات کاٹتے ایک دم سے زین نے

جوش میں آ کر اس کے بائیں جانب بیٹھتے پوچھا تو فلک غیر محسوس انداز میں وہاں سے اُٹھ گئی۔اور پھر جا کر سیدھا صوفے پہ بیٹھ گئی۔زین نے محسوس کیا لیکن نظر انداز کیا۔

میں آج ماہم کے بوائے فرنڈ سے ملی تھی۔اس نے زین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتایا تو زین کے ماتھے پہ ایک دم سے بل اُبھرے۔

تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟

تم کیسے اور کب ملی اس سے؟

باوجود اس خواہش کے کہ وہ فلک کے منہ پہ ایک رکھ کر لگاتا اس نے تیزی سے پوچھا تھا۔فلک نے ٹانگیں اکھٹی کر کے ظاہر ہے محض بِلی میں نے اس کا منہ چومنے کے لئے تو نہیں لی تھی۔مجھے پالتو جانور سخت ناپسند ہیں۔خاص طور پہ نرم نرم بلیاں۔۔ایکھ۔۔۔باوجود کوشش کے وہ اپنے ہاتھ مسلنے سے روک نہیں پائی تھی۔اس نے ساڑھے چار لاکھ کی جو بلی لی تھی وہ صرف اور صرف کسی انجبی کو تحفے میں دینے کے لئے لی تھی۔جو وہ آج دے چکی تھی۔

زین کو افسوس بلی کا نہیں تھا۔لیکن وہ حقیقتاً فلک کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔وہ اُٹھا۔

تم اس پارٹی میں نہیں جا رہی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا اس لئے کیونکہ تم اس مشن کو پورا کرنے میں ناکام ہو گئے؟فلک کے ماتھے پہ بل اُبھرے تھے۔وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھی۔اور زین کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

تم ہر بات کا مطلب ٹیڑھا کیوں نکالتی ہو۔اور یہاں کوئی جیمز بونڈ کی فلم نہیں چل رہی۔جہاں ہم میشن میشن کھیل رہیے ہوں۔

یہ میری خود ساختہ انویسٹیگیشن ہے۔اور کچھ نہیں۔نیب کا کیس ہے وہ دیکھ لیں گے۔بات کو کھینچنے سے اسے سخت نفرت تھی۔پر فلک کا شکریہ جس نے اسے یہ تو سیکھا ہی دیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پہلی بات یہ کہ تم بات ٹیڑھی کرتے ہو۔اس لئے مطلب بھی ٹیڑھا سمجھ آتا ہے۔اور دوسری بات میں پارٹی پہ ضرور جاؤں گی چاہیئے کچھ بھی ہو جائے۔ فلک سُلطان کسی کی سُن لے ظاہر ہے یہ ناممکن تھا۔زین نے مُٹھیاں بھینچ کر خود کو نارمل کیا۔اور پھر ایک ملامت بھری نظر فلک پہ ڈال کر باہر نکل گیا۔۔ فلک نے بس اس کی پُشت دیکھ کر مسکرانے پہ اُتفاق کیا تھا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

شہر بھر کی چکاچوند جیسے اس ایک حال میں آن مقید ہوئی تھی۔

فلک نے اپنے تازہ ڈائی شُدہ بالوں کو نرمی سے ایک کندھے سے دوسرے پہ منتقل کیا۔اور پھر چہرے پہ گہری مصنوعی مسکراہٹ لاتے حال میں ارد گرد

دیکھنے لگی۔

وہ اس وقت سفید اور جامنی رنگ لونگ سکرٹ شرٹ میں تھی۔اور اس نے سفید رنگ کا ایک نہایت نفیس نیکلس پہن رکھا تھا۔جس کے پینڈٹ میں لگے کیمرے میں زین مصطفٰے سب دیکھ رہا تھا۔

فلک نے سفید ہائی ہلیز سے چلتے ہاتھ میں موجود پرس کو دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ماہم کے بوائے فرنڈ حشام ہو دیکھا جو اسی کی طرف مسکراتا چلا آ رہا تھا۔اور پھر فلک نے دور سے ہی پُرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا تھا۔

شکریہ مس گل۔۔۔

میں آپ کی آمد کو اپنا عزاز سمجھتا ہوں۔مسکراتے اس نے قدرِ جُھک کر فلک کے ہاتھ کو تھام کر بوسہ لیا تھا۔فلک اس کے لئے تیار نہیں تھی۔بے اختیار اس کا دل کامپا۔اور دوسری طرف زین نے غصے سے ہاتھ کی مُٹھی بھینچ لی۔

جانوروں کی کھچار میں اپنی بد زبان بیوی کو بھیجنے کی غلطی وہ کرچکا تھا۔وہ بس بولنے کی حد تک شیرنی تھی۔ورنہ تھی تو وہ بھی نازک سی لڑکی ہی۔

ویل۔۔۔اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو میں شکر گزار ہوں۔اپنا ہاتھ غیر محسوس انداز میں حشام کے ہاتھ سے نکالتے اس نے اُڑتی مسکراہٹ سے کہا تو حشام ہنس دیا۔

چلیں آئیں میں آپ کو مہمانوں سے ملواتا ہوں۔اس کے باوجود کہ فلک نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکلوا لیا تھا۔لیکن اس نے چلتے وقت پھر سے جب فلک کا ہاتھ پکڑا تھا۔فلک دل ہی دل میں ڈر گئی۔

اسے حنان کو کِک کرنا یاد آیا تھا۔وہ حشام کو کِک کرنا چاہتی تھی لیکن افسوس کہ وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

فلک کا چہرہ وہاں موجود بہت ساری خواتین میں ایسا کوئی بہت خوبصورت نہیں تھا۔وہاں دنیا بھر کی خوبصورت خواتین موجود تھیں۔لیکن فلک کی شخصیت میں کچھ ایسا ضرور تھا۔جو وہاں کسی اور عورت میں نہیں تھا۔شائد اس کی شخصیت سے جھلکتا غرور یا پھر اس کا بارعب انداز۔جو کسی بھی شخص کو اس کی جانب متوجہ کرسکتا تھا۔

جس وقت فلک نے بڑے سارے دروازے کو دھکیل کر قدم حال میں رکھا تھا۔تو بہت ساری گردنیں فلک کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

اور ان سب میں اس کے لئے پسندیدگی اور انجان پن تھا۔

مسٹر زبیر۔۔۔ٹھگنے قد کا ایک بارعب سا مگر قدرِ گنجا شخص فلک کی جانب پُشت کئے کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔جب حشام کی آواز پہ گھوما تھا۔

مسٹر زبیر نے حشام کے ساتھ انجان لڑکی کو دیکھا تو مسکرا دئے۔فلک بھی مسکرائی۔زین نے آنکھیں سکیڑ کر سکرین کو دیکھا۔اسے فلک کو وہاں بھیجنا اب

سہی معنوں میں سنگین لگ رہا تھا۔

زبیر حیات مافیا کے ان گوڈفادرز میں سے تھا جو گناہ کرتے ہیں تو ڈنکے کی چوٹ پہ کرتے ہیں مگر کبھی بھی پولیس کے ہاتھ نہیں آتے۔ریشم کی طرح ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔بدقسمتی تھی کہ ایسے لوگوں کا پولیس بھی ساتھ دیتی تھی۔

زبیر حیات نے دنیا جہاں کا ہر غیر قانونی کام کر رکھا تھا۔لیکن بظاہر وہ امپورٹ اکسپوٹ کا کام کرہا تھا۔

مسٹر زبیر یاد ہے آپ کو میں نے آپ سے اپنی ایک خاص مہمان کی آمد کا ذکر کیا تھا۔فلک کے کندھے کے گرد بازو لپیٹتے اس نے مسکراتے کہا تو فلک بےاختیار ہونٹ کاٹنے لگی۔زبیر حیات حشام کی بات کے جواب میں ہنس دئے تھے۔

یقیناً حشام نے فلک کا اچھے الفاظ میں ذکر نہیں کیا تھا۔

Hello miss...

Nice to meet you...

مسکراتے زبیر حیات نے ہاتھ فلک کی جانب بڑھایا۔اور زین نے تیزی سے پاس پڑے فون کو اٹھا کر فلک اک نمبر ڈائل کیا تھا۔

فلک نے لمحے بھر کو زبیر حیات کا ہاتھ دیکھا۔مگر تبھی ہاتھ میں موجود کلچ میں پڑا فون بڑبڑایا تھا۔فلک نے سکون کا سانس لیا۔اور تیزی سے حشام کے ہاتھ کو کندھے سے ہٹایا۔

میں معذرت چاہتی ہوں۔کہہ کر وہ تیزی سے حال کے ایک جانب بڑھ گئی۔وہ جانتی تھی۔زین اب اس کی کلاس لے گا۔ظاہر ہے سب دیکھ جو لیا تھا محترم نے۔

فون کو اٹنڈ کرنے سے پہلے فلک نےحال میں چلتے بلکنی کا رستہ ڈھونڈا تھا۔بلکنی میں سے سارے حال پہ نظر رکھی جا سکتی تھی۔

فلک تمہارے پاس صرف دو سیکنڈز ہیں۔باہر نکلو۔تمہارا شوفر آ رہا ہے۔دانت پیس کر زین نے کہا تو فلک نے بلکنی سے نظر آتے لوگوں کو دیکھا ور پھر گہرہ سانس لیا۔

وہ کچھ دیر قبل بہت گھبرا گئی تھی۔اسے احساس ہو ا تھا کہ اس نے شام پیلس آ کر غلطی کی ہے۔لیکن اب جب زین نے اسے کال کی تو اسے ا حساس ہوا کہ وہ یہ کر سکتی ہے۔۔۔سارے ملکِ ساری قوم کی عزت اس وقت داؤ پہ تھی۔اب اگر وہ کچھ کرتی جس سے اس کے ملکِ کو فائدہ ہو رہا تھا۔تو یقیناً فلک کو اس موقع سے فاءدہ اُٹھانا تھا۔

زین اگر میں دوبارہ کسی مشکل میں پڑ جاؤں تو کیا تم پھر سے میری مدد کرو

گے؟حال میں چلتے پھرتے ہنستے چور چکاروں اور مافیا کو دیکھتے فلک نے زین کی بات کو نظر انداز کرتے پوچھا تو زین نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

فلک یہ وقت بحث کا نہیں ہے۔تم نہیں جانتی یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔گھر واپس آؤ۔ہم یہ کیس بند کر رہے ہیں۔نیب کا کیس ہے ہمارا نہیں۔زین اس کی بات کا مطلب سمجھ گیا تھا۔وہ اب وہاں سے کام کئے بغیر نہیں آئے گی۔وہ یہی کہہ رہی تھی۔

زین تم میری بات کا جواب دو۔جس طرح تم نے پہلے بھرے مجمے میں میرے مدد مانگتے ہاتھ کو نہیں جھٹکا تھا۔کیا اب بھی نہیں جھٹکو گے؟

کیا تم میرے ساتھ میری مدد کے لئے رہو گے؟وہ اس ساری صورِحال میں زین کو اپنے ساتھ دیکھنا محسوس کرنا چاہتی تھی۔کیونکہ حشام کے اپنے کندھے پہ دھرے ہاتھ کو محسوس کر کےاسے پہلی بار زین کی اہمیت کا انداز ہوا تھا۔زین نے کبھی بھی باوجود اس کے کہ وہ اس کی بیوی تھی کبھی بھی ایسی نظر سے نہیں دیکھا تھا کہ فلک خود کو شرمندہ محسوس کرتی۔

فلک بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔اور واپس گھر آؤ۔بالوں میں ہاتھ پھیرتے اس نے کہا اور ساتھ ہی سکرین کو گھرا۔فلک کا رُخ حال کی جانب تھا۔اور حال میں نظر آتے ہر شخص کا چہرہ وہ با آسانی دیکھ سکتا تھا۔

تم دیکھ رہیے ہو۔۔۔یہ تمام وہ لوگ ہیں جن کو ایف آئی اے،نیب ، سی آئی

اےاور باقی تمام ادارے بھی نہیں پکڑ پا رہےئے۔

زین اگر میں یہاں ت آ گئی ہوں تو یقین رکھو میں آگے بھی کچھ نہ کچھ ضرور کو لوں گی۔حال کو دیکھتے وہ کہہ رہی تھی۔

زبیر حیات اور حشام فلک کو موضوعِ بنائے گفتگو کر رہےئے تھے۔

لڑکی میں آپ کے لئے ڈھونڈ چکا ہوں۔معصوم ہے۔اور بہت زیادہ مغرور۔۔۔اس سے بہتر آپ کا کام اور کوئی نہیں کر سکتا حیات صاحب۔۔۔

ہا ہا ہا۔۔۔حشام ملک تم بہت زہین ہو۔شہروز اکرام نے تمہیں رکھ کر یقیناً کافی عقلمندی کا کام کیا ہے۔میری نظر میں یہ اس کی پہلی اور واحد زہانت کا نچوڑ ہے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہم آپ کی مدد کرتے رہیں گے سر۔۔اگر آپ شہروز اکرام صاحب کو نہ بھولیں تو۔گہری مسکراہٹ کے ساتھ حشام نے کہا تو زبیر حیات عؔادت کے مطابق ہنس دیئے۔

تمہارے ساتھ کام کے اچھا لگ رہا ہے۔دیکھتے ہیں آگے ہم تمہارے لئے کیا کرسکتے ہیں۔زبیر حیات نے گھڑی پہ وقت دیکھتے کہا اور پھر فلک نے دیکھا کہ حال میں کھڑے بیشتر مرد ایک دم سے چلنے لگے۔

وہ سب کہاں جا رہے تھے۔۔۔فلک نے سوچا اور مسکرا دی۔

زین سکرین کو دیکھ رہا تھا۔

زین میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔کہہ کر اس نے کال کاٹ دی۔زین بس خاموشی سے سکرین کو دیکھتا رہا۔

فلک نے اپنا پرسا کھولا اور اس میں سے ایک چھوٹی ریکارڈنگ چِپ اور ایک کیمرہ نکال کر قمیض کی آستین میں چھپالیا۔

زین بغور فلک کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔وہ اس وقت سخت ڈپریشن محسوس کر رہا تھا۔اور کافی پینے کی شدیدخواہش رکھتا تھا۔

فلک نے ماتھے پہ آتے سٹریٹ کٹے بالوں کو نزاکت سے سامنے سے ہٹایا اور پھر بلکنی سے اُترنے لگی۔سرخ بیچھے قالین جا بجا چھت کے ساتھ نسب بڑے بڑے فانوس اور سنہری دبیز پردے ہر چیز اس جگہ کی شان و شوکت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

جس وقت فلک اُتر رہی تھی۔اسی وقت حشام اوپر آرہا تھا۔وہ فلک کو دیکھ کر بروقت مسکرایا۔اور فلک بھی۔۔۔

سوری مس فلک۔۔۔فلحال ایک کام کے سلسلے میں میں جا رہا ہوں۔آپ کولڈرنس لیجئے میں بیس منٹ میں واپس آ جاؤں گا۔

نہیں نہیں حشام ٹیک یور ٹائم۔

میں انتظار کر لوں گی۔نزاکت سے کہتے اس نے ہاتھ حشام کی جانب بڑھایا تو حشام نے ہنس کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ضرور مس فلک۔۔۔اس کا ہاتھ پکڑ کر اس نے فلک کی آنکھوں میں دیکھتے کہا تھا۔فلک اس کی جانب دیکھے بغیر ارد گرد دیکھتی رہی۔

حشام اس کا ہاتھ پکڑے سیڑھیاں اُتر رہا تھا۔جب ایک دم سے فلک کاتوازن بگڑا تھا اس سے قبل کہ وہ سیڑھیوں سے نیچے ہوتی حشام نے جھٹکا دے کر اسے واپس سیدھا کیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلک نے فکرِ گھبرا گئی۔اس کا ایک ہاتھ حشام کے کندھے پہ تھا جبکہ دوسرا حشام کے ہاتھ میں۔

میں معزرت چاہتی ہوں۔اپنا ہاتھ حشام کی گرفت سے نکالتے اس نے قدرِ شرمندگی سے کہا تھا۔احشام نے بے پروائی سے کندھے اچکا دیے۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

سُنو۔۔

کیا کبھی تمہارے ساتھ ایسا ہوا۔کہ تم کسی کو ٹوٹ کر چاہو۔اپنے وجود کو کانچ کانچ کر لو۔اپنی ذات کی انا کو اپنے ہی ہاتھوں قتل کر دو۔اور پھر آخر میں اس

شخص کو بھی ہار جاؤ۔جس سے محبت کی خاطر تم نے سب کھو دیا۔

اس نے ایک ایسی بازی پہ سب قربان کر دیا۔جس کی کامیاب بظاہر نظر آکر بھی نہیں نظر آ رہی تھی۔

حنان ایک خود غرض اور مطلبی شخص تھا۔وہ تارا کو وقت بے وقت محض اپنے کام اور مطلب کے بلاتا تھا۔ورنہ تارا کا وجود اس کے لئے تو محض ایک بوجھ تھا زیہنی بھی اور جسمانی بھی۔

تارا نے محبت کو پانے کے لئے اپنی ذات کو بےتوقیر کیا۔اور حنان نے اسے جلد ہی اسے اس کی غلطی کا احساس دلا دیا۔اور وہ روز دلاتا تھا۔تارا بندے کمرے میں حنان کی قیدی تھی۔اور باہر خاندان والوں اور رسموں کی۔

چچی جان نے اس کو بابا کے گھر جانے سے کبھی نہیں روکا تھا۔لیکن وہ جب واپس آتی اس سے پوچھا جاتا۔وقفے وقفے سے اس کے پیچھے چکر لگائے جاتے۔اور پھر مغرب ہونے سے قبل واپس بلا لیا جاتا۔وہ وہاں سب کے لئے جی رہی تھی۔لیکن خود۔۔۔خود وہ نہ جانے کب سے اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لے پائی تھی۔

کیا دیا مجھے اس محبت نے؟

نہیں بلکہ مجھے تو سوچنا چاہیئے کہ کیا کیا چھینا مجھ سے اس محبت نے۔حنان کے دُھلے کپڑوں کو الماری ہیں رکھتے وہ سوچ رہی تھی۔

وہ اس وقت سنہری اور رائل شفون کے شلوار قمیض میں تھی۔اور سنہری دوپٹے کو اس نے گلے میں رسی کی مانند ڈال رکھا تھا۔

وہ جب جب ہاتھ ہلاتی سونے کے بھاری کنگن چھنچھناتے ایک طعبیت میں بوجھل پن پیدا کرتے تھے۔

اس محبت نے مجھ سے ایک چیز نہیں چھینی۔۔۔وہ مغموم سی بولی۔وہ اس وقت کمرے میں تنہا تھی۔

میری دوست

میری خود عتمادی

میری انا

میری فیصلے لینے کی تمام صلاحتیں اور حنان کا بھروسہ اس محبت نے اس سے چھین لیا تھا۔

وہ محبت میں مبتلا ہو کر بھی شائد محبت میں مبتلا نہیں تھا۔وہ اس سفر میں کہیں پیچھے تھی۔

حنان نے جس وقت کمرے میں قدم رکھا۔تارا اپنا تقریباً کام مکمل کر چکی تھی۔اسے تارا کی پُشت پہ اس کی چوٹی نظر آئی۔وہ وہیں راہداری میں کھڑا ہو گیا۔

کمرے کی خاموش فضا کا منظر لمحے کو بدلا۔میز پہ بیٹھی اسے فلک نظر آئی۔

کٹے بال خوبصورت ہئیر ڈائے۔اور ایک بے فکری۔(محبت کے دعودار کو چہرے کی افسردگی نہیں دِکھی تھی)حنان مزید بھی اسی منظر میں ٹھہرتا جب تارا نے چونک کر پیچھے دیکھا اور پھر حنان کو راہداری میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

حنان بس اسے دیکھ رہا تھا پک تک نہیں جھپک رہا تھا۔حنان؟

سوچ کا بلبلا لمحے میں پھٹ گیا۔اس نے تارا کو دیکھا۔سادہ سا چہرہ آنکھوں کے نیچے دائرے اور گالوں کی اُبھری ہڈیاں۔وہ چند دنوں میں کافی کمزور ہو چکی تھی۔

حنان نے اس سے نظر ہٹا لی اور دروازے کے نوب پہ رکھا ہاتھ ہٹاتا کمرے میں داخل ہوا۔تارا اس کے اندر کے جنگلی پن کو بخوبی سمجھتی تھی۔اور وہ اس کے ساتھ اتنا روڈ تھا کہ وہ اب خود ہی اسے کم کم بلاتی تھی۔

حنان بیڈ پہ بیٹھا اور جھک کر پاؤں سے جوتے اُتارنے لگا۔وہ اُداس تھا۔کسی خواب کے پورے نہ ہونے کا غم اس کے اندر مسلسل پنپ رہا تھا۔مگر وہ اب تھکنے لگا تھا۔اسے اس غم سے فرار چاہیئے تھی۔انسان مسلسل تبدیلی سے گزرتا ہے۔وہ بھی گزر رہا تھا۔وہ فلک کے پیچھے بچپن سے بھاگ رہا تھا۔اور اب وہ اس بھاگ دوڑ سے تھکنے لگا تھا۔

فلک ایک بےپروا خود کی کرنے والی لڑکی تھی۔اور حنان کو اس روز ہوٹل میں

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سمجھ آگیا تھا۔وہ وہ چاند تھی جس کو دور سے دیکھ کر چاہا جا سکتا ہے مگر اسے حاصل کرنا حنان کے اختیار میں نہیں تھا۔

حنان نے جوتے پاؤں سے اُتارے اور پھر یوں ہی پاؤں بیڈ سے اُتارے پیچھے بیڈ پہ بازوں اکڑوں کھڑے کئے بیٹھا رکھا۔تارا اس عرصے میں اسے مکمل نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

تارا تم نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟بہت دنوں کے غصے کے بعد اس نے تارا سے پوچھا تھا۔تارا نے چونک کر اسے دیکھا۔جہاں وہ کھڑی تھی وہاں سے حنان کا سایڈ پوز نظر آ رہا تھا۔اور وہ خاصا اُداس لگتا تھا۔تارا نے گہرہ سانس لیا۔اور کام کرنا نہیں روکا۔ظاہر ہے وہ اب حنان کے سحر سے نکل چکی تھی۔اتنا کچھ دیا تھا اس نے ایک حنان کے لئے۔لیکن افسوس کے وہ اب خوش نہیں تھی۔اسے اپنے فیصلے کا افسوس شدت سے تھا۔وہ روز پچھتاتی تھی۔

کیونکہ شائذ میں دل کی قیدی ہو چکی تھی۔اس نے گہرہ سانس لے کر دل کی بات زبان سے ادا کی تو حنان نے مڑ کر تعجب سے اسے دیکھا۔

مطلب؟اس نے چہرہ موڑ کر تارا کو دیکھا تھا۔اب تارا اس کے پورے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

مطلب ہی تو سمجھ نہیں آیا۔(آیا ہوتا تو آج تمہاری قید میں نہ ہوتی۔اور یقین کرو یہ دل کی قید سے زیادہ بُری قید ہے)اس نے آدھی بات دل میں آدھی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حنان سے کہہ دی۔کام وہ متوتر کر رہی تھی۔حنان بس اسے دیکھتا رہا۔

میں نے کچھ روز قبل فلک کو دیکھا تھا۔آج تین دن بعد لہجے میں تنفر کی بجائے اُداسی تھی۔

تارا نے کہا کچھ نہیں بس ایک نظر حنان کی پُشت کو دیکھا۔گویا آگے سُننے کا نتظار کیا۔

وہ پہلے بھی بہت سرد مزاج تھی لیکن کل تو وہ ایسے تھی جیسے جانتی ہی نہ ہو۔مجھے لگا تھا وہ مجھ سے کوئی شکوہ شکائت کرے گی۔پر اس نے تو۔۔۔لفظ شکائت پہ تارا نے ایک بار پھر سے حنان کو دیکھا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یعنی اس نے غلطی کی تھی۔۔۔کچھ ایسا کیا تھا جس کا فلک کو اس سے شکوہ کرنا تھا۔تارا کے گلے میں آنسو سے اٹکنے لگے۔

میں چاہتا تھا وہ مجھے سُنے لیکن وہ۔۔۔وہ حنان وہ آپ کے ساتھ پہلے بھی ایسے ہی بات کرتی تھی۔اور اگر آپ اسے روکنا چاہتے تھے تو آپ اسے روک سکتے تھے۔گلے میں اٹکے آنسو کو روکنے کی کوشش کرتے تارا نے تحمل سے کہا۔اور ساتھ ہی آخری ہاتھ میں پکڑی شرٹ بھی الماری میں رکھ (پٹخی) حنان نے گردن گھوما کر تارا کے بالوں کو دیکھا۔اور پھر چت لیٹ گیا۔

تمہیں بُرا لگا میرا اسے بلانا۔؟شادی کے اٹھارہ روز بعد وہ اس سے پوچھ رہا۔کہ اسے کچھ بُرا لگا۔تارا نے بس اُداسی سے بشمکل مسکرانے کی کوشش کی۔

نہیں۔۔۔نہیں مجھے بھلا کیوں بُرا لگے گا۔کسی کا اچھا لگنا ہمارے اختیار میں تھوڑی ہوتا ہے۔

یہ تو قسمت کا لکھا ہے۔کوئی جتنا بچ لے یہ محبت کسی آکٹوپس کی طرح جکڑ کے بے دم ضرور کرتی ہے۔۔۔آپ چائے پیئیں گے؟

اپنی بات کہہ کر۔آور آخر میں حنان سے چائے کا پوچھ کر جوب لئے بغیر ہی وہ دوپٹے کو درست کرتے باہر نکل گئی۔حنان نے بس خالی نظروں سے تارا کو دیکھا۔اور ہونٹ بھینچ لئے۔

میں جانتا ہوں تم بھی اسی آکٹوپس کے حصار میں جکڑی ہو۔جس نے مجھے جکڑ رکھا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ چاہتا تھا۔وہ اپنے غم کو کسی کے سامنے نکالے باہر دیکھائے کہ وہ اندر سے کیسا ہو چکا ہے۔نکاح کے بعد اس نے کبھی کسی سے تارا سے نکاح کا شکوہ نہیں کیا تھا۔لیکن وہ اندر ہی اندر غصہ دباتا جا رہا تھا۔اور اسی غصے کا انجام تھا کہ وہ تارا پہ ہاتھ اُٹھانے زبردستی کرنے اور چیخنے پہ گریز نہیں کرتا تھا۔اسے اپنا آپ تنہا اور بےبس محسوس ہوتا تھا۔اٹھارہ دنوں میں اس کی ذات بالکل اندر سے ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔وہ آج تھکا ہوا تھا۔لیکن تارا کے جواب نے اسے خاموش کروا دیا۔

اسے اب بھی اپنی غلطی اور تارا کے ساتھ اپنے روئے کا احساس نہیں تھا۔وہ

بس اپنی ہی ذات میں قید تھا۔

کیا کبھی ایسے شخص کو محبت ہو سکتی ہے؟تو جواب ہے نہیں۔وہ صرف اپنی ایک خواہش کے پیچھے بھاگ رہا تھا اور بس۔۔۔اسے تو فلک سے بھی محبت نہیں تھی۔

برف کے سفید گالے دروختوں کے پتوں کو مکمل طور پہ ڈھک چُکے تھے۔جنگل کا بیچ کا بیشتر حصہ بھی برف سے ڈھکا ہوا تھا۔

اور اسی جنگل میں فیکٹری سے کچھ ہی فاصلے پہ وہ لکڑی کا گھر بنا تھا۔جس کی ایک کھڑکی کے علاوہ باقی تمام کھڑکیاں اور چھت بھی برف سے ڈھکے پڑے تھے۔اور وہ اس سبز اور سفید کے امتزاج مں ایک واحد لڑکی موجود تھی۔

سر کھڑکی سے ٹکائے۔گنگ زبان اور ویران آنکھوں سے آسمان سے گرتی مسلسل برف کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اس وقت اپنے گرد بازو لپیٹے خاکی رف مردانہ شرٹ اور سیاہ کھولے سے ٹراؤزرز پہ لمبی سی اونی شرگ پہنے ہوئی تھی۔اس کے کمرے کا ہیٹر بند تھا۔اور کھڑکی سے آتی ٹھنڈ اس کے کمرے کو اور اس کے ساتھ کو مزید سرد کر چکی تھی۔لیکن نمرہ تو ٹرامہ میں تھی۔اسے کہاں کچھ محسوس ہو رہا تھا۔وہ تو بس سات دِنوں میں تھی۔اس کی ذات اس کی روح بس سات دِنوں میں قید ہو کر

رہ گئی تھی۔ڈھنگ سے نیند نہ لینے کی وجہ سے اور مسلسل ذیہنی باؤ نے اسے بہت کمزور کر دیا تھا۔۔گالوں کی ہڈیاں اُبھر چکی تھی۔ہونٹ بالکل بے رونکا اور سوکھے۔دُبلا سالوں کا فاقے کرتا لگتا جسم۔اور آنکھوں میں مرونی۔وہ لڑکی بالکل بھی وہ نہیں تھی۔جس کی ہنسی کبھی عبداللہ سُن کر جیا کرتا تھا۔عبداللہ اگراب اسے دیکھتا تو شائد پہچان بھی نہ پاتا۔

عبداللہ نے گہرہ سانس لے کر اپنے سامنے پھیلے اس جنگل کو دیکھا۔اور پھر ایک بار آسمان سے گرتی برف کو۔

آج شام اسے واپس چلے جانا تھا۔اور یہ جنگل کھنگالنے وہ دوسری بار آ رہا تھا۔اسے جیسے اُمید تھی کہ نمرہ ادھر ہی کہیں اسی جنگل میں ہو گی۔نمرہ کا فون آخری بار یہیں اسی جنگل میں آن ہوا تھا۔اور اب یہی جنگل اس کی آخری اُمید تھا۔وہ اکیلا ہی ابھی تک نمرہ کو ڈھونڈتا آ رہا تھا۔وہ کسی پولیس کسی فورس کے پاس بھی نہیں جا سکتا تھا۔وہ جانتا تھا ضیاء آفندی کے دوشمن اور شہروز اکرام نمرہ کے لئے کھائیاں تیار کئے بیٹھے ہیں۔ایسے میں اگر وہ کہیں محفوظ بھی ہو تو وہ اسے مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔وہ اگرکسی سے بھی مدد لیتا ڈر تھا کہ شکاری بھی نمرہ کی تلاش میں لگ جاتے۔وہ نہیں جانتا تھا کہ نمرہ شکاری ہی کا شکار ہوئی ہے۔شہروز اکرام جب خوفزداہ ہوا وہ نمرہ کو گواہ کے طور پہ چھوڑ کر باوجود خوف کے ہر گز چھوڑ کر نہ جاتا اسے لگا تھا نمرہ ماری جائے گی۔خود ہی اسی تنہائی اسی قید خانے میں۔ظاہر ہے وہ سہی تھا۔وہ مرنے ہی تو

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

والی تھی۔لیکن خُدا شائد کچھ اور چاہتا تھا۔تبھی باوجود سات دن بھوک پیاس اور کمزوری و خوف کے وہ مری نہیں۔وہ زندہ بچ گئی۔

عبداللہ کا رستہ صاف اور قدرِ ڈھلوانی تھا۔

جگہ جگہ ٹوٹی شاخیں بُجھے کوئلے اور بے تحاشا برف۔

وہ جنگل زیادہ بڑا نہیں تھا۔اور لگتا تھا عام عوام کے استعمال میں رہتا ہے۔ویسی ویرانی وہاں نہیں تھی جیسی عام طور پہ جنگلوں میں محسوس ہوتی ہے۔

وہ اطراف میں ویران اور بےتاب نظریں گھوماتا چلتا جا رہا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا ہر ہر قدم کے ساتھ وہ نمرہ کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا وہ اپنی بیوی کو ڈھونڈنے بالکل سہی جگہ پہ آیا ہے۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ کوئی ہے جو اسی رہ منتظر بیٹھا ہے۔

وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔وہ بس برف سے اٹے درختوں کے نیچے ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے چلا جا رہا تھا۔

نمرہ اس وقت کھڑکی سے پُشت ٹکائے چہرہ کمرے کی جانب موڑے ہوئے تھی۔جنگل اس کی پُشت پہ تھا۔تبھی عبداللہ اس کمرے کے بالکل سامنے راہداری میں لگے دروازے کو پیٹ رہا تھا۔وہ دونوں نہیں جانتے تھے وہ ایک

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دوسرے کے بہت قریب ہیں وہ نہیں جانتے تھے۔وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔

کمرے کی کھڑکی دروازے کے عین سامنے تھی۔یعنی گھر کے پیچھلی جانب۔اور عبداللہ گھر کے سامنے تھا۔

ٹھنڈ سے عبداللہ کے ہونٹ نیلے ہوتے جا رہئے تھے۔اس کے ہاتھ گلواز سے آزاد اس ٹھنڈ میں جمنے کے قریب تھے۔لیکن وہ پھر بھی دروازہ پیٹ رہا تھا۔نمرہ نے خاموشی سے چہرہ واپس جنگل کی جانب موڑ لیا۔وہ کچھ نہیں سُن رہی تھی۔وہ بس ممی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہی تھی۔

ممی کے کرسی کے ساتھ بندھے ہاتھ ،جُھکا سر اور خاکی خون آلود لمبا کوٹ۔

ممی کے ہونٹ بالکل زرد تھے۔ان کے مرُدے چہرے پہ شدید تکلیف تھی۔اور اس تکلف کو مردہ چہرے اور مرتی آنکھوں سے نمرہ دیکھ رہی تھی۔وہ بے آب مچھلی کی طرح کرسی کے ساتھ بندھی مچل رہی تھی۔

وہ سب عزاب تھا۔یا شائد عذاب تو ایک معمولی لفظ تھا۔اس تکلیف کو کسی لفظ کسی جملے کسی پیمانے میں تولا نہیں جاسکتا تھا جس سے نمرہ گزر رہی تھی۔

وہ کاپتی بیڈ پہ جا بیٹھی۔اور پاؤں بیڈ پہ چڑھا کر اپنے گرد بازو لپیٹ لئے۔وہ اس وقت ٹرامہ میں تھی۔اور پس منظر میں دروازہ بج رہا تھا۔

گھر کا مالک رائٹر اس وقت نہ جانے کہاں دھکے کھاتا پھر رہا تھا۔اور نمرہ اس

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حالت میں نہیں تھی کہ دروازہ کھولتی۔بلکہ وہ تو جانتی ہی نہیں تھی۔کہ دروازہ پیٹا جا رہا ہے۔

ممی۔۔۔

نمرہ کے ہونٹ بغیر آواز کے ہِلے۔

ممی؟

ممی۔ہونٹوں کو بُری طرح کاٹتے اس نے اپنے گرد بازوں کو سختی سے لپیٹتے آہستہ آہستہ ہلتے۔آہستہ آہستہ اپنی توڑی اپنی گھوٹنے پہ مارنی شروع کر دی۔

ممی۔۔

نمرہ۔۔۔ممی کی چیختی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

نمرہ۔۔۔چھپ جاؤ۔دروازہ متواتر پیٹا جا رہا تھا۔اور اس کے ساتھ ممی کے چیخنے کی آواز۔

ممی۔۔۔ممی۔

ممی۔ممی ممی کہتے وہ بس اپنی تھوڑی کو گھوٹنے پہ اب زور زور سے مارنے لگی تھی۔اس کی آنکھوں سے آنسو نکل نکل کر سیاہ ٹراؤزرز میں جزب ہوتے جا رہئے تھے۔

ٹھک ٹھک ٹھک۔۔۔

نمبرہ بھاگ جاؤ۔

نمرہ چھپ جاؤ۔

تم یہ نہیں کرسکتے۔ممی کی چیخیں۔نمرہ کے دماغ کو شل کر رہی تھیں۔نمرہ نے تھوڑی کو گھوٹنے سے ہٹا دیا۔اور گھوم کر پیچھلی دیوار جس کے ساتھ بیڈ لگا تھا۔سر کو پوری قوت سے دیوار میں مارنے کی کوشش کی۔

سر پہ چوٹ لگتے ہی۔تمام آتی آوازیں بند ہو گئیں۔یہاں تک کے دروازہ بھی کھٹکھٹاتا رُک چُکا تھا۔

عبداللہ نے ایک مویوس کن نظر دروازے پہ ڈالی اور واپس پلٹ گیا۔

سب کہتے ہیں کچھ باتوں کا معلوم نہ ہونا اچھا ہوتا ہے۔کاش کے اس وقت کوئی عبداللہ کو احساس دلا دیتا۔کاش کہ کچھ ایسا ہوتا جس سے اسے محسوس ہوجاتا کہ نمرہ وہیں ہے۔وہیں اسی گھر میں۔

لیکن عبداللہ واپس مڑ گیا۔عبداللہ کے قدم زنجیر نہیں ہوئے۔عبداللہ کو اس کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوا۔نہ ہوا چلی نہ طوفان آیا۔کچھ نہیں ہوا۔وہ جس طرح آیا تھا ویسے ہی واپس مڑ گیا۔

گھر میں اور جنگل میں گہرے سناٹے اور ٹھنڈ نے نمرہ کو ایک بار پھر سے اسے گودام میں لا بیٹھایا تھا۔

وہی زمین کے نیچھے گودام میں روشندان سے جھنکتی روشنی اور اندر آتی خون جماتی سردی۔

جب منظر دوبارہ سے بدلنے لگا تو۔نمرہ ایک دم سے اپنی جگہ سے اُٹھی۔اور کود کر بیڈ سے اُتری۔

نمرہ۔۔۔سسکی۔

نمرہ۔۔۔سناٹے میں ایک اور سسکی۔

ماتھے سے بہتے خون سر کے درد میں وہ ننگے پاؤں بیڈ سے اُتری اور تیزی سے کمرے کے دروازے سے نکل کر سامنے موجود راہداری کی جانب دوڑ لگا دی۔

وہ اس وقت اس لڑکے کے گھر کی بجائے اسی گودام میں تھی۔اور وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

ننگے سر ننگے پیر وہ دروازہ کھول کر گھر سے باہر نکلی۔اور ایک دم سے بھاگنے لگی۔

عبداللہ وہیں اسی جنگل میں تھا نمرہ بھی وہیں تھی۔لیکن۔۔۔

لیکن اس سے کیا ہونا تھا۔وہ دونوں ابھی نہیں مل سکتے تھے یہی ان کی قسمت میں تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین نے ماتھے کے ساتھ چمٹے بالوں کو ہاتھ سے ماتھے سے اوپر کیا اور کسلمندی سے چلتا سڑھیاں اُترتا دلان میں آ گیا۔

نظریں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

صاف ستھرا دلان خاموش تھا۔

دھرتی پہ آج اتنا سکون۔۔۔حیرت ہے۔بڑبڑاتے اس نے صوفے کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

ٹھک۔۔۔ایک دم سے اسی پُرسکون خاموشی میں بھاری سٹیل کے برتن کے گرنے کی آواز آئی تھی۔

لمحے بھر پہلے کا سکون غارت۔زین کا منہ بن گیا۔

فلک وہیں ہے وہ ثبوت دے چکی تھی۔

زین اس وقت معموم کے سیاہ ٹراؤزرز پہ سفید شرٹ پہنے ڈھیلا اور سُست لگ رہا تھا۔

اس نے بیٹھتے ہی وہیں صوفے پہ پڑا ریموٹ اُٹھایا اور ساتھ ہی دیوار گیر سکرین چلا دی۔

اوون میں کوکیز بیک کرنے کے لئے فلک آمیزہ بنا رہی تھی۔اس کا ہاتھ بیٹر تھامے تیزی سے کانچ کے باؤل میں گھوم رہا تھا۔

ٹی وی کی آواز پہ فلک نے دروازے کو دیکھا تھا۔

اُٹھ گیا بدمزاج آدمی۔ناک چڑھائی۔اور ساتھ ہی اس نے باورچی خانے میں اطراف میں نگاہ دوڑائی۔

وہ اس وقت باورچی خانے میں خود کرسی پہ بیٹھی تھی۔اور اطراف میں ڈبے بیکنگ پاؤڈر ،معیدہ۔۔۔اور اس کے علاوہ جوتوں کے نیچے کرچ کرچ کرتی چینی بکھری پڑی تھی۔فلک نے خود کو توگندہ ہونے سے بچالیا تھا۔لیکن باورچی خانے اس کی بدسلیقگی کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ظاہر ہے زبان چلانے کے علاوہ محترمہ نے اور کیا سیکھا تھا۔یہ تو ہونا ہی تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

باہر بیٹھے زین نے چند لمحے یوں ہی باورچی خانے اور دلان اور پھر ٹی وی کو وقفے وقفے سے دیکھا اور پھر جب وہ اسکے لئے کھانے کو کچھ لاتی نہ دیکھائی دی تو اسے خود ہی اُٹھنا پڑا۔

ظاہر ہے وہ اس سے ناراض تھی۔اور کسی صورت بھی اب اس کے کھانا نہیں بنانے والی تھی۔

رات کے مناظر دونوں کی آنکھوں کے سامنے وقفے وقفے سے چل رہئے تھے۔اگر فلک خوٗفزدہ ہو جاتی تھی تو زین شدید غصہ۔

پارٹی کے بعد کا یہ چوتھا روز تھا۔ماہم حشام اور زبیر حیات کی بھرپور نگرانی کی جا رہی تھی۔اور اسی دوران فلک کو حشام نے کال کی تھی۔فلک کو زین نے

منع کیا تھا کہ وہ کچھ روز گھر سے نہیں نکلے گی۔کیونکہ فلک سے فیلڈ کا کام لینا خطرہ تھا۔مگر قسمت خراب تھی زین کی کہ فلک کو لگنے لگا تھا کہ وہ یہ کر سکتی ہے۔

فلک نے زین سے کہا تھا کہ وہ کہیں نہیں جائے گی۔کیونکہ کہ وہ سمجھ چکی ہے کہ بلاوسطہ طور پہ اس کیس میں شامل ہونے سے وہ مزید خطرناک لوگوں کی نظر میں آ جائے گی۔اس لئے اب وہ دوبارہ کبھی فیلڈ ورک نہیں کرے گی۔لیکن حشام نے جب فلک کو کال کی وہ زین سے جھوٹ بول کر گھر سے چلی گئی۔اس نے کہا تھا وہ شاپنگ پہ جا رہی ہے۔اسے آرٹ کے لئے سامان خریدنا ہے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین نہیں جانتا تھا وہ اس سے جھوٹ بول رہی ہے۔اس نے اجازت دے دی۔فلک نے کار مطلوبہ مکام پہ روکی اور سامنے لگے شیشے میں اپنا عکس دیکھا۔

وہ اس وقت میرون کاٹن کے کُرتے کے ساتھ نیلی جینز میں تھی۔اور دوپٹے کو اس نے دونوں جانب کندھوں پہ ڈال رکھا تھا۔وہ کافی تروتازہ دکھ رہی تھی۔

مطلوبہ مکام پہ پہنچ کر فلک نے ہاتھ میں پکڑے فون سے حشام کا نمبر ڈائل کیا اور فون کان سے لگایا۔

جی مسٹر حشام آپ کہاں ہیں؟

ہوٹل کے اطراف میں نگاہ دوڑاتے فلک نے پوچھا تھا۔کام کے اوقات میں یہاں زیادہ رش نہیں ہوتا تھا۔سکون تھا۔

گھومیں۔حشام کی آواز فون میں گونجی۔فلک تیزی سے گھومی۔

گلاس ڈور کھولتے حشام ہوٹل کے اندر داخل ہو رہا تھا۔

نیلی جینز پہ خاکی پورے بازوؤں والی شرٹ پہنے۔وہ مسکرا رہا تھا۔چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ فلک دیکھ سکتی تھی۔

میں معذرت چاہتا ہوں آپ کو انتظار کرنا پڑا۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں بس ابھی پہنچی تھی۔کندھے سے پھسلتے سٹریپ کو سنبھالتے اس نے کہا تھا۔وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔جواب میں حشام مسکرایا۔

چلیں آئیں وہاں بیٹھتے ہیں۔ایک جانب کی میز پہ اشارہ کیا۔اور ساتھ ہی چل بھی دیا۔فلک نے گہرہ سانس لیا۔میں جلدی یہاں سے نکل جاؤں گی۔اگر زین کو علم بھی ہو گیا تو وہ میرا قتل کر دے گا۔ماتھے پہ آئے بالوں کو نزاکت سے کان کے پیچھے کرتے اس نے سوچا تھا۔دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔

حشام نے اس کے لئے پہلے کرسی کھینچی۔اور پھراس کے بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے کی کرسی کی جانب بڑھا۔

آپ نے مجھے کیوں بلایا تھا؟کلائی پہ بندھی گھڑی کو دیکھ کر پوچھا۔وہ جانبوج

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کے یہ تاثر دے رہی تھی کہ وہ بہت مصروف تھی۔بمشکل تمام اس میٹنگ کے لئے وقت نکال کر آئی ہے۔حشام مسکرایا۔

بتاتا ہوں مس گلِ۔پہلے کچھ آڈر تو کر لوں۔کیا لیں گی آپ؟

نہیں شکریہ۔۔۔میں اس وقت کچھ نہیں لیتی۔پھر سے گھڑی دیکھی۔صبح کے دس بج رہئے تھے۔

اوہ۔۔۔لیکن میں نے تو چائے ہی نہیں لی کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر پئیوں گا۔وہ جیسے افسردہ تھا۔فلک کے ماتھے پہ لمحے کو بل اُبھرے۔وہ جانبوج کر وقت کھینچ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سیڈلی۔۔۔فلک نے چہرے پہ نازک تاثر دیا۔

آپ پئیں چائے۔آپ کو کس نے منع کیا۔

اصل میں میری ایک اور میٹنگ ہے۔اگر آپ بات ذرا۔۔۔جانبوج کر بات چھوڑ دی۔حشام منئیو بک دیکھ رہا تھا۔اس نے بس مسکرا کر فلک کو جواب میں دیکھا۔اور پھر ہاتھ کے اشارے سے ویٹر کو بلایا۔

مس گلِ۔۔۔آج کل دن اتنے مصروف۔۔۔

ارے زبیر صاحب آپ ادھر؟فلک کی پُشت داخلی حصے کی جانب تھی۔بات کے دوران حشام نے ایک دم سے اس کی پُشت کی جانب دیکھتے ایک دم سے اُٹھ

کر کہا تو فلک نے فوراً گھوم کر پیچھے دیکھا تھا۔

ٹھگنا زبیر حیات پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا مسکرا رہا تھا۔فلک نے گہرہ سانس لیا۔

ملی بھگت۔۔۔دوغلہ ایکٹر۔اسے حشام پہ غصہ آیا تھا۔اگر ابھی زین ہوتا تو پکا فلک کی گردن کاٹ دیتا۔اس نے اسے منع کیا تھا۔

آپ یہاں؟

میں بس۔۔۔مجھے نہیں معلوم تھا۔دوستوں سے ٹاکراہ ہو گا۔اور

سُنائیں۔۔۔مسسس(نام سوچا)فوراحشام نے لقمہ دیا تھا۔

مس گل۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہمم۔کیسی ہیں آپ ؟بغیر بتائے پوچھے وہ فلک کے بائیں ہاتھ کی کرسی کھینچ کر بیٹھ چُکا تھا۔فلک نے بس مسکرانے پہ اکتاف کیا۔کہاں پھنس گئی۔

کیا لیں گے آپ سر؟نوٹ پیڈ پکڑے ویٹر سرپہ موجود تھا۔کرسی پہ واپس بیٹھتے حشام نے آڈر نوٹ کروایا۔وہ کافی اور براؤنیز آڈر کر رہا تھا۔

فلحال تو مصروف ہوں زبیر صاحب۔۔۔

مسٹر حشام۔آپ کو تو اب کمپنی مل چُکی ہے چائے کی میں چلتی ہوں۔فلک کرسی کھینچتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

بیٹھ جائیں مس گل۔آپ بھی اس کمپنی کا حصہ بن سکتی ہیں۔کام تو ہوتے رہیں گے۔زبیر حیات کے چہرے پہ مخصوص مسکراہٹ تھی۔فلک کا دل لمحے کو ڈرا۔زبیر حیات زین کے بتانے کے بعد سے مزید ہیبت ناک لگنے لگا تھا۔

بہت شکریہ لیکن۔۔۔

بیٹھ جائیں مس گل۔میری بات سُن لیں۔پھر چلی جایئے گا۔مجھے معلوم ہے کہ آپ مصروف ہیں۔حشام نے اس کی بات کاٹ کر پُشت کرسی سے ٹکاتے ٹانگیں میز کے نیچے پھیلاتے کہا تو فلک نے گہرہ سانس لیا۔اور اطراف میں نگاہ دوڑائی۔وہ صاف اُکتائی نظر آ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اصل میں مس۔۔۔

ہمارے پاس آپ کے لئے ایک بہت بہترین نوکری کی آفر ہے۔اگر آپ۔۔۔

لیکن میں نے کب کہا کہ مجھے کسی نوکری کی ضرورت ہے۔؟فلک ناخوش تھی۔زبیر حیات مسکرائے اور حشام کو دیکھا۔حشام بھی بروقت مسکرایا تھا۔

کہا نہیں لیکن مجھے آپ سے زیادہ اچھی اور قابل ڈاکٹر کوئی نظر نہیں آئی۔تو مجھے لگا۔۔۔

مطلب؟فلک انہیں بتا چکی تھی کہ وہ ڈاکٹری پڑھ چُکی ہے۔لیکن وہ اس پیشے پہ ابھی عملی طور پہ کام نہیں کر رہی کیونکہ اسے فوبئیہ۔۔۔وہی فوبئیہ جو اکثر

لڑکیوں کو خون اور زخموں سے ہوتا ہے۔زیادہ خون کو دیکھ کر گھبرا جاتی ہیں۔اور ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔اس نے اُنہیں یہ بھی بتایا تھا۔کہ اس کے اسی خوف کی وجہ سے اسے بیشتر ہسپتالوں سے نکالا بھی جا چُکا تھا۔

جی۔۔۔

اصل میں ہم نے۔۔۔یعنی میں نے اور زبیر حیات(اشارہ کیا)صاحب نے تُرکی میں نیا ہسپتال کھولا ہے۔اور وہاں ہمیں ڈاکٹرز کی ضرورت ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ آپ۔۔۔

لیکن مسٹر حشام میں کام نہیں کر سکتی۔فلک کے ماتھے پہ بل تھے۔

دیکھیں اگر آپ اسی طرح ڈرتیں رہیں گی تو اس ڈر کو کیسے باہر نکالیں گی۔اور یہ ڈر آپ کی کمزوری بن سکتا ہے۔میرا مطلب ہے آپ کو خود کو مضبوط کرنا چاہیئے۔آج کل تو لڑکیاں خفئیہ ایجنسیز تک میں کام کر رہی ہیں۔اور اپ ڈاکٹر ہو کر۔۔۔

دیکھیں زبیر صاحب آپ کی بات درست ہے لیکن۔۔۔

لیکن کیا مس فلک۔۔۔ہم آپ کو ایک بہت بہترین آفر دے رہئے ہیں۔آپ اس موقعے سے فائدہ اُٹھا سکتی ہیں۔وہ پتہ نہیں کیوں فلک پہ زور ڈالنے کی کوشش کر رہئے تھے۔فلک نے بغور ان دونوں کو دیکھا۔

آپ کو اتنے قابل ڈاکٹرز ویسے بھی مل سکتے ہیں تو میں ہی کیوں؟

حشام نے گہرہ سانس لیا۔اور اشارہ زبیر حیات کی جانب کیا۔

یہ تو آپ کو زبیر صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔

فلک نے چونک کر ایک دم سے افسردہ نظر آتے زبیر حیات کو دیکھا تھا۔چہرہ یوں جیسے ابھی رونے لگے ہیں۔فلک نے گہرہ سانس لیا۔لڑکیوں کو ٹریپ کرنا کا فضول سا انداز۔

میری بیٹی آپ کی عمر کی ہے۔(فلک نے بس بے تاثر زبیر حیات کو دیکھا تھا)اور۔۔۔آنکھیں نم ہوئیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کی ایک آنکھ کام نہیں کرتی۔مطلب۔۔۔رُکے اور گہرہ سانس لیا۔یوں جیسے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

وہ سہی سے دیکھ نہیں سکتی۔اور جانتی ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟آپ کی جیسی ہی ایک ڈاکٹر کا ڈر۔

ایک کانپتے ہاتھ کی وجہ سے میری بیٹی ایک آنکھ سے معذور ہوگئی۔کہانی اچھی گھڑی تھی۔فلک نے نظر پھیر لی۔اور سامنے پڑے میز پہ دھرا اپنا سیاہ پڑی سکرین والے فون کو دیکھنے لگی۔

مجھے افسوس ہے زبیر صاحب۔لیکن۔۔۔اس سب سے میرا کیا تعلق؟آخر میں

ان دونوں کو دیکھا۔چہرہ سپاٹ تھا۔

میں بس پتہ نہیں کیوں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہسپتال میں کام کریں اور اپنی اس کمزوری کو اپنی طاقت بنائیں۔میں آپ کو اپنی بیٹی کی طرح دیکھتا ہوں۔اگر آج میری بیٹی معذور نہ ہوتی تو شائد وہ بھی آج ڈاکٹر ہوتی۔نم آنکھوں سے

مسکراتے زبیر حیات نے کہا تو فلک بس اُنہیں دیکھتی رہی۔

آپ کی بچی کی نظر گئی کیسے۔۔۔؟

لمبی کہانی ہے۔اور آپ کے پاس شائد وقت کی قلت۔باتیں بنانا تو کوئی اس انسان سے سیکھتا۔فلک نے سر ہلا دیا۔اسے ساری ٹھنڈی اداکاری میں رائی برابر دلچسپی نہیں تھی۔بیگ اُٹھا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔دونوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

میں آپ کی آفر پہ ضرور غور کروں گی۔اللہ حافظ۔اُٹھ کر میز سے فون اُٹھاتے فلک نے مسکرا کر کہا اور پھر سر کو ہلکی سے جنبش دی۔جیسے خُداحافظ کہا ہو۔اور باہر کے رستے کی جانب چل دی۔

جس وقت فلک نے دروازہ دھکیلا۔عین اسی لمحے زین نے قدم اندر رکھا تھا۔

وہ دونوں بالکل ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔زین کو اندازہ نہیں تھا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Arshad|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایک دم سے سامنے فلک آن کھڑی ہو گی۔اور فلک کو اندازہ نہیں تھا کہ سامنے زین ہوگا۔

پہلی بار زین کو دیکھ کر خوف کا احساس فلک کو ہوا تھا۔اور اسی خوف کے ساتھ ایک اور بھی احساس تھا۔۔۔خوشی کا احساس۔۔۔لیکن وہ اتنا ہلکا احساس تھا کہ تیز رنگ خوف اس پہ غالب تھا۔

زین کے ماتھے پہ بل اُبھرے تھے۔اس نے فلک کی پُشت پہ موجود حال کو دیکھا۔اور پھر فوراً فلک کے سامنے سے ہٹ کر اندر چلا گیا۔

یقیناً اس نے پیچھے بیٹھے ان دونوں افراد کو دیکھ لیا تھا جو مڑ کر دروازے کو دیکھ رہے تھے۔اور زین کو دیکھتے ہی جن کے ماتھے پہ بل اُبھرے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایک انڈا فرائی کردو۔باورچی خانے میں آتے اس نے کام کرتی فلک کو دیکھ کر کہا اور پھر فریج کی طرف بڑھ گیا۔اس نے پہلی نظر میں ہی باورچی خانے کی حالت بھانپ لی تھی۔لیکن اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ظاہر ہے اسے تو گھنٹے تک میٹنگ کے لئے نکل جانا تھا۔وہ کیوں فکر کرتا۔خود ہی اپنا بکھیرا سامان اُٹھاتی پھرتی۔

خود بنا لو۔زین نے گھر آنے کے بعد فلک کو بہت بے عزت کیا تھا جس کی وجہ سے فلک کا منہ بنا ہوا تھا۔

چلو نکلو پھر میرے باورچی خانے سے میں خود بنا لیتا ہوں۔فریج کا دروازہ کھولے اس نے مڑ کر خشک انداز میں کہا تو فلک نے ہونٹ بھینچ لئے۔

تم بات بات پہ اپنی اوقات دیکھا دیتے ہو۔۔اتنی بھی تمیز نہیں کے اگر کسی کے ساتھ نیکی کر دیں تو جتاتا کر اپنی اوقات نہیں دیکھاتے۔بیچارے۔۔۔ہاتھ روک کر اس نے کہنا شروع کیا۔زین نے دروازہ بند کر دیاباز و سینے پہ لیٹ لئے تھے۔وہ اب فلک کو دیکھ رہا تھا چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا۔

میں تمہاری بکواس بازی نہیں سُننے والا۔مجھے پہلے ہی تمہارے پہ بہت غصہ ہے۔چُپ چاپ نکلو ادھر سے۔دانت پہ دانت جما کر اس نے اُنگلی اُٹھا کر کہا تھا۔فلک کے گال شدید توہین سے دہکنے لگے۔

تم سے بڑھ کر بد تمیز انسان میرے خیال میں اس ساری کائنات میں نہیں ہوگا۔اور۔۔اور کیوں جاؤں میں یہاں سے۔میں پہلے سے بیٹھی ہوں۔ناک چڑھا کر اس نے جتا کر کہا تو زین نے فلک کو ایسی نظروں سے دیکھا تھا کہ فلک جو اسے دیکھ رہی تھی۔واپس نظر پھیر گئی۔

پتہ ہے کیا ہے۔تم ویسے ہی مجھے ذیہنی مرئضہ لگتی ہو۔یا پھر شائد تم سچ میں خود کو کوئی ونڈر لینڈ کی کوئی کوئن سمجھتی ہو۔لڑکی بات سُنو۔یہ گھر میرا ہے اور۔۔۔

جی نہیں۔۔۔فلک نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔یہ گھر میرا بھی

ہے۔کیونکہ میں یہاں رہتی ہوں۔اور ہاں مفت میں نہیں رہ رہی۔کام کرتی ہوں۔سمجھے۔۔۔بلند آواز میں اس نے بغیر لیحاظ کے اس نے جتا کر کہا تو زین نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

میری بات سُنو۔میرا دماغ مت چاٹو۔۔۔میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔کہہ کر اس نے واپس فریج کھول لی تھی۔فلک کا دماغ مذید گرم ہوا۔

چلو میں تو کسی ونڈر لینڈ کی کوئن خود کو سمجھتی ہوں۔تم بتاؤ۔تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟

تم بھی کوئی تیس مار خان نہیں ہو۔ایک کیس تک تو تم سے حل نہیں ہوتا۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ کیس میرا نہیں تھا نیب کا تھا۔اور اب اگر تمہاری زبان پہ دوبارہ کسی کیس کا ذکر بھی آیا۔تو۔۔۔تو میں بغیر لحاظ کئے تمہیں اُٹھا کر گھر سے باہر پھینک دوں گا۔زبان دراض عورت۔آخری لفظ اس نے منہ میں کہا تھا۔لیکن فلک نے سُن لیا۔۔۔وہ تو اڑ گئی۔۔ہاتھ میں پکڑے باؤل کو زور سے میز پہ پٹخا۔زین تحل سے انڈے پین میں رکھنے رکھنے لگا۔اسے انڈا فرائی نہیں کرنا نہیں آتا تھا۔اس لئے اب بؤال کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

تم نے عورت کس کو بولا۔؟اس کے پیچھے آکر کھڑے ہوتے فلک نے دانت پہ دانت جما کر کہا تو زین بس ہلکے سے مسکرایا۔ظاہر نہیں کیا۔

ظاہر ہے تمہیں۔۔۔

تمہیں ایک بات بتاؤ۔تم بہت بہت زیادہ بدتمیز ہو۔کیا تمہیں کبھی کسی نے بتایا؟

ہاں ابھی کچھ دیر پہلے تم نے۔اور پلیز اب نکلو یہاں سے۔تم جب بولتی ہو میرا سر درد کرنے لگتا ہے۔وہ چولہا جلا چکا تھا۔۔اوپر پین بھی رکھ دیا تھا۔فلک کی طرف گھوما۔وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پہ تھی۔

اور غصے سے گہرے گہرے سانس لیتے زین کو دیکھ رہی تھی۔زین بس مسکرا دیا۔

فلک کو لفظ عورت گالی کی طرح محسوس ہوا تھا۔وہ اپنی توہین محسوس کر رہی تھی۔ظاہر ہے یہ مزاحقہ خیز تھا۔اور دلچسپ بات زیادہ تر لڑکیاں اس بات کو توہین سمجھتی ہیں۔ان کو لگتا ہے سامنے والا ان کی عمر پہ تنقید کر رہا ہے۔اور لڑکیاں کب اپنی عمر والا طنز برداشت کرتی ہیں۔

زین نے لمحے کو مڑ کر شیلف سے پُشت ٹکاتے جلتے چولہے پہ پڑے انڈوں کو دیکھا تھا جب عین اُسی لمحے۔فلک نے تمیز کی تمام حدود کو مٹاتے پوری قوت سے زین کی ٹانگ پہ اپنا نوکیلا جوتا مارا تھا۔ہڈی کی چوٹ اتنی زبردست تھی۔اور اتنی اچانک تھا کہ زین ہائے کرتا جُھکا تھا۔

اگلی بار بولتے وقت سوچ لینا۔کہ بات کس سے کر رہیے ہو۔تیزی سے کہہ کر

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے ٹانگ کو سہلاتے غصے سے اور گھورتے زین کو دیکھ کر کہا اور پھر باؤل اُٹھانے کو میز کی جانب بڑھی تھی۔

اے۔۔۔زین تبھی دھاڑا۔اور پھر اگلے ہی لمحے فلک کے بازو کو زور سے جھٹکا دے کر پکڑا اور گھوما کر پُشت سے لگا دیا۔

حملہ غیر متوقع تھا۔فلک کراہ کر رہ گئی۔زین کی جانب فلک کی پُشت تھی۔

ہائے امی میرا بازو۔بازو پہ گرفت شدید تھی۔فلک نے کراہ کر ہائے ہائے مچایا تو زین کو ہنسی آ گئی۔لیکن دبا گیا۔

امی تو اب یاد آنی ہی ہے۔

یہ امی تب کیوں نہیں یاد آئی جب مجھے تم ٹانگ مار رہی تھی۔دل تو چاہ رہا ہے تمیں ابھی کے ابھی اُٹھا کر حویلی پھینک آؤں۔

تو چھوڑ آؤ۔میں تمہاری دھمکیوں سے ڈرتی نہیں ہوں۔۔۔اور چھوڑو میرا بازو۔آنکھو میں درد سے نمی آنے لگی تھی۔اس نے تنک کر کہا تو زین اور ڈٹ گیا۔

دل چاہ رہا ہے تمہارا بازو توڑ دوں۔پیچھے سے اس کے کان میں کہہ رہا تھا۔فلک نے ہونٹ کاٹے۔

بتاؤ۔۔توڑ دوں۔۔۔؟

توڑ کر تو دیکھاؤ۔۔۔امی۔۔۔میرا بزو چھوڑو۔پاؤں پٹختے دانت پیستے اکڑ کر ہائے ہائے کرتے بھی محترمہ اپنے مکام سے لمحے کو نہیں ہٹ رہی تھی۔زین نے مسکراہٹ چھپائی۔

تمہیں مجھ سے ڈر نہیں لگ رہا؟

نہیں۔

کیوں؟

کیونکہ میں۔۔۔میرا بازو چھوڑو۔آنسو نکلنے کو تھے۔بات پوری کیسے کرے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔روحانسی ہو کر اس نے پھر سے پاؤں پٹختے کہا تھا۔زین نے ایک زور کا جھٹکا دیا۔اس کی کمر زین کے کندھے سے ٹکرائی۔

کیونکہ کیا؟کان میں غرایا۔

زین قسم سے بازو میں بہت درد ہو رہا ہے میرا۔۔۔میرا بازو ٹوٹ جائے گا چھوڑو۔

لیکن تم تو ڈرتی ہی نہیں ہو۔

میں کہہ رہی ہوں۔جاہل آدمی میرا بازو چھوڑو مجھے درد ہو رہی ہے۔غصے سے روتے اس نے اب کی بار چلا کر کہا تھا۔

پہلے بتاؤ کہ تمہیں مجھ سے کیوں ڈر نہیں لگتا؟کیوں تم میری بات کو اہمیت

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نہیں دیتی؟اس کے کان میں وہ پیچھے سے بڑے تحمل سے بول رہا تھا۔فلک نے ہونٹ بھینچ کر آنکھیں بند کرکے آنسوں کی دھندلاہٹ کو کم کرنے کی کوشش کی۔آنسو نکل کر پاؤں کے انگوٹھوں پہ گرے تھے۔

کیونکہ تم ایک ذیہنی مریض ہو۔جس کو ہر وقت صرف یہی جنون رہتا ہے کہ لوگوں پہ حکومت کرے۔تمہیں ہر وقت دوسروں پہ رعب ڈالنے کا شوق رہتا ہے۔تم کسی کو کبھی اہمیت نہیں دیتے۔اس لئے میں بھی تمہیں اہمیت نہیں دیتی۔اور ظاہر ہے بات کی اہمیت کیسے ہو سکتی ہے۔

اور؟

اور تمہیں ایک ڈاکٹر کی ضرورت ہے سائیقو۔۔۔چھوڑو میرا ہاتھ۔وہ اتنی جان سے چیخی کے زین کو چھوڑنا پڑا۔اس نے اسکی کلائی چھوڑی تو فلک تیزی سے ہٹی اور کراہ کر بازو سیدھا کرتے کلائی اور کوہنی سہلانی شروع کر دی۔

زین آرام و سکون سے واپس شیلف سے پُشت ٹکا چُکا تھا۔سینے پہ بازو لپیٹے اس نے فلک کو دیکھا۔ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پہ تھی۔

اتنا اچھا مجھے تم جان گئی ہو۔تو ڈرو مجھ سے۔۔۔اور اگر اب آئندہ سے میری بات کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرو گی تو انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔کیونکہ بقول تمہارے میں ایک سائیقو انسان ہوں۔اور تم تو جانتی ہو سائقو انسان کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔۔۔کسی بھی۔۔۔حد تک۔وہ بول رہا تھا۔اور

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلک غصے سے اسے گھور رہی تھی۔زین نے چمکتی آنکھوں سے مسکرا کر جتا کر کہا تو فلک نے منہ میں کچھ بڑ بڑا کر زین کو کوئی جملہ کہا اور پاؤں پٹختی باہر نکل گئی تھی۔

سائیکو؟

حکومت کرنے والا؟

ذہنی مریض؟وہ ہنس دیا۔

سہی ہو گیا۔وہ جیسے بُرا منائے بغیر فلک کے الفاظ کو پہلے کی نسبت اب نجوائے کر رہا تھا۔

اصل میں فلک کے ٹانگ مارنے پہ اسے اتنی درد نہیں ہوئی تھی جتنی ہنسی آئی تھی۔شائد یہ ایک متوقع حملہ تھا تبھی وہ محظوظ نظر آتا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جنگل سے نکل کر اس کے سامنے برف سے ڈھکی سڑک تھی۔

اس کے پاؤں شدید زخمی تھے جن کے ناخن بھی نیلے پڑ چکے تھے۔

دُھکنی کی طرح چلتا سانس۔۔۔ماتھے پہ اور کندھوں پہ اُلجھے بکھرے بال۔اور اونی شرگ کا ڈھلکتا کندھا۔وہ اس وقت خوف کا شکار تھی۔اور کافی بُری حالت میں لگ رہی تھی۔

جنگل سے نکل کر نمرہ بھاگتے ایک دم سے کب سڑک پہ آئی اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا۔می کی آوازیں مسلسل اس کا پیچھے کر رہی تھیں۔

جس وقت وہ سڑک پہ آئی تبھی ایک کار سامنے سے آ رہی تھی۔کار کا ڈرائیور چوکنا اور خاصا بُردبار آدمی معلوم ہوتا تھا۔نمرہ جب ایک دم سے بھاگتی اس کی گاڑی کے سامنے آئی۔اس نے فوراً سے پیشتر کار کو دھیمہ کرنے کی کوشش کرتے۔نمرہ کی ٹانگوں کو نشانہ بننے سے قبل کار روک لی۔اور اپنی جانب آتی کار کو دیکھ کر نمرہ نے فوراً ہی سڑک پہ بیٹھ کر اپنے چہرے کے سامنے بازولپیٹ لئے تھے۔جیسے خود کو بچانے کی ناممکن سی کوشش کی ہو۔

یہ اب ایک نیا ٹاکراہ تھا۔۔ایک کے بعد دوسرا منزل کو جاتا رستہ۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کہتے ہیں کہ اکثر لوگ آپ کی زندگی میں کسی نہ کسی وجہ سے آتے ہیں۔۔نمرہ کو اس قول کا جلد اندازہ ہونے والا تھا۔

ملتان کی سونے جیسی فضا میں آج صبح سے ہی ہوا چل رہی تھی۔ماحول کے اندر کی گرمی آہستہ آہستہ ڈھلنے لگی تھی۔موسم روز ہی بہتر سے بہتر ہوتا جا رہا تھا۔

یہ صبح ناشتے کے بعد کا وقت تھا۔اور حویلی کا منظر تھا۔

جہاں دلان میں ایک جانب ڈائنگ میز پہ بیٹھی تارا چائے کا کپ پکڑے تیز تیز

چائے پی رہی تھی۔اس کے چہرے پہ فکر مندی تھی۔اور انداز میں کچھ جلدی۔

ارے بیٹا آرام سے پیئیو۔۔۔چچی نے اسے گرم چائے کو اپنے اندر انڈیلتے دیکھا تو ٹوک دیا۔تارا مسکرا بھی نہ سکی بس سر ہلایا۔اور پھر ایک نظر اوپر کی جانب دیکھا۔

اوپری پورشن سے نظر آتے اس کے کمرے کا دروازہ اس وقت بند تھا۔

وہ کوئی بچہ نہیں ہے کہ خود تیار بھی نہ ہوسکے۔۔۔تم سکون سے اپنا ناشتہ ختم کرو۔چچی اس کے سامنے کی کرسی پہ بیٹھیں اخبار کا مطالعہ کر رہی تھیں۔اور ساتھ ہی چائے بھی پی رہی تھیں۔تارا کو بار بار اپنے کمرے کو دیکھتا پا کر اُنہوں نے ٹوکا تھا۔نمرہ اب کی بار بس اُنہیں دیکھ کر رہ گئی۔وہ ایسے تھیں جیسے فلک کبھی ان کی کچھ تھی ہی نہیں کوئی گِلٹ کوئی پچھتاوا کچھ نہیں تھا ان کے انداز میں۔

اور تارا نے نکاح سے قبل کے تمام حالات کو بخوبی جج کر رکھا تھا۔کہ چچی مان کے حویلی سے جانے کے بعد فلک کے ساتھ بدل گئی تھیں۔اب تو ان کی نظر بس ہر وقت تارا پہ رہتی تھی۔کیس عورت تھی اس کی ساس تارا کو سمجھ نہیں آتی تھی۔وہ اس کے سامنے حنان کے سامنے اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتی تھیں اور باہر لوگوں میں بیٹھ کر اکثر تارا کو باتیں سُنا جاتی تھیں۔ان کے کب ذیہن میں کیا چل رہا ہوتا ہے کوئی نہیں بتا پاتا تھا۔بظاہر تو وہ بہت اچھی

تھیں۔لیکن تارا کو پھر بھی پتہ نہیں کیوں ان کے ساتھ بیٹھ کر بات کرتے ان کے قریب ہونے سے گھٹن ہوتی تھی۔

تارا نے ایک نگاہ اپنی ساس کو دیکھا۔اور پھر خالی ہوا کپ واپس میز پہ رکھ دیکھا۔

ہوگیا؟

جی۔۔۔

اچھا چلو۔اب آرام سے جاؤ۔

شام میں شاپنگ پہ چلیں گے۔ٹھیک ہے؟

جیسا آپ کہیں۔بر وقت اُنہیں دیکھ کر مسکراتے اس نے کہا اور پھر گہرہ سانس لے کر اپنی کرسی دھکیلتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ اس وقت سیاہ سادہ شفون کے شلوار قمیض میں تھی۔اور اس کے بال اوپر سے کلپ میں مقید تھے اور نیچے سے کُھلے پُشت پہ جھول رہے تھے۔یہ چچی کا حکم تھا ہر روز تروز تازہ ہو کر کمرے سے باہر آیا کرو۔خاندان والوں کو پتہ ہونا چاہئے میں نے اپنی بہو کو کیسے شہزادیوں کی طرح رکھا ہے۔وہی چچی کا ہمیشہ کا ناک کا معملہ۔

سوچ سوچ کر قدم اُٹھاتے تارا ہونٹ کاٹ رہی تھی۔حنان کو آج شادی کے

بعد پہلے روز آفس جانا تھا۔بڑے بابا نے اس سے زمینوں کا کام لے کر فیکٹری کا کام تھما دیا تھا۔اور آج حنان کو شام میں لاہور بھی جانا تھا۔

لیکن اس سب میں حنان کا موڈ شدید بگڑا ہوا تھا۔جو کہ اکثر ہی بگڑا ہی رہتا تھا۔کل رات بھی اس نے کافی کچھ توڑا تھا۔وجہ کیا تھی تارا نے نہیں پوچھا تھا۔بس جب دیکھا کہ اسے دورہ پڑ رہا ہے تو بھاگ کر باتھ روم میں گھس گئی۔اور اندر سے لاک کر لیا۔کہ اس کا کوئی پتہ نہیں تھا اس کے سر میں ہی کوئی چیز نہ مار دیتا۔باہر بھی تب نکلی جب وہ چھت پہ چلا گیا۔جیسا کہ وہ ہمشہ مارنے پیٹنے یا پھر توڑ پھوڑ کے بعد چھت پہ جایا کرتا تھا۔

اور اب اس کے بعد تارا کا اس سے سامنا اب ہونا تھا۔اور اب وہ گھبرا رہی تھی کہ کہیں پھر سے چیخے نہ کہ وہ باتھ روم میں رات کیوں گھسی تھی۔اور تارا جانتی تھی کہ اب اگر آج وہ اس پہ ہاتھ اُٹھاتا تو کسی نے چھڑوانے بھی نہیں آنا تھا۔چچا بھی دو دن سے گھر پہ نہیں تھے۔وہ سلطان بابا کے ساتھ ساہوال میں تھے۔اور عبداللہ کا اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہاں تھا۔وہ ویسے بھی اسلام آباد میں پایا جاتا تھا۔یہاں تو چھٹیوں میں ہی آتا تھا۔

تارا نے ہونٹ کاٹتے دروازے کے سامنے رُک کر مڑ کر نیچے دیکھا۔اور پھر واپس گھوم کر دروازے کو کھول دیا۔

دروازہ کھولا تو اندر کا منظر واضع ہونے لگا۔

شیشے کے سامنے حنان کھڑا تھا۔سیاہ پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے۔اس پہ ٹائی کی ناٹ باندھنے کی کوشش کرتا وہ خاصا چڑچڑا لگ رہا تھا۔اپنےآپ سے ،ساری دنیا سے بےزار۔

ماتھے کے بال جیل سے اس نے بالکل اوپر کو سمیٹ رکھے تھے۔اور شیشے سے دیکھ کر لگتا تھا آج کوکروچ والی لمبی لمبی گالوں کو جاتی موچھیں بھی کچھ چھوٹی لگ رہی تھیں۔اگرچہ وہ اب بھی خاصی لمبی تھیں۔لیکن پھر بھی تراش خراش کے بعد پہلے سے بہتر لگ رہی تھیں۔خود سے باندھی ضد میں نہ جانے کیسے کمی آئی۔۔۔یہ ایک علامت تھی۔ایک مثبت علامت۔

تارا نے گہرہ سانس لیا۔تو تیز خشبو اندر تک گئی۔وہ کافی سے زیادہ پرفیوم لگا چکا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں کر دوں؟شفون کے دوپٹے کے نیچے ہاتھ مسلتے تارا نے اس کے پیچھے کھڑے ہوتے نرمی سے کہا تو حنان نے پہلی بار سر اُٹھ کر شیشے میں سیاہ لباس والی لڑکی کودیکھا تھا۔وہ اُمید طلب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔حنان نے سر جھٹکا۔

تمھیں کیا پتہ کیسے ناٹ باندھنی ہے۔جاؤ میرے جوتے لاؤ۔تیکھا تیز لہجہ۔تارا نے ہونٹ بھینچ لئے۔اسے حنان پہ اب کی بار غصہ آیا تھا۔بس ہلکا سا غصہ۔وہ اس کی جانب بڑھی اور پھر اس کے سامنے جا رُکی۔حنان نے ماتھے پہ بل لئے

شاکی نظروں سے دیکھا۔تارا نے کچھ جھجک کر اس کے غصے سے گھورتے چہرے کو دیکھا اور پھر ہونٹ بھینچ کر ہاتھ حنان کی ٹائی کی جانب بڑھائے۔

حنان نے بس کینہ توز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

میں نے کالج میں ایک ڈرامے میں ایک کردار کیا تھا جس میں مجھے ٹائی لگانی تھی۔تبھی سیکھی تھی لگانی۔نرمی سے اور کچھ ملامت دیتے انداز میں اس نے بتایا ۔حنان نے بس گھورنے پہ اکتاف کیا۔

میں نے تم سے کہا کہ میری مدد کرو؟وہ اس سے کچھ فاصلے پہ کھڑی اپنا کام کرر ہی تھی۔حنان نے گھورتے پوچھا تھا۔انداز اب بھی جلا کٹا تھا۔

آپ نے کہا نہیں لیکن مجھے لگا مجھے آپ کی مدد کرنی چاہیئے۔ہاتھوں میں موجود لرزش اب کم تھی۔عتماد سے اس نے بتایا۔تو حنان نے ایک دم سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

نہیں چاہیئے تمہاری مدد۔اور پکڑو یہ گلے کا پٹا۔وہ عورت کے جزبات سمجھنے والا مرد نہیں تھا۔بس روعب ڈالنے چیخنے چلانے والا۔زبردستی سے دھونس جماکر خود کو طاقتور سمجھنے والا مرد تھا۔اگر اتنا نرم مزاج ہوتا تو تارا کے چہرے کی نرمی کودیکھ کر کبھی اس کے ہاتھ جھٹکنے کی جُرت نہ کرتا۔

تارا نے قدم پیچھے کو موڑ لئے۔اور پھر جُھک کر بیڈ پہ پڑا گیلا تولیہ اُٹھا لیا۔جیسے آپ کی مرضی حنان۔وہ اس سے بحث نہیں کرتی تھی۔شکوے تو پہلے بھی نہیں

کرتی تھی۔بس ہر روز کے ساتھ اس کے اپنے ہی اندر سناٹا بڑھتا جا رہا تھا۔

فلک سے دور جانے کا غم اسے اب لاحق تھا۔

حنان ملا تو اب فلک نہیں تھی۔اور بچپن کی دوست کے جانے کا غم ہر غم سے بڑا تھا۔حنان کے رویئے کے بعد کی تکلیف سے بھی بڑا۔

آپ جانتے ہیں اس نے کل مجھ سے کتنی بدتمیزی کی۔بیوی کے حقوق سب کو نظر آتے شوہروں کا کیا؟

دادا جی اس وقت فون پہ موجود تھے اور بلکنی پہ کھڑا زین ان سے فون پہ گفت و شنید میں مصروف خاصا چڑچڑھا لگ رہا تھا۔

بکو مت! تو بھی کوئی اتنی سیدھی مولی نہیں ہے۔۔۔اور رہی بات حقوق کی تو۔۔۔تیرے حقوق بھی تجھے مل جائیں گے۔تو ایک بار مجھے پاکستان آ لینے دے۔فون پہ موجود دادا کی آواز میں واضع دانت کچ کچانے کی آواز شامل تھی۔زین نے بےاختیار بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور گہرہ سانس لیتا ریلنگ کے ساتھ پُشت ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

وہ اس وقت سفید ڈھیلے سے ٹراوزرز پہ گہری بھوری ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا،۔اور ماتھے پہ بال بکھرے ہوئے تھے۔

پلیز دادا۔چھوڑ دیں یار اس بات کو۔جب سے دادا کو زین کے فلک سے نکاح کا پتہ چلا تھا وہ ایسے ہی آگ بگولہ تھے۔پہلے پہل تو زین نے دادا کی ہر کال کو نظر انداز کیا۔غالباً یہ نکاح کے چند روز کے بعد کی بات ہے۔اُن دِنوں وہ کیس میں بہت اُلجھا ہوا تھا۔کسٹم آفیسر کی موت نے سب کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔ایک بڑا گواہ ہاتھ سے نکل گیا تھا۔اوپر سے ملسلسل دادا کی کالز اور فلک کے نام پہ ذہنی ٹارچر اس کی جان لینے کو تھا۔

خیر پہلے تو وہ کالز نظر انداز کرتا رہا لیکن پھر ایک روز جب کالز کا تانتا ہی بندھ گیا تو اسے مجبوراً کال اُٹھانی پڑی۔اور اب اس کے بعد سے اب تو روز رات میں دادا اس سے سارے دن کی روداد پوچھنے لگے تھے۔

زین میں تمہیں بتا رہا ہوں میں کسی صورت اب اس نکاح کو جانے نہیں دوں گا۔چاہیے تم لاکھ اس کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔ذہن میں رکھو۔اس لڑکی نے اپنے خاندان کے سامنے تمہارا نام لیا۔سب میں وہ ایک صرف تم پہ بھروسہ کر رہی تھی۔اسے یقین تھا کہ وہ تم سے مدد مانگے گی تو تم اس کو ہرگز منع نہیں کرو گے۔تم خاندان کے سامنے اس کی عزت رکھو گے۔اب تم نے یہ سوچاکہ اس نیکی کو تم آرام سے چھپا جاؤ گے تو پُتر یہ میں ہونے نہیں دوں گا۔

کیا مطلب اس بات کا؟وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔اس کے ماتھے پہ بل تھے۔اور

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مزاج بے حد خراب۔

مطلب یہ کہ اب ولیمہ ہوگا وہ بھی کچھ ہی روز میں۔بہت دھوم دھام سے۔وہ مسکرائے تھے۔زین ان کی مسکراہٹ ان کے لہجے کے شوخ پن کو جانتا تھا۔پہچانتا تھا۔

دادا پلیز یار۔وہ میرے ساتھ نہیں رہئے گی۔وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔

تم اس کی بات مت کرو زین۔تم اگر اس کو پسند نہیں کرتے تو بتاؤ۔تم کیسے اس کے مزاج کا بتا سکتے ہو۔جس کے بارے میں تم مسلسل منفی رائے قائم کئے ہوئے ہو۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Arsdanel|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہوسکتا ہے میری رائے اس بارے میں ٹھیک ہو۔وہ مڑا اور جُھک کر نیچے باغیچے میں جھانکا۔

دادا ہنس دئے۔زین کے ابرو اُٹھے۔

تم سچ میں فلک کو نہیں جانتے زین۔میں اسے جانتا ہوں۔وہ تمہاری سوچ سے زیادہ سمجھدار اور قابل بچی ہے۔

اگر میں یوں کہوں کہ تم اس کے قابل نہیں ہو تو یہ زیادہ بہتر جواب ہوگا۔

آپ اس کی طرفداری کرکے مجھے اپنے بارے میں مشکوک کر رہئے ہیں۔آپ میرے دادا ہیں یا اس کے؟اپنے دادا کے منہ سے اپنے بارے میں ایسے الفاظ

سُن کرتو زین کو آگ لگ گئ تھی۔

بد قسمتی سے تمہارا۔۔۔ناہنجار کہیں کہ۔تم نے اتنے روز سے ایک لڑکی سے شادی کر رکھی ہے۔اور تم میں اتنی ہمت نہیں کہ اسے دنیا کے سامنے لا سکو۔اور ایک وہ تھی۔۔۔اس نے زین سارے خاندان کے سامنے، اپنے ماں باپ کے سامنے ایک بولڈ سٹپ لیا۔تم مجھے بتاؤ کہ کیا تم اس سے بہتر ہو سکتے ہو۔ا نکے لہجے میں شدید غصہ تھا۔زین نے آنکھیں گُھمائیں۔

آپ کسی بھی طرح سے اس کی بیکار تعریف کرکےمیرے دل میں اس کے لئے جگہ نہیں بنا سکتے۔ناک چڑھا کر اس نے کہا تو دادا نے بے اختار گہرہ سانس لیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گدھے میں اس کی تعریف نہیں کررہا سچ بول رہاہوں۔

زین نے ابھی ابھی اسے باغیچے کی جانب آتے دیکھا تو پتلیاں سکیڑیں۔

سفید پجامے پہ سفید ہی لمبی ٹخنوں آتی شرٹ پہنے کندھوں پہ سرخ دوپٹے کو پھیلائے وہ گہری رات میں کسی روح کی طرح لگ رہی تھی۔

دادا میں اس لمحے کو نہیں بھولا جب ایک باپ کی تنفر بھری نظر نے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا تھا۔میں نہیں بھول سکتا۔نظر فلک پہ تھی۔وہ قدم اُٹھا رہی تھی۔گھاس پہ چلتے وہ کچھ سوچ رہی تھی۔اور اس کے ہر قدم پہ زین کی نظریں سفر کر رہی تھیں۔وہ بولا تو لہجہ دھیما ہو گیا۔جیسے سرگوشی کی ہو۔

زین وہ جس کا باپ تھا کیا تم نے اس سے پوچھنے کی کوشش کی کہ اپنے باپ کی آنکھوں میں تنفر دیکھ کر اسے کیسا لگا تھا۔کیا تم نے اسے جاننے کی کوشش کی؟

عورت ایک گہری پہیلی ہے میرے بچے۔اور کوئی اس پہیلی کو نہیں بھوج سکتا ایک سوائے اس کے کہ جسے عورت اجازت دے۔سنجیدہ بردبار آواز میں دادا زین کو سمجھا رہے تھے۔

دادا وہ مجھ سے چڑھتی ہے۔وہ میرے سے کبھی بھی سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔نکاح سے بھی پہلے وہ ہمشہ میرے ساتھ روڈ رہی ہے۔آپ کو لگتا ہے کہ وہ میرے بارے میں سوچ سکتی ہے۔

فلک چلتے چلتے جب تھک گئی تو وہیں نیچے گھاس پہ بیٹھ گئی۔نرمی سی ٹھنڈی ہوا میں اس کے تازہ ڈائی شُدہ بال پہلے سے کچھ چھوٹے ہو کر اچھے دِکھ رہئے تھے۔مگر زین کے ماتھے پہ بل اُبھرے۔اسے فلک کے بالوں کا رنگ شدید ناپسند تھا۔

تم نے کبھی اسے موقع دیا کہ وہ تم سے نرمی سے پیش آئے۔تم نے کبھی اسے احساس دلانے کی کوشش کی کہ وہ تم سے مسکرا کر بات کرے۔تمہارے بارے میں سوچے؟

نکاح سے پہلے کی بات مت کرنا۔اور یاد رکھو۔۔۔وہ فلک ہے۔وہ کبھی کسی بھی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مرد سے فری نہیں ہوتی۔میں نے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے جوان ہوتے دیکھا ہے۔اس لئے کہہ رہا ہوں۔

لیکن دادا میں کوئی اور مرد نہیں تھا۔وہ جیسے اور پہ ناراض ہوا تھا۔وہ مسکرائے۔

زین تم میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے کہ تم باقئیوں سے مختلف نظر آؤ۔بچپن سے ہمارے ہاں بچیوں کو سیکھایا جاتا ہے کہ محتاط ریہنا۔کوئ ایسا کام مت کرنا جس سے تمہارے خاندان کا نام بدنام ہو۔تو تم کیسے اُمید رکھ سکتے ہو کہ وہ تم کو کسی خاص نظر سے دیکھے گی۔تم کو باقی مردوں سے مختلف سمجھے۔دادا اس وقت اپنے پوتے کی مکمل برین واشنگ کر رہئے تھے۔اور زین تو بس فلک کو دیکھ رہا تھا۔جیسے جانچ رہا تھا پرکھ رہا تھا۔

تم نے کبھی اسے غور سے دیکھا؟

تم نے کبھی اس کی خوبئیوں کو جانچا؟

زین میرے بچے رشتے مزاق نہیں ہوتے کہ اُنہیں پل میں جوڑ کر پل میں توڑ بھی دیا جائے۔تم نے ایک خاندان کے سامنے اسے نکاح میں لیا تھا۔تم اسے چھوڑ دو گے تو وہ کیا کرے گی۔وہ معاشرے میں کسیے گزارہ کرے گی۔

لیکن دادا طلاقیں بھی تو اسی معاشرے میں ہوتی ہیں۔وہ کہہ گیا۔دادا نے بے اختیار ہونٹ بھینچ لئے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین مصطفٰی میں تھکا ہوا ہوں۔اور میں سونے جا رہا ہوں۔آخر تھک کر خاصے روکھے انداز میں اُنہوں نے کہا تو زین نے سر اثبات میں ہلایا۔

آرام کریں پھر۔اللہ حافظ۔کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔فون سائڈ کے بٹن سے بند کیا اور جیب میں ڈال لیا۔

فلک کی پُشت بلکنی کی جانب تھی۔اس نے اپنی تھوڑی گھوٹنے پہ رکھی ہوئی تھی۔اور پُشت پہ بکھرے بال ہوا میں حرکت کرتے دھاگے معلوم ہو رہئے تھے۔زین نے ہاتھوں کو ریلنگ سے ہٹا کر پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ دائیں بائیں ڈال لئے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہوا میں نرم گھاس پہ بیٹھ کر کھوئے ہوئے رشتوں کو یاد کرنا۔کتنا اچھا لگتا ہے فلک محسوس کر سکتی تھی۔

رات کی تاریکی میں۔گھوٹنے پہ تھوڑی رکھ کر نظر کے سامنے سمٹے آسمان کے مختصر حصے کو دیکھنا ایک دلچسپ امر تھا۔

بابا میرے بعد اب کیسے ہوں گے؟

ٹھیک ہی ہوں گے۔۔۔اس نے تھوڑی ہٹا دی۔اور گہرہ سانس لیا۔

نہیں۔۔۔وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔وہ ٹھیک نہیں ہوں گے۔اُداس ہوں

گے۔تکلیف میں ہوں گے۔اور شائد بہت غمگیں بھی۔اور امی سُلطان۔وہ پھیکا سا مسکرائی۔۔۔وہ پچھتاتی ہوں گی کہ اُنہوں نے مجھے تھپڑ کیوں مارے۔اُنہوں نے کبھی مجھے پھولوں کی چھڑی تک نہ ماری تھی۔ظاہر ہے۔۔۔وہ بھی تکلیف میں ہوں گی۔

پیچھے رہ جانے والے کب محض کہہ دینے سے چھوٹ جاتے ہیں۔رشتے جو خون کے ہوتے ہیں یہ تو قیامت کے بعد بھی قائم رہتے ہیں۔خون میں شامل محبتیں محض دنیا تک ہی تھوڑی ہوتی ہیں۔یہ روزِ آخر میزان میں بھی تولی جائیں گیں۔

پھر وہ کیسے کہہ سکتے تھے کہ میں ان زندگیوں سے نکل گئی۔وہ سوچ رہی تھی۔ذہین وہ سوچنا چاہتا تھا جو اُس روز حنان نے اس سے کہا تھا۔لیکن مجبوری کہ زیہن بےبس تھا۔دل کہتا تھا فلک کب تک بھاگو گی اس سب سے۔بیچ میں لٹکی ہو۔کب تک لٹکی رہو گی۔فلک نے سر جھٹکا۔

تم ان کا رنگ کب بدلو گی؟ مجھے ان کا رنگ بہت بُرا لگتا ہے۔ٹراوزرز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ کب بلکنی سے ادھر آ گیا فلک کو پتہ بھی نہ چلا تھا۔وہ بولا تو فلک چونک گئی۔وہ فلک کے پیچھے کچھ ہی فاصلے پہ کھڑا تھا۔فلک نے زین کی آواز پہ چہرہ گھوما کر اسے دیکھا۔

زین کی پُشت پہ گیٹ تھا۔جس کے اوپر لگے بلب میں فلک کا چہرہ نظر آ رہا

تھا۔لیکن زین کے چہرے پہ اندھرا سا آ گیا تھا۔

میرے بالوں سے تمہیں کیا مسلہ؟ناگواری سے اسے دیکھا اور چہرہ واپس موڑ لیا۔زین اس کے ساتھ بائیں جانب بیٹھ گیا۔ہاتھ دائیں بائیں گھاس پہ رکھے۔اور سامنے سے ٹانگیں پھیلا کر کینچی بنا لی۔فلک نے اس کے انداز کو بغور دیکھا تھا۔

بس مجھے اچھے نہیں لگتے۔۔۔کیا تم ان کو بلیک کروا سکتی ہو؟کینچی بنے پاؤں کو آہستہ سے ہلاتے اس نے فلک کے چہرے کو دیکھتے پوچھا تھا۔فلک نے فوراً آنکھیں گھومائیں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور میں کیوں تمہاری بات مانوں؟

کل کی بدتمیزی بھول گئے؟

کل کی بات مت کرنا یار۔تم نے پہلے مجھے کِک ماری تھی۔تمہیں کس نے کہا تھا مجھے چھیڑو۔بہم سا مسکرا کر اس نےفوراً ہاتھ جھلا کر فلک کی بات رد کی تھی۔یا پھر یوں کہنا چاہیئے الزام رد کیا۔

سُنو اگر تمہیں مجھ سے کوئی اہم بات کرنی ہے تو بتاؤ۔ورنہ میں اس وقت بہت حساس بات سوچ رہی ہوں تم جا سکتے ہو۔ناک چڑھا کر فلک نے رُکھائی سے کہا تو زین نے فوراً ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

ہنہہ بڑئی آئی نیلسن منڈیلا۔۔۔

بات ہی کرنے آیا ہوں۔۔۔بھاڑ میں گیا اچھا پن۔ہنہہ سمجھتی کیا ہے خود کو۔بد مزاج عورت۔چند سیکنڈز تک اس نے فلک کی پُشت اور سائڈ سے نظر آتے چہرے کو غصے سے گھورا تھا۔

دادا کو نکاح کا پتہ چل چُکا ہے۔اور وہ جلد واپس آ رہے ہیں۔ایک دم سے زین کے زیہن میں جھماکا سا ہوا تو تیزی سے اس نے کہا تھا۔فلک تیزی سے اسکی جانب گھومی۔

کیا؟ساتھ ہی چیخی۔زین اس کے انداز سے محظوظ ہوا تھا۔

کب؟فلک کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔زین نے بےپرواٸی سے شانے اُچکا دیۓ۔وہ شروع سے ہی جانتے تھے۔

اور یہ تمھیں پتہ تھا؟شہادت کی اُنگلی اُٹھا کر فلک نے اشارہ سیدھا اس کی جانب کیا تھا۔لہجے میں حیرت تھی۔

ظاہرہے۔بے پرواٸی سے پاؤں جھلاتے اس نے کہا۔فلک کے ماتھے پہ تیزی سے بل نمودار ہوۓ۔

اور تم نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔وہ کیا سوچ رہۓ ہوں گے میرے بارے میں۔۔۔زین تم۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔کہ اس گھر میں موجود ایک ایک ملازم دادا کا وفادار ہے میرا نہیں۔تم نے ہی میری بات کو نظر انداز کیا تھا۔اور وہ کچھ نہیں سوچ رہے۔بلکہ اُنہوں نے۔۔۔آخر میں دانستہ بات چھوڑی۔

اُنہوں نے کیا؟

اُنہوں نے تو اس رشتے سے اُمیدیں بھی باندھلی ہیں۔بےپروائی سے پاؤں جھلاتے آسمان کوبظاہر دیکھتے اس نے کن اکھئیوں سے فلک کا چہرہ دیکھا تھا۔

گول چہرہ خوبصورت روشن پیشانی۔صاف روشن خوبصورت رنگت۔۔۔بھرے بھرے غلابی ہونٹ۔۔۔ستاروں کی طرح چمکتی آنکھیں جن میں گیٹ کے بلب کی روشنی جب پڑتی تو وہ مزید روشن نظر آنے لگتیں تھیں۔

وہ خوبصورت تھی۔لیکن اس سے الگ اس کی شخصیت کا رکھ رکھاؤ۔اور رعب تھا۔زین نے گہرہ سانس لیا۔آج کے لئے اتنا جائزہ کافی ہے۔

کک۔۔۔کیسی اُمیدیں زین؟وہ زین کا نام آج دوسری بار لے رہی تھی۔اور سارے دن کی ناراضگی بھی دفعان ہوتی نظر آ رہی تھی۔زین نے مسکرا کر شانےاُچکا دیئے۔

کیا اُمیدیں ہو سکتی ہیں۔۔۔

تم مسکرا کیوں رہیۓ ہو؟وہ چیخی۔زین گڑبڑا گیا۔فوراً غصے سے گھورا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کب مسکرا رہا ہوں۔نظر تو نہیں کم ہو گئی۔۔۔اُلٹا وہ اسے ہی لتاڑ رہا تھا۔وہ ہمشہ ایسے ہی تو کرتا تھا۔دوسرے کو خود پہ ہاوی کرنے سے پہلے خود مقابل کو چت کردیتا تھا وہ۔

میں نے تمہیں خود مسکراتے دیکھا ہے۔۔۔دیکھو اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو دیکھنا۔اور دادا کیوں ایسی باتیں سوچ رہے ہیں؟کیا وہ نہیں جانتے کہ یہ نکاح کن حالات میں ہوا ہے۔پریشانی سے واپس گھٹوں کو اکٹھا کرکے اوپر تھوڑی ٹکاتے وہ اب گھاس کو دیکھ کے کہہ رہی تھی۔اس کا چہرہ اب زین کی طرف تھا۔یوں لگتا تھا جیسے دونوں صدیوں پُرانے دوست ہیں۔

فلک نکاح جیسے بھی حالات میں ہو۔بہرحال نکاح اپنی حثیت رکھتا ہے۔تم یا میں اس سے بھاگ نہیں سکتے۔وہ اب سنجیدہ تھا۔اسے دادا کی بات میں اب دم محسوس ہورہا تھا۔فلک بس خاموش ہی رہی۔

مجھے یہاں نہیں رہنا۔۔۔وہ مدھم لہجے میں کچھ دیر بعد بولی تھی۔زین نے چونک کر اس کے گھٹنے پہ ٹِکے چہرے کو دیکھا۔وہ اُداس تھی۔

میں۔۔۔میں واپس اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔میں حویلی میں رہنا چاہتی ہوں۔اپنے ماں باپ کےساتھ ہمیشہ۔۔۔چاہئے کوئی۔۔۔کوئی کچھ بھی کہئے۔اس نے ہاتھ بڑھا کر گھاس سے ایک خُشک تِنکا اُٹھا کر اس کے توڑتے اُداسی سے کھوئے کھوئے انداز میں کہا تو زین بس اسے دیکھے گیا۔

حویلی والے اس وقت غلط فہمی کا شکار ہیں۔

میں۔۔۔میں ان کی غلط فہمی دور کرلوں گی۔اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔زین نے گہرہ سانس لیا۔اور سر اثبات میں ہلایا۔

جیسے تم چاہو۔۔۔وہ اب اُٹھ رہا تھا۔

سُنو۔۔۔

تم دادا سے اگر رابطے میں ہو۔تو۔۔۔پلیز ان کو سمجھانا کہ وہ اُمید نہ باندھیں۔میں ان کی اُمیدوں میں اگر قید ہوگئ تو کبھی آزاد نہیں ہو پاؤں گی۔

اپنی محبت کو وہ مجھ سے ایسے وصول نہ کریں۔وہ اُٹھ کر کپڑے جھاڑ رہا تھا۔فلک نے چہرہ اُٹھا کر اسے اُداسی اور سنجیدگی سے کہا تو زین نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

جیسے تم کہو۔۔۔اور پھر وہ ٹراؤزرز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے واپس اندر کی جانب مڑ گیا۔

وہ جیسے اکیلا آیا تھا۔ویسے ہی واپس جا رہا تھا۔

دوپہر ملتان شہر پہ کب کی اُتر چکی تھی۔اور یہی وہ وقت تھا جب حویلی والے گہری نیند میں مست ہوتے۔اور حویلی کے برامدے کی منڈھیر پہ چڑیا اور اس

کے بچے بولتے۔

فضان بہزاد کے حصے میں بھی اس وقت گہری خاموشی تھی۔سورج حویلی کے اگلے حصے کی جانب جا چکا تھا۔اور ان کے حصے میں اس وقت محض دیواروں پہ دھوپ نظر آ رہی تھی۔یا درخت فلحال سنہری تھے۔ورنہ برامدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھا عبداللہ دور دور سے بھی دھوپ سے آشنا نہ لگتا تھا۔

وہ اس وقت نیلی جینز پہ سفید ٹی شرٹ پہنے بکھرے بالوں کے ساتھ آنکھوں میں ویرانی لئے بہت ویران لگ رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں گلاب کا پھول تھا جس کے پتے تقریباً جھڑ چکے تھے۔اور وہ بغور پھول کو مختصر ڈال سے گھوماتا کہیں ماضی میں گُم ہونے لگا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ایک دم سے منظر بدلا۔اور وہ اسلام آباد میں پہنچ گیا۔

وہ اپنی سرخ کلار چلا رہا تھا۔جبکہ نمرہ اس کے پہلو میں بیٹھی چوکلیٹ کھاتی فون چلا رہی تھی۔چوکلیٹ کھاتے وہ فون سے سراُٹھاکر لمحے کو کار چلاتے عبداللہ کے سامنے چوکلیٹ کرتی۔اور وہ بائٹ لے لیتا۔

عبداللہ۔۔۔تم گھر میں ہماری بات کب کرو گے؟فون چلاتے نمرہ نے ایک دم سے سر اُٹھا کر پوچھا تھا۔عبداللہ بس لمحے کو اسے دیکھ کر مسکرایا۔اور واپس نظر سامنے گھوما لی۔

کہتی ہو تو وہیں لے چلتا ہوں ابھی۔۔۔مجھے کیا مسلہ ہوسکتا۔

ارے نہیں نہیں۔۔۔پاگل۔۔۔۔

استغفراللہ۔۔۔جہنمی عورت شوہر کو پاگل بول رہی ہو۔ایک دم سے عبداللہ نے اس کی بات کاٹ کر ایک ہاتھ سے کار ڈرائیو کرتے۔دوسرے سے کانوں کو دائیں بائیں ہاتھ لگاتے کہا تو وہ ہنس دی۔

اللہ توبہ۔۔۔عبداللہ تم میری بات سنجیدہ کیوں نہیں لیتے۔بات بھی نہیں سُنتے۔وہ شکوہ کرتی تو ایسے لگتی جیسے کوئی چھوٹی بچی اپنے بڑے سے شکوہ کرتے کہتی ہے۔میں نے آپ سے کہا تھا مجھے کھلونا لے کر دیں۔لیکن آپ نے نہیں لے کر دیا۔وہ عبداللہ کے ساتھ ہوتی تو یوں ہی بن جاتی جیسے بچی ہو۔ضد کرنے والی بچی۔

ڈارلنگ تمھیں ہی تو سُن رہا ہوں۔کب سے تو بول رہی ہو۔وہ اس وقت شوخی میں تھا۔نمرہ نے اسے گھورا۔اور پھر چوکلیٹ اس کے منہ سامنے کی۔

میں جب بات کرنے لگتی ہوں تم میری بات کاٹ کر کوئی نہ کوئی فضول بات کر دیتے ہو۔میری تو تم پوری بھی نہیں ہونے دیتے۔

اچھا سوری۔۔۔چلو کرو پوری اپنی بات۔قسم لے لو جو اب بول بھی جاؤں۔کہنے کے ساتھ مسکرا کر ہونٹوں پہ جیسے ٹیپ لگائی۔نمرہ ہنس دی۔

تم گھر والوں کو اس رشتے کے بارے میں بتا کر ذہنی طور پر تیار کرو عبداللہ۔اس طرح آنٹی انکل اور باقی تمہاری فیملی کے لئے مجھے قبول کرنا آسان

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہوگا۔کیا خیال ہے؟آخر میں خیال پوچھا۔اور ساتھ ہی چوکلیٹ کی بائٹ لی۔فون بھی وہ آف کرکے گود میں پڑے بیگ میں رکھ چُکی تھی۔

عبداللہ تم میری بات نہیں سُن رہئے ناں۔ڈیڑھ منٹ تک جب عبداللہ کا جواب نہ آیا تو وہ اب کی بار چیخی تھی۔ساتھ ہاتھ ڈیش بورڈ پہ مارا تھا۔

عبداللہ ایک دم سے ہنس دیا۔

ہنی تم ہی تو کہہ رہی تھی کہ میں اب بولوں نہ۔اب کیا؟

یار عبداللہ۔۔۔وہ چیخی۔اور ساتھ ہی جیسے سر سیٹ سے پیٹا تھا۔عبداللہ ہنستا رہا۔

تم اس وقت شوخے ہو رہئے۔اور کوئی بات نہیں۔بالوں کو مصنوعی کرلز دیئے۔وہ سیاہ جینز پہ سرخ کُرتا پہنے ہوئے تھی۔اس نے بال کانوں کے پیچھے اڑستے ناراضگی سے کہہ کر چہرہ کھڑکی کی جانب موڑ لیا۔عبداللہ ہنس دیا۔

میں سُن رہا تھا تمہاری بات۔

سُنوتو سہی۔۔۔میں یار بس چھیڑ رہا تھا۔

اوئے۔۔۔۔لڑکی۔اس کے بازو کو ہلایا۔

اوئے۔۔۔وہ چہرہ شیشے کی جانب موڑ چکی تھی۔اور ایسے ظاہر کر رہی تھی۔جیسے ناراض ہو۔عبداللہ نے اسے دیکھا تو بلانے لگا۔لیکن وہ جواب نہیں دے رہی تھی۔

ڈئیر وائف؟

میری پیاری زوجہ۔۔۔ہنستے اس کے بالوں کی لٹ کو کھیچا۔ساتھ ہی ساتھ کار بھی چلا رہا تھا۔بال کھینچنے پہ وہ اس کی جانب گھومی۔اور اس کے کندھے پہ مکا مارا۔وہ سب بس مصنوعی تھا۔وہ کبھی بھی عبداللہ سے ناراض نہیں ہوتی تھی۔یایوں کہنا چاہئے ہوتی بھی تو عبداللہ کے فوراً منانے پہ مان جاتی تھی۔

تم ایک نمبر کے پاگل آدمی ہو۔اب کی بار آنکھیں گھمائیں تھیں۔وہ لوگ شہر سے باہر جا رہے تھے۔لونگ ڈرائیو یوں نو۔

پھر سے پاگل؟۔۔۔تم لڑکی جہنمی ہو۔

اللہ۔۔۔وہ ہنس دی۔تمہیں پاگل کہنے سے میں جہنمی بن گئی۔اور جو تم مجھے اتنا کچھ کہتے ہو وہ؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

شوہر شوہر ہوتا کم عقل زوجہ۔۔۔کار کی سپیڈ کو لمحے بھر کے لئے ہلکا کرتے اس نے پھر سے کہا تو نمرہ منہ پہ ہاتھ رکھے ہنس دی۔

چوکلیٹ کہاں گئی؟لمحے کو اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ایک چوکلیٹ بار باقی بچا تھا۔جو پگھل چُکا تھا۔

ختم ہو گئی۔۔۔۔چوکلیٹ کا ریپر کھڑکی سے باہر پھینکتے اس نے بتایا اور پھر اس کی جانب گھومی۔۔۔وہ اب اس سے اور کچھ کہہ رہی تھی۔۔۔لیکن کیا؟

منظر واپس بدلنے لگا۔۔۔۔

وہ جہاں تھا بیچ رستے سے وہیں لوٹ آیا۔

برامدے میں سیڑھئیوں پہ تنہا بیٹھا اُداس عبداللہ۔

نمرہ۔۔۔میری پیاری نمرہ۔اُداسی سے پھول کوگھوماتے وہ اپنے کھوجانے والے رشتے کو یاد کر رہا تھا۔

ہم میں سے نہ جانے کتنے لوگ ہیں جو کسی نہ کسی کو اسی طرح دوپہروں میں بیٹھ کر یاد کرتے ہیں۔ہم سب نے ہی کسی نہ کسی کو کھویا ہے۔جو ہر دوپہر ہمیں یاد آتا ہے۔جیسے کوئی کھویا ہوا قیمتی سامان ایک دم سے یاد آنے لگے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interview

عبداللہ؟

عبداللہ ایسے کیوں بیٹھے ہو؟ وہ کل لوٹا تھا۔اور کافی تھکا لگ رہا تھا۔اور آتے ہی کمرے میں چلا گیا تھا۔پھر صبح بھی وہ ناشتے پہ نہیں آیا۔اور اب بھی وہ اکیلا ہی بیٹھا تھا۔وہ عجیب کیوں لگا تھا۔

عبداللہ ماں کی آواز پہ گھر کے داخلی حصے کی جانب گھوما۔اور اُنہیں خالی نظروں سے دیکھا۔ساتھ ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔کپڑے بھی جھاڑے۔

میری شاخ سے ایک پھول کہیں گر گیا ہے ماں۔مجھے نہیں معلوم مجھے کیسے بیٹھنا چاہیے۔اُداسی سے کہہ کر اس نے ہاتھ میں پکڑے پھول کو سامنے کیا۔اور

پھر زینے چڑھتا برامدے میں آیا اور ماں کے قریب سے ہوتا اندر چلا گیا۔

اسے کیا ہوا؟اس کے عجیب سے انداز پہ اُنہوں نے مڑ کر مرجھائے سے جاتے عبداللہ کو دیکھ کر تعجب سے ابرو اُٹھائے تھے۔

اچھا ہے۔۔۔چلو زین مصطفیٰ تم مصیبت سے بچ گئے۔اب وہ جانے اور دادا۔اپنے کمرے میں آکر زین نے صوفے پہ بیٹھتے اور سامنے لگی دیوار گیر سکرین چلاتے سوچا تھا۔وہ یوں کررہا تھا جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑ رہا ہو۔لیکن سچ تو یہ تھا کہ فلک کے نظر انداز کرنےنے اسے خاصا بدمزہ کیا تھا۔

کیا اس نے مجھے رجیکٹ کر دیا؟چند پل خاموشی سے چینل کو دیکھنے کے بعد۔اس نے سوچا تھا۔

نہیں میں اس کی آپشن میں کب تھا۔

کیا زین۔۔۔؟وہ خود سے مخاطب تھا۔

تم اب آپشن بھی بنو گے ؟سریسلی؟

تم پہ اتنے بُرے دن بالکل نہیں آئے برو۔۔۔وہ نہیں تو کوئی اور سہی۔۔۔ہنہہ رہتی نہیں کہیں کی شہزادی۔منہ بسورا۔نظر متواتر سامنے ایل ای ڈی پہ تھی۔لیکن وہ سُن کب کچھ رہا تھا۔وہ تو اپنے آپ سے مخاطب تھا۔

نہیں لیکن اس نے مجھے ریجیکٹ تو کر دیاناں۔بے شک میں اس کی آپشن لسٹ میں نہیں ہو۔

بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے۔۔۔ہاتھ میں پکڑا ریموٹ لمحے بعد ہی اس نے چڑھ کر وہیں صوفے پہ پٹخا۔فلک کو دو حرف کہے اور اپنے بستر کی جانب بڑھ گیا۔ایل ای ڈی چل رہی تھی۔اور خاموش سکرین پہ کوئی مناظر حرکت کر رہے تھے۔

اتنی توہین وہ بھی فلک سُلطان کے ہاتھوں ناممکن۔زین مصطفٰے تو خود کسی کو گھاس نہیں ڈالتا۔

مائی فُٹ۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

قیامت خیز ہیں آنکھیں تمہاری

تم آخر خواب کس کے دیکھتے ہو

چمچماتی ٹمٹاتی موبتی کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔عبداللہ نے مسکرا ہاتھوں پہ چہرہ گراتے نمرہ کو دلچسپی سے دیکھتے کہا تو ایک دم سے ہنس دی۔

مسکراہٹ دیکھ کر ان کی ہم ہوش گنوا بیٹھے

ہم ہوش میں آنے کو تھے وہ پھر مسکرا بیٹھے

گہری مسکراہٹ کے ساتھ آنکھوں میں جزبات بول رہئے تھے۔اب کی بار نمرہ نے مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جُھکا لیا تھا۔وہ اس وقت بھرپور موڈ میں لگتا تھا۔

کبھی یک بہ یک توجہ کبھی دفعتاً تغافل

مجھے آزما رہا ہے کوئی رُخ بدل بدل کر

ایک اور بھرپور شعر پہ نمرہ چہرہ پیچھے پھینک کر ہنس دی۔

اللہ توبہ عبداللہ۔۔۔کسی شاعر جن کا اثر تو نہیں ہو گیا؟ہاتھ بڑھا کر اس کے ماتھے کو چھوا۔وہ فوراً بد مزہ ہوا تھا۔

جن نہیں ہے جناب ہماری محبت تھی جو سب بول رہی تھی۔لیکن لگتا ہے کہ آپ کو ہماری محبت راس نہیں آئی۔ناک چڑھائی۔وہ اس وقت بالکل بچہ لگا تھا۔نمرہ پھر سے ہنس دی۔اور عبداللہ کا گال کھینچا۔عبداللہ اس کی اس حرکت پہ مسکرایا تھا۔

سارے رومینس کا بیڑاغرق کر دیا۔لڑکی کبھی سنجیدہ نہ مجھے ہونے دینا۔

ہاں تو رہو سنجیدہ۔۔۔پر غالب بننے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔مجھے شاعری پہلے ہی بہت مشکل سے سمجھ آتی ہے۔مسکر کر کہا۔

بس ایک یہی مسلہ ہے۔اس نے جیسے افسوس سے سر ہلایا تھا۔نمرہ پھر سے ہنس دی تھی۔

عبداللہ کی آنکھوں میں جو ماضی کے دیپ جل رہے تھے۔ایک دم سے بُجھ گئے۔وہ اس وقت اپنے کمرے کی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔اور باہر برستی بارش کی بوندوں میں ماضی کا عکس دیکھ رہا تھا۔جب وہ اور نمرہ ایک رات ڈنر پہ گئے تھے۔کیا خوبصورت یادیں ہوتی ہیں ناں۔

جب لوگ زندہ نہیں رہتے یا پاس نہیں ہوتے تو یہی یادیں اُن لوگوں کو ہمارے دلوں میں زندہ رکھتی ہیں۔ہم گزرے وقت کو جہاں سوچ کر مسکراتے ہیں۔وہیں روتے ہیں۔۔۔

یادیں کوئی کہتا ہے عذاب ہے۔مگر کوئی عبداللہ سے پوچھتاتو وہ کہتا یادیں۔۔۔زندگی ہیں۔۔۔

خوشی ہیں، غم ہیں، آنسو ہیں اور مسکراہٹیں ہیں۔

نمرہ کے ساتھ گزرا ایک ایک پل اس کی غیر موجودگی میں عبداللہ کو اس کے ہونے کا احساس دلاتا تھا۔

وہ ہر رات اس اُمید پہ سوتا تھا کہ اگلی صبح اس کی نمرہ کو لے کے آئے گی۔

سارا دن وہ فون کو بار بار کھولتا ، نمرہ کے سوشل اکاؤنٹس دیکھتا۔اس کی تصویروں کو دیکھتا گھنٹوں اس سے باتیں کرتا۔

کسی کا زندگی میں آنا۔اپنا عادی بنانا لینا۔اور پھر ایک روز ایک دم سے سارے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تعلقات ختم کر لینا کیسا محسوس ہوتا۔عبداللہ کو محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اس وقت شدید تکلیف میں تھا۔مگر حویلی کے مرد روتے نہیں اُنہیں یہی سیکھایا گیا تھا۔اور وہ ایک بنیاد پرست تھا۔

رات کی تاریکی میں تارا بالکنی کی کھڑکی کے ساتھ شانہ ٹکائے کھڑی تھی۔اس نے ائیرفونز لگا رکھے تھے۔اور کندھوں کے گرد شال لپیٹے ہوئے تھی۔

دن بدن اس کے اندر ویرانی اور دُکھ و غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔دل چاہتا تھا کہ سب چھوڑ چھاڑ کر کہیں بھاگ جائے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حویلی ایسے لگتا تھا ایک صرف فلک کے موجود ہونے سے بولتی تھی۔وہ گئی تھی تو ایسے ویرانوں نے بسیرا کیا تھا کہ سلطان بابا کا گھر تو بالکل سُنسان ہو گیا تھا۔تارا کے والدین کا حصہ بھی ایسے لگتا جیسے صدیوں سے آباد نہیں ہوا۔اور رہی حنان کی طرف تو وہاں کبھی کبھار حنان کے چیخنے اور توڑ پھوڑ کی آواز آتی رہتی تھی۔جس سے تھوڑی بہت وہاں رونک رہتی تھی۔

عجیب سا ماحول تھا وہاں کا۔فلک گئی گویا دُکھ اور غموں نے حویلی کا رستہ کر لیا تھا۔

فلک کی امی سُلطان تو بس ہر وقت کمرے میں بند رہتی تھیں۔کبھی کبھار جو کوئی ان کیطرف جاتا تو وہ پاس آ کر بیٹھنے کی بجائے بس کمرے کو اندر سے بند

کر لیتیں۔

اور پھر اس طرح وہاں آناجانا حویلی والوں نے کم کر دیا۔

وہاں موجود اگر کوئی سہی دُکھ کاٹ رہا تھا تو وہ صرف فلک کے والدین تھے۔جن کے دن اور رات اب بس ایک سے ہو کر رہ گئے تھے۔

تارا نے دیکھا بارش کا زور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتا جا رہا تھا۔اور بالکنی پہ پڑے گملوں میں پانی دھیرے دھیرے بھرتا جا رہا تھا۔تارا نے پیشانی شیشے سے ٹکا لی۔

اس کی نظر متواتر اسی گملے پہ تھی۔جس کے جزب کرنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی اور اب گملا بھرنے کو تھا۔بالکل تارا کی طرح۔۔۔اس کا صبر بھی اب آہستہ آہستی بھرنے لگا تھا۔

کسی سے بات نہ کرنا ، ہر وقت بس چچی کی نظروں کے سامنے گھومتے پھرتے ان کی آر پار ہوتی نظروں کا سامنا کر، دل بےشک بے تحاشا تکلیف میں ہو بات بہ بات مسکرانا۔

وہ اس سب سے تنگ آ چکی تھی۔

انسان بےشک بہت ناشکرہ ہے۔ایک وقت تھا جب وہ حنان کو پانے کی خواہش دل میں لئے پھرتی تھی۔روتی تھی۔۔۔اس کے کسی اور کے ہونے کے خوف

میں روتی تھی۔یہاں تک کہ اپنی بہترین دوست کو بھی اس نے چھوڑ دیا۔اور اب۔۔۔اب روتی ہے کہ بہترین دوست نہیں۔اب حنان کا ہونا دُکھ دینے لگا تھا۔

وہ کسی حال میں خوش نہیں تھی۔

حنان نے باتھ روم سے نکلتے گیلے بالوں کو تولئے سے رگڑا اور پھر شیشے کے سامنے رُکتے ، گیلے تولئے کو بیڈ کی جانب اُچھال دیا۔

وہ اس وقت خود میں مصروف تھا۔اس نے تارا کو کھڑکی کے سامنے کھڑا دیکھا بھی تو بس لمحے بھر کو۔بعد میں بس ساری توجہ بال بنانے میں سمیٹ دی۔

سیاہ جینز،خاکی پورے آستینوں کی شرٹ اور کاکروچ مُنچھوں کی کی گئی تراش خراش کے ساتھ تازہ بنی شیو نے اسے خاصا ڈیسنٹ بنا دیا تھا۔

آفس اچھا چل رہا تھا۔کام کرنے والے اچھے مل گئے تھے۔اسی لئے موڈ بھی آج کل کچھ بہتر تھا۔جوکہ کم کم ہی ہوتا تھا۔یا پھر یوں کہنا چاہئے شادی کے بعد مصروفیت مل گئی تھی۔دماغ جگہ جگہ اُلجھتا نہیں تھا۔اس لئے موڈ بہتر تھا۔

تارا۔۔۔میرے لئے ایک کپ گرین ٹی لاؤ۔گیلے بالوں کو بائیں جانب جماتے اس نے شیشے میں دیکھتے تارا کو مخاطب کیا تھا۔

مگر تارا بی بی تو بس گملے کے بھرنے کے انتظار میں تھی۔کوئی جواب نہیں

دیا۔بلکہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہ۔

تارا۔۔۔اب بھی بلاتے وقت لہجہ ہنوار تھا۔پھر کوئی جواب نہیں۔

حنان نے اب کی بار بالوں میں چلتا برش روک کرتارا کو دیکھا۔

کھولی آنکھیں۔۔۔شیشے کے ساتھ جُڑی پیشانی اور مسلسل بالکنی پہ جمی نظر۔حنان نے ہونٹ بھینچ کر ابرو اُٹھائے۔اور پھر کچھ سوچتے نے آہستہ سے برش ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھا۔اس نے اس کے کانوں میں لگے ائیرفونز نہیں دیکھے تھے۔۔قدم تارا کی جانب بڑھا کر عین اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

وہ نوٹس کرنا چاہتا تھا کہ تارا صرف اس کی بات کو نظر انداز کر رہی ہے۔یا پھر وہ کہیں اور ہی دنیا میں لینڈ کر چکی ہے۔

چند پل گزر گئے۔مگر تارا نے اپنے پیچھے حنان کی موجودگی محسوس نہیں کی۔حنان نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔اور پھر ایک جھٹکے سے تارا کو کندھوں سے پکڑکر جھٹکا دیا۔تارا ہی اس کے کان میں دھاڑا۔

تارا۔۔۔

تارا اس کی اس حرکت پہ جل بُھن گئی تھی۔بہت غصے سے گھومی۔

کیا مصیبت ہے۔۔۔جھٹکا دے کر اس کے ہاتھوں کو کندھوں سے ہٹایا۔اور آواز تو پھر حنان سے بھی بلند تھی۔آخر کو گملا بھر جو گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.COM
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حنان نے اس کے انداز کو دیکھا تو فوراً اوقات میں آ گیا۔

وہ شروع سے ہی عورتوں سے زیادہ غیر سنجیدہ ہونا پسند نہیں کرتا تھا۔وہ سمجھتا تھا کہ عورت کو فری کر لیا جائے تو وہ سر چڑھ جاتی ہے(اگرچہ فلک کے ساتھ معملا اس کا مختلف تھا)اور ویسے اس بیچارے کے ساتھ ہوتا بھی تو یہی آیا تھا۔

فلک سے جب ہلکا سا بھی مزاق کرنے لگتا وہ آگے سے دس سُنا دیتی تھی۔اس چکر میں اس سے ایک کِک بھی کھائی تھی اس نے۔اور اب تارا بھی آجکل اسے گھاس نہیں ڈال رہی تھی۔

بیچارے کی بد قسمتی تھی کہ ایک عورت جس سے محبت کرتا تھا اس نے کبھی اہمیت نہ جانی اور اب بیوی بھی آہستہ آہستہ آنکھیں ماتھے پہ رکھنے لگی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آواز آہستہ رکھو۔۔۔

اور دماغ بھی ذرا نیچے ہی رکھو۔آسمان پہ چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔جاکر میرے لئے گرین ٹی لاؤ۔تارا کی آنکھوں میں ناگواری دیکھ کر اسے نہ جانے کیا ہوا تھا کہ اب کی بار سخت لہجے میں ڈانٹ دیا۔تارا نے ہونٹ بھینچ کر سر جُھکا لیا۔اور پھر کوئی بھی بات کئے بغیر باہر کی جانب چل دی۔

حنان نے اسے باہر کی جانب جاتے دیکھا اور پھر ہنہہ کر کے سر جھٹکتا صوفے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

میں سمجھ نہیں پا رہا آپ میرے اور اس کے رشتے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔۔۔صوفے پہ آڑا ترچھا لیٹا وہ جھنجھلا کر بولا تھا۔دوسری طرف سے دادا نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا۔

میں تمہیں ایک مشکل سے نکالنے کی تگودو کر رہا ہوں زین۔کیونکہ بعض اوقات کچھ چیزیں ہماری زندگی میں اتنی اچانک شامل ہوتی ہیں کہ ہمیں سمجھ نہیں آتی ہم کیسے ان کے عادی ہوں۔اور میں چاہتا ہوں تم فلک کے عادی ہو جاؤ جتنی جلدی ہو سکے۔۔۔آخری فقرے پہ اُنہوں نے بھرپور زور ڈالتے کہا تو زین نے گہرہ سانس لیا تھا۔

دادا میں اس کا عادی نہیں ہونا چاہتا۔(فلک اپنے کمرے سے نکل رہی تھی۔وہ ہاتھوں پہ شائز لوکشن لگا کر آئی تھی تبھی مسل رہی تھی۔)

میرے بیٹے تم اسے پسند کرنے کی کوشش کرو۔پھر تمہیں اس کا عادی ہونے کے لئے مشکل پیش نہیں ہوگی۔(فلک اس وقت میرون اور گولڈن رنگ کے شفون کے فراک پاجامے میں تھی۔اس نے کوفی رنگ بالوں کو پُشت پہ کھول رکھا تھا۔ماتھے پہ ایک ہئیر بینڈ لگا رکھا تھا۔)

زین نے فلک کو آتے دیکھا تو ہونٹ بھینچ کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا تھا۔وہ اچھی دِکھ رہی تھی۔زین نے نظر پھیر لی۔

آپ کی باتیں میری سمجھ سے باہر ہیں۔نام لینے سے اجتناب کیا۔

تو سمجھنے کی کوشش کرو زین مصطفےٰ۔پھر مت کہنا دادا افہام و تفہیم سے پہلے ہی ولیمہ کر دیا۔ان کے لہجے میں کہیں سے نہیں جھلک رہا تھا کہ وہ غیر سنجیدہ ہیں۔

چلیں ٹھیک ہے میں مان بھی لوں۔تو کیا وہ مانے گی(آواز کچھ مدھم کی) جس کی آپ بات کر رہے ہیں؟فلک باورچی خانے میں غائب ہوئی تھی۔زین کی نظر اسی طرف تھی۔

تم کوشش کرکے دیکھو وہ تمہیں منع نہیں کرے گی۔وہ تمہارے ساتھ اور تم اس کے ساتھ خوش رہو گے۔میرے پہ بھروسہ تو کرو۔وہ اتنے عتماد سے کہہ رہے تھے کہ زین بس خاموشی سے سُنتا رہ گیا تھا۔

اگر ایسا نہ ہوا جیسا آپ کہہ رہے دادا تو میں بہت مشکل میں پڑ جاؤں گا۔کل کی باتوں کو بھول کر وہ دوبارہ سے ٹرائے کرنا چاہتا تھا۔دادا بہم سا مسکرائے تھے۔اُنہیں اس کی ہاں نے خوشی پہنچائی تھی۔

میں یقین رکھتا ہوں زین کے جس کے ہم ہیں وہ ہمیں کبھی اس رستے پہ نہیں چلاتا جس کی منزل کا بوجھ ہماری اوقات سے بڑھ کر ہو۔

جو بھی ہوا تمہاری بھلائی کے لئے ہوگا۔

اور اللہ پہ یقین رکھو میرے بچے۔جو تمہارا ہے وہ تمہارا ہی رہے گا۔

یاد رکھو۔تم کبھی بھی صرف اس لئے نہیں چھوڑو گے کہ صورتِحال تمہارے حق میں اچھی نہیں ہے۔

زیہن میں رکھو۔۔اچھے تعلقات اس لئے اچھے نہیں ہوتے کیوں‌کہ حالات اچھے ہوتے ہیں۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔نہیں میرے بچے۔

تعلقات اس لئے اچھے ہوتے ہیں کیونکہ ایک انسان دوسرے کی فکر کرتا ہے۔خیال رکھتا ہے۔اگر ایک گرتا ہے تو دوسرا اسے اُٹھاتا ہے۔۔۔اسے حوصلہ دیتا ہے۔۔۔

ایک روتا ہے تو دوسرا اپنا کندھا دیتا ہے۔۔۔

ایک مسکراتا ہے تودوسرے کو بھی اپنی مسکراہٹ میں شامل کرتا ہے۔

تعلقات ایسے بنتے ہیں۔اور مجھے یقین ہے تم یہ کر لو گے۔

پھر وہ ہر جگہ ہر منظر میں ہر تصویر میں تمہیں دیکھے گی۔وہ تم سے دور جانے کا سوچے گی بھی نہیں زین۔بس ہمت مت ہارنا۔دادا کی اشتعال انگیز تقریر سُن کر زین سوچ میں پڑ گیا تھا۔اور سچ بھی کہا تھا دادا نے۔۔۔

ان کے رشتے میں دونوں کو ضرورت تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی فکر کرتے ایک دوسرے کا خیال کرتے۔مانوسیت اور اُنسیت پھر خود ہی ہو جاتی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین نے جس وقت فون رکھا۔فلک باورچی خانے میں کھڑی تھی۔اس کی پُشت دلان کی جانب تھی۔اور اس نے فون کان اور کندھے کے درمیان رکھا تھا۔زین نے کچھ لمحے تک کچھ سوچا اور پھر پاؤں میں جوتا اڑستا باورچی خانے کی جانب بڑھا۔

فلک کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پہ شائد کوئی لسٹ درج تھی۔شائد باورچی خانے کی اشیاء کی۔زین نے اس کے کندھے کے اوپر سے جھنکا۔۔وہ سامان ملازم کو لکھوا رہی تھی۔زین کی موجودگی محسوس کرکے اس کی طرف گھومی ساتھ ہی گھورا۔۔۔۔

ٹھیک ہے۔۔۔جو چیزیں میں نے آپ کو کہی ہیں وہ سب لا دیں۔باقی بعد میں۔زین سینے پہ بازو لپیٹ کر شیلف سے پُشت ٹکا چُکا تھا۔فلک کے گھورنے پہ بھی اثر نہیں لیا۔۔۔

کیا ہے؟فلک نے کھا جانے والے لہجے میں پوچھا تھا۔

تم کیا منگوا رہی تھی؟

کیوں کوئی مسلہ ہے؟کرسی کھینچ کر بیٹھتے اس نے روکھائی سے جواب دیا تھا۔زین مسکرایا۔وہ ہمیشہ اس سے ایسے ہی بات کرتی تھی۔اور زین کو غصہ دلاتی تھی۔لیکن ابھی اس کو غصہ نہیں آیا تھا۔بس خود بخود ہی مسکراہٹ اُمڈ آئی تھی۔

کچھ نہیں۔۔۔میں سنا تھا تم کوئی کوکو پاؤڈر اور بیکنگ پاؤڈر وغیرہ لکھوا رہی تھی۔۔۔(فلک نے شانے اُچکا کر ابرو اُٹھائے تھے جیسے پوچھ رہی ہو تو؟)

تو میں یہ کہنے آیا تھا کہ باہر چلتے ہیں۔۔۔جو کھانا ہو وہیں۔۔۔۔سے کھالیں گے۔

کیا خیال ہے؟فلک کو دیکھتے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔وہ اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

تم مجھے آفر دے رہئے ہو باہر لے جانے کی؟اپنے مطلب کی بات کسے نہیں سمجھ آتی۔زین مسکرایا دیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ظاہر ہے۔۔۔

وجہ؟

وہ۔۔۔میں گھر میں بور رہا تھا تو۔۔۔سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔فلک اسے سوچتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

نہیں شکریہ۔۔۔میں خود ہی گھر پہ کیک بیک کر لوں گی۔زین پہ بھروسہ وہ کر ہی نہ لیتی۔ویسے بھی اس کی کونسا دوستی تھی اس سے کہ فوراً مان جاتی۔

زین نے بےبسی سے اسے دیکھا تھا۔اب عزت کا معملہ تھا جو دوبارہ سے کہتا۔اس نے سر اثبات میں ہلایا۔اور راہداری کی جانب بڑھ گیا۔

اچھااا۔۔۔۔ایک۔۔۔منٹ رُکو۔وہ دیکھ سکتی تھی زین کے چہرے پہ مایوسی تھی۔فلک کا دل چاہا آج وہ زین کے ساتھ باہر نکل کر دیکھے۔اور پھر اس سے قبل کہ وہ سامنے سے غائب ہوتا اس نے اس فوراً روک لیا۔زین ایڑھیوں پہ گھوما تھا۔

شاپنگ کرواؤ گے؟آنکھیں پٹپٹا کر فرمائش کرنا وہ کب بھولی تھی۔زین نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔اور پھر ساتھ ہی فوراً سے شانے اُچکا دیئے۔جیسے کہا ہو کہ جسے تم کہو۔

فلک فوراً سے پُرجوش سی اپنی جگہ سے اُٹھی تھی۔ٹھیک ہے مجھے بس دو منٹ دو میں ابھی آئی۔چٹکی بجا کر اپنی رفتا بتائی اور پھر اس نے سیڑھیوں کی جانب دوڑ لگا دی تھی۔زین کی چھپی مسکراہٹ مزید گہری ہو گی۔وہ سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

فلک تم جانتی ہو میرے دوست بہت کم ہیں۔میں دوستوں کے معاملے میں بہت خوش قسمت نہیں ہوں۔کار چلاتے اس نے بات کا آغاز کیا تو فلک جو شیشے کی جانب تھی اس کی طرف گھومی اور اسے دیکھنے لگی۔

زین نے اس پہ ایک نظر ڈالی ہلکا اسا مسکرایا اور پھر بات کا آغاز کیا۔

میں نے جتنے دوست بنائے وہ سب کے سب باہر ہیں۔اور اپنی اپنی زندگی میں

مصروف ہیں۔اور اگر کوئی مجھے پاکستان میں دوست ملا بھی تو میں نے دیکھا اپنا مطلب کے ملا۔۔۔۔

کبھی کبھی۔۔۔میں سوچتا ہوں۔دوستوں کے بغیر بھی زندگی بہت مسشکل ہوتی ہے۔۔کیا خیال ہے؟وہ اس وقت فلک کے ساتھ وقت گزارنے آیا تھا۔اور اس موضوع پہ بات کرنے سے بہتر اور کچھ اس نے سمجھا تھا۔فلک نے گہرہ سانس لے کر سر سیٹ سے ٹکا لیا تھا۔آنکھوں میں ایک دم سے کچھ عکس بننے بگڑنے لگے تھے۔

میں نہیں جانتی زین۔۔دوستوں کا ساتھ ہونا کیسا ہوتا ہے۔۔۔مجھے تو لگتا ہے میرے پاس ایسا کوئی رشتہ کبھی تھا ہی نہیں۔۔۔

میں نے قدم قدم پہ جس کا ساتھ دیا۔جس کو اپنا سب جانا اسی نے مجھے دھوکا دیا۔۔۔میں نہیں جانتی کیسا محسوس ہوتا ہے دوست کے بیچھڑنے پہ۔اس کی آنکھیں نم نہیں تھیں۔وہ بس وہ سب اس وقت اس کے ساتھ شئیر کر رہی تھی۔جو وہ اتنے عرصے میں اپنے علاوہ اور کسی سے نہیں کر سکی تھی۔وہ سارا سارا دن بیٹھ کرروتی نہیں تھی۔کسی کو بھی یاد نہیں کرتی تھی۔ایک سوائے امی بابا کے۔ان کی یاد اسے ایک گِلٹ میں رکھتی تھی۔کہ اسے وہاں سے ان کے نکالنے کے باوجود نہیں آنا چاہئے تھا۔اسے ان کے ساتھ رہنا چاہئے تھا۔

میرے خیال میں تمہیں اپنی کزن سے ایک بار ملنا ضرور چاہئے ہو سکتا ہے اس

کا اتنا قصور نہ ہو جتنا تم سوچ رہی ہو۔زین کے لہجے میں محسوس کیا جانے والا ٹھہراؤ تھا۔فلک اس کی بات پہ ایسے مسکرائی تھی جیسے کسی بچے کی بات پہ محظوظ ہوئی ہو۔

تمہیں کیا لگتا ہے۔۔۔میں کیوں ناراض ہوں اس سے؟

(اس لئے کہ اس نے میری پیٹھ میں چُھرا گھوما؟نہیں(اس نے سر نفی میں ہلایا

نہیں زین۔۔۔اس نے مجھ پہ عتماد نہیں کیا۔جس وقت مجھے اس کی گواہی کی ضرورت تھی۔اس نے میرے لئے گواہی نہیں دی۔وہ خاموش رہی۔دل میں تکلیف بڑھنے لگی تھی۔اس نے چہرہ موڑ لیا۔زین نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔اس کو افسوس ہوا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

لیکن فلک۔۔۔گواہی دینا نہ دینا کیا اس وقت مسلے کو حل کر دیتا؟

کیا اس سب سے تم اس نقصان سے بچ جاتی جو اس سب میں تمہارا ہوا؟

نہیں فلک۔۔۔تم ان سب کی نظر تب بھی اپنا مکام کھوچکی تھی۔پھر۔۔۔۔وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا مگر فلک نے اس کی بات کاٹ دی۔وہ دھاڑی تھی۔۔۔۔

زین اس کی گواہی مجھے کچھ نہیں دے سکتی۔۔۔مگر وہ مجھے دیکھا سکتی تھی کہ اسے مجھ سے کتنی محبت ہے۔وہ میرے ساتھ کتنی سنسئیر ہے۔یہ اس پہ فرض

نہیں تھا۔مگر اس کا اخلاقی فرض تھا۔۔۔زین۔۔۔اخلاقی فرض۔وہ ایک دم سے اتنی جزباتی ہوئی تھی۔کہ اس کی آواز بلند سے بلند ہوتی چلی گئی تھی۔زین بس خاموش سے ہو کار چلاتا رہا۔وہ اسے موقع دے رہا تھا۔کہ وہ اپنے اندر کا سارا غبار باہر نکال دے۔

تو تمہیں اس کی دوستی کا ثبوت چاہئے تھا۔وہ پھر بڑے تحمل سے پوچھ رہا تھا۔

ہاں۔۔میں اس سے اس کی دوستی کا ثبوت مانگ رہی تھی۔اور ہم سب کو کہیں نہ کہیں اپنے رشتوں میں اپنی سنسئیرٹی کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔ہم سب کو چاہئے ہوتا ہے زین۔جیسے۔۔۔

جیسے میں اس کے حنان کے درمیان سے نکل کر اس کے ساتھ اپنی سنسئیرٹی کا ثبوت دیا تھا۔جیسے ماں کے سامنے آنے پہ میں نے اسے اپنے پیچھے چُھا لیا تھا۔جیسے زین میں نے اکیلے تن تنہا سب کے تھپڑ کھائے مگر کسی کو اس پہ شک بھی نہ ہونے دیا۔

یہ تھی میری سنسئیرٹی اس کے لئے زین۔ایسے ہی مجھے اس کی ضرورت تھی لیکن۔۔۔اس نے۔۔۔اس نے مجھے چھوڑ دیا۔اس نے مجھے اکیلے سب سہنے کے لئے چھوڑ دیا۔اس نے میرا ہاتھ ایک بار بھی نہیں تھپکا۔ایک بار بھی اس نے مجھے ہمدردی کا ایک لفظ تک نہ کہا۔اور یہی وہ بات ہے جس کا مجھے دُکھ ہے۔فلک سُلطان دوستوں کے چھوڑ جانے پہ تنہا بیٹھ کر بھی رونے والوں میں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سے نہیں تھی۔اب بھی بولتے لہجہ لہجے کو نہ بگڑا تھا۔زین نے بس سر ہلا دیا۔

شاپنگ سینٹر پہنچنے تک دونوں نے کوئی دوبارہ بات نہیں کی تھی۔زین چاہتا تھا اب وہ اس سے خود ہی بات کرے اور ایسا ہوا بھی۔

سردیاں آ رہی ہیں تو میں سوچ رہی ہوں میں سردیوں کے لئے کچھ لے لوں۔الیکٹرک سٹیئرز سے اُوپر کے پورشن میں آتے فلک نے کندھوں سے بالوں کو درست کرتے ساتھ چلتے زین کو دیکھ کر کہا تو اس نے بس شانے اُچکا دئے۔

وہ اس وقت نیلی جینز پہ میرون ٹی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔اور چلتے وقت اس نے اپنی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے۔

سُنو اگر تمہارا دل نہیں چاہ رہا مجھے شاپنگ کروانے کو تو۔۔۔

نہیں نہیں تم کرو۔۔۔بھلا مجھے کیا مسلہ ہوگا۔وہ ایک دم سے فلک کے کہنے پہ اس نے کہا تو فلک نے اسے گھورا تھا۔

شکل تو اللہ معاف کرے ایسی یتیموں والی بنائی ہے جیسے میں تمہیں اُٹھا کر زبردتی لائی ہوں۔تھوڑا مسکرا دو۔۔۔دیکھو لوگ کیسے مجھے شکی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔مسکراتے ہوئے اس نے اس کی ٹانگ کھینچی تھی۔زین کی ہنسی چھوٹ گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم نہیں سُدھرو گی۔۔۔۔

محترمہ کے موڈ لمحوں میں بدلتے تھے۔فلک نے جواب میں فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔

نہیں بالکل نہیں۔۔۔۔

وہ دونوں سیکنڈ پورشن میں ایک بوتیک میں چلے آئے تھے۔بوتیک میں مردوں عورتوں کے کپڑے قطار اندر قطار لگے تھے۔اور نئ ورائٹی تھی۔زین ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کیا لیا جائے فلک میڈم نے پسند کر کر کے ڈھیر بھی لگا دیا تھا

وہ تو بس اس کی رفتا دیکھتا رہ گیا تھا۔

جس سوٹ پہ نظر پڑتی کوئی رنگ کوئی ڈیزائن ذرا سا بھی اچھا لگتا محترمہ فوراً پھینچ لیتیں۔

آج کا دن زین کی زندگی کا وہ دن ہونے والا تھا جب اسے یہ سبق سیکھنا تھا کہ شوپنگ سینٹر جا کر کبھی بھی عورت کو کھلاِ نہیں چھوڑتے ورنہ وہ اُجاڑا ڈالتی ہے کہ الاماں۔

جس وقت وہ دونوں باہر نکلے زین نے صرف ایک شرٹ اور ایک ٹراؤزرز کا جوڑا لیا جبکہ فلک کی قمیضیں پجامے ہی ختم نہیں ہو رہیۓ تھے۔نہ جانے کتنے خرید ڈالے تھے۔

تم تو لڑکی سہی شاہ خرچ ہو۔آؤ دیکھتی ہو نہ تاؤ۔بس اُٹھاتی چلی جاتی ہو۔مسکراہٹ روک کر اس نے اسے شرمندہ کرنا چاہا تھا۔مگر وہ بھی کہاں شرمندہ ہونے والی چیز تھی۔جواب میں بس شانے اُچکا دیۓ۔

دو سوٹ کیا لے دیۓ۔تم تو طعنوں پہ اُتر آۓ ہو۔

دو سوٹ؟ زین ہنس دیا۔

اچھا اب بتاؤ کیا کھانا ہے؟اس کے شوپنگ بیگز زین کے ہاتھ میں تھےاور وہ مزے سے چلتے ہوۓ بس زین کی شرٹ والے بیگ کو اُٹھاۓ ہوۓ تھی۔زین کی بات پہ رُکی۔آنکھوں میں افسوس اور چہرے پہ ایسا تاثر جیسے کہہ رہی ہو شرم تو نہیں آتی۔وہ نا سمجھی سے رُک گیا۔

کیا؟

میں نے تم سے کہا تھا مجھے سردیوں کی بھی شاپنگ کرنی ہے۔آنکھیں پھاڑے کہا۔اس کی پھٹی آنکھوں سے زیادہ اب زین مصطفیٰ کی آنکھیں پھٹی تھیں۔

تو یہ ابھی کیا لیا تھا تم نے؟ اسے تو اپنے کانوں اپنی آنکھوں پہ ہی یقین نہیں آیا تھا۔فلک نے اپنی مسکراہٹ روکنے کو چہرہ جُھکا لیا تھا۔

یہ۔۔۔یہ تو بس ایسے ہی کچھ کپڑے مجھے پسند آ گئے تھے۔جو بس درمیانے موسم میں پہنے والے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیکھو زین اگر تم نے مجھے موٹے کپڑے نہ لے کے دئے ناں۔۔۔تو۔۔۔تو میں سردی سے مر جاؤں گی۔اور تمہیں میرے گھر والوں کو بتانا پڑے گا کہ میں کیوں مری تھی۔

کنجوس آدمی۔۔۔اتنے امیر ہو۔اگر ایک بےسہارا لڑکی کو تم تھوڑی سی شاپنگ کروا دو گے۔تو کچھ کم نہیں ہوگا تمہارا۔دیکھا نہیں میں کتنی لاچار ہوں کہ خود سے کچھ خرید بھی نہیں سکتی۔معصومیت سے اور کچھ غم سے آنکھیں پٹپٹا کر کہا تو وہ بس اس کی اداکاری دیکھتا ہی ہنس کر رہ گیا تھا۔

اچھا بیچاری بےسہارا غریب لڑکی۔۔۔چلو لو جو لینا ہے۔ہاتھ سے آگے چلنے کا شارہ کیا تو وہ چہرہ پیچھے کو چھینک کر ہنس دی تھی۔اور پھر فوراً ہی آگے چلنے بھی لگی۔

اس کے ایک دم سے بے اختیار ہنسنے پہ بہت سے چلتے جوڑوں نے دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔کچھ کے چہروں پہ مسکراہٹ اور کچھ نے بس بے تاثر چہرے کے ساتھ اُنہیں دیکھا تھا۔زین کو اس کا ہنسنا اچھا لگا تھا۔وہ گاڑی میں جس طرح سے بول رہی تھی۔اس سارے ٹراما سے لگتا تھا اب وہ نکل آئی ہے۔لیکن وہ جانتا تھا وہ بس واپس اپنے غم کو چُھپا چُکی تھی۔

ویسے تمہیں بلیک شرٹ لینی چاہئے تھی۔۔۔اس کے شوپنگ بیگ میں جھانکتے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلک نے ساتھ چلتے زین سے کہا تھا۔

کیوں؟

کیونکہ تمہارے پاس کوئی بلیک نہیں ہے۔اور جو تھی وہ۔۔۔اوف منہ سے نکلتے جملے کو اس نے فوراً واپس منہ میں گھسیٹا تھا۔زین نے ابرو اُٹھائے۔

کیا وہ؟

اور تمہیں کیسے پتہ میرے پاس ایک۔۔۔۔

وہ تو بس میں یہ کہہ۔۔۔وہ بُری پھنسی تھی۔

ایک منٹ؟وہ چلتا چلتا ایک دم سے فلک کے سامنے آن رُکا۔فلک نے اپنی ہنسی (روکنے کو فوراً چہرہ جُھکا لیا(یعنی یہ نہیں جانتا

تم۔۔۔ماضی میں کی گئی شرارت ایک دم سے زین کے زیہن میں آئی تھی۔فلک نے اس کے قیمتی ڈیکوریشن پیسز توڑے تھے۔اس کی مہنگی نئ پسندیدہ شرٹس کا وہ بیڑا غرق کیا تھا کہ بعد میں اسے وہ پہننی نصیب تک نہ ہوئیں۔اور جوتے۔۔۔۔

جوتوں پہ اتنے بڑے بڑے سکریچز لگے تھے۔کہ الاماں۔۔۔اور۔۔۔اور یہ سارا فساد ڈالنے والی اس کے سامنے تھی۔اتنے دن سے اس کے گھر میں تھی۔بلکہ اس وقت اس کے ساتھ شاپنگ کر رہی تھی۔احساس ہوتے ہی زین کو اپنی

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بےوقوفی پہ دل بھر کر غصہ آیا تھا۔

اس نے آہستہ سے شاپنگ بیگز زمین پہ رکھ دئے۔نظر فلک پہ تھی۔فلک نے مسکراہٹ چھُپانے کو چہرہ مزید جھُکا لیا۔

تو وہ سارے طوفان کی نانی تم تھی؟وہ شاک میں تھا۔فلک نے فوراً چہرہ اُٹھایا۔

سوری۔۔۔ہاتھ اُٹھائے۔۔۔زین مسلسل اسے گھور رہا تھا۔

سوری۔۔۔سوری زین۔دیکھو۔وہ سب بس مزاق تھا۔اور۔۔۔میں نے ایک شرارت کی تھی بس۔وہ بہت مشکل سے مسکراہٹ روک رہی تھی۔مگر آنکھوں میں موجود چمک زین کو بتا رہی تھی۔وہ اس وقت کیسے اس کی بےوقوفی کا مزاق بنا رہی تھی۔زین نے سر جھٹکا تھا۔

فلک واپس جھُکی شاپنگ بیگز اُٹھا کر ڈرتے ڈرتے زین کی طرف بڑھائے۔جبکہ اب وہ کولہوں پہ ہاتھ رکھے اسے مسلسل گھور رہا تھا۔

نظر ایسی جیسے کہہ رہی ہو۔شرم تو جیسے آپ کو آتی ہی نہیں۔

زین پلیز سوری۔۔۔بیگز اسے تھمانے چاہے۔

زین پکڑ لو یار بہت بھاری ہیں۔مسکراہٹ چھپائی۔

(زین)وہ چل پڑا تھا

زین بیگز کون اُٹھائے گا۔وہ جا رہا تھا۔جبکہ فلک کبھی بیگز اور اب کبھی اسے

پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔

خود لے کے آؤ۔جاتے جاتے اس نے ہاتھ اُٹھا ئے تو فلک بھاری بھرکم بیگز کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

بیڑا غرق فلک تمہاری زبان کا۔وہ تو جیسے اسی انتظار میں تھا۔چلتا چلتا فوڈ کوٹ تک جا پہنچا تھا۔جبکہ اب فلک خود کو کیا بیگز کو کیا سب گھسیٹتی چل رہی تھی۔

زین نے مڑ کر دیکھا۔۔۔اور پھر ہنسی چھپانے کو چہرہ موڑ لیا۔

گردن تک اس کے بیگز ہی بیگز تھے۔اور تھوڑی آسمان کی طرف کئے۔وہ چلتی نمونہ لگ رہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اُٹھا لو اللہ کے بندے۔۔۔اب کیا جان لو گے میری۔اس سے کچھ ہی فاصلے پہ رُکتے اس نے دھائی دی تھی۔جبکہ ارد گرد آتے جاتے لوگ ایک بار پھر سے اس جوڑے کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔ایک شوہر نے تو چلتے چلتے زین کو انگوٹھا دیکھا کر گُڈ کا اشارہ بھی کر دیا تھا۔

دل تو ویسے یہی چاہ رہا ہے۔کہ تمھیں اوپر کی ٹکٹ کٹوا دو۔۔۔لیکن کیا کروں ۔آج کل حالات کچھ اچھے نہیں ہیں۔ہنستے ہوئے اس کے بازؤں سے بیگ اُٹھاتے اس نے کہا تو فلک گہرہ سا نس لیا تھا۔

شکر۔۔۔۔

وہ دونوں اس وقت کچھ موڈ میں تھے۔

اور پھر ایک دوسرے کو سمجھنے کے لئے انسان کو ایک دوسرے کو وقت دینا ہوتا ہے۔زین فلک کے بارے میں تو کچھ نہیں جانتا تھا۔لیکن وہ فلک کے معملے میں اب کی بار واقع میں سنجیدہ تھا۔اسے دادا کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔کہ زندگی مزاق نہیں ہے کہ رشتے بنائے اور پھر توڑ دیئے۔زندگی نے ان دونوں کو موقع دیا تھا۔ایک اچھی زندگی ساتھ گزارنے کا۔اور یقیناً وہ اپنی انا یا بےوقوفی کی وجہ سے ایک اچھا رشتہ نہیں کھو سکتا تھا۔

اس نے فلک کے ساتھ ایک گھر میں رہتے ہوئے اسے جج کیا تھا۔اور وہ عتراف کرتا تھا کہ وہ ایک اچھے دل کی مالک اچھی لڑکی ہے۔

چلو زین بابو۔۔۔اب مجھے مولٹن لاوا کیک کھلاؤ۔جیسا کہ تم نے وعدہ کیا تھا۔

سُنو نمکین میں تم دیکھ لینا کیا کھانا ہے۔ہنستے ہوئے زین کو بازو سے پکڑتے اوپن فوڈ کوٹ کی جانب جاتے اس نے کہا تو زین۔۔۔زین بابو پہ ہنس دیا تھا۔۔

یقین مانو۔۔۔پہلی ہو جس نے مجھے ایسے الفاظ سے پُکارہ ہے۔۔۔وہ اس کے اس نئے نام پہ محظوظ ہوا تھا۔فلک ہنس دی۔

فلک؟

وہ دونوں ہنستے آگے بڑھ رہے تھے جب زنیرہ (تارا کی چھوٹی بہن)کی آواز پہ فلک ایڑھیوں پہ گھومی تھی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

فلک ؟

کیسی ہو؟ نیرہ زین فلک کو ساتھ دیکھ کر کافی خوش ہوئی تھی۔وہ پُر جوش سی ان دونوں کی جانب بڑھی تھی۔فلک بھی تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔زین بس خاموشی سے کھڑا رہا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زنیرہ؟

فلک نے پُرجوش ہو کر زنیرہ کے ہاتھ پکڑ لئےزنیرہ مسکرا دی۔

فلک تم۔۔۔تم خوش ہو؟

تم کب آؤ گی حویلی؟

تم جانتی ہو حویلی تمہارے بغیر بہت اُداس اور ویران ہو گئی ہے۔زنیرہ نے جو جو سوچا تھا کہ وہ فلک کو دیکھتے ہی سب کہے گی۔اس نے سوچنے میں بھی لمحہ نہیں لگایا تھا۔سب کہہ بھی دیا۔وہ فلک کو دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔فلک اس کے ایک ساتھ اتنے سوالوں پہ افسردگی سے مسکرا دی۔

جس روز مجھے حویلی والے اجازت دے دیں گے آنے کی میں آ جاؤں گی۔

تم بتاؤ؟ بابا ، امی سب کیسے ہیں؟سُر جُھکا کر اس نے اپنے آنسوں کو اندر اُتارتے پوچھا تو زنیرہ جیسے بس گہرہ سانس لے کر رہ گئی تھی۔اس نے فلک کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ نکالے اور پھر اس کے ہاتھ تھام لئے۔

فلک سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔سب تمہیں یاد کرتے ہیں۔تمہیں حویلی آنے کے لئے کسی کی بھی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔فلک کے ہاتھوں کو جزباتی انداز میں دباتے اس نے کہا اور پھر اس سے پہلے کہ فلک کچھ کہتی وہ اسے لئے ایک جانب چلنے لگی۔

تم مجھے کہاں لے کر جا رہی ہو؟ زنیرہ کے ساتھ ساتھ چلتے اس نے نا سمجھی سے اس سے پوچھا تو وہ بس خاموشی سے چلتی رہی۔پیچھے کھڑے زین نے گہرہ سانس لیا تھا۔

وہ اس وقت فلک کو وقت دینا چاہتا تھا فاصلہ دینا چاہتا تھا۔

زنیرہ کے ساتھ ساتھ چلتے ایک مکام پہ پہنچ کر فلک کے قدم منجمند ہو گئے تھے۔زنیرہ اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

فلک کے ہونٹ آہستہ سے ہلے۔اس کے سامنے امی سُلطان کھڑی تھیں۔اور ان کی فلک کی جانب پشت تھی۔

فلک کو اور کچھ سُجھائی نہ دیا تو وہ ہلکے ہلکے قدم اُٹھاتی سیدھی ان کے کندھوں سے جا لگی۔اسے لگا اس نے ان تک کا چند قدموں کا سفر پانی پہ چل کر کیا ہو۔

اس نے ہونٹوں کو آپس میں بھینچتے ان کے گرد بازو لپیٹ لئے۔جبکہ زہرہ تو بیٹی کے لمس سے واپس تھیں۔اُنہوں نے گھومنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

وہ بس اپنی جگہ پہ ساکن تھیں۔وہ جانتی تھیں فلک کے آنسو ان کی سفید چادر میں جزب ہو رہے ہیں۔اور ان کے اپنے آنسو ان کے پاؤں پہ گر رہے تھے۔

اس دنیا میں سب سے زیادہ ماں باپ کے بیچھڑے کا غم ہوتا ہے۔اور فلک تو زندہ ہو کر ان سے الگ تھی۔بغیر کسی جرم کے سزا کاٹ رہی تھی۔

امی ؟اس نے اپنی گرفت مزید سخت کر دی۔

امی۔۔۔میری پیاری امی۔۔۔بھل بھل آں‌سو نکلتے ان کی چادر میں جزب ہوتے جا رہے تھے۔

فلک کی بھیگی آواز پہ وہ اس کی گرفت سے نکلیں اور اس کا رُخ اپنی جانب کیا تھا۔

فلک کی بھیگی آواز پہ وہ اس کی گرفت سے نکلیں اور اس کا رُخ اپنی جانب کیا

تھا۔

امی۔۔۔اس کی آں کھوں سے آں سو اب نکلتے اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔زہرہ سلطان کی آں کھیں بھی آنسوں سے لبالب بھری تھیں۔اور غم کی شدت سے ان کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

فلک۔۔۔میری گڑیا۔اس کے گالوں کو ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے اُنہوں نے اس قدر رقت آمیز لہجے میں کہا تھا کہ فلک باوجود کوشش کے اپنی سسکی نہ روک پائی۔۔۔اور امی کہتی ان کے سینے سے جا لگی۔

سب لڑکیاں شادی کر کے سسرال جاتی ہیں۔فلک کی بھی شادی ہوئی۔اسے بھی حویلی سے جانا تھا۔لیکن وہ رُخصت نہیں کی گئی تھی نکالی گئی تھی۔اور سارے ارمان۔۔۔ساری حسرتیں جو رُخصتی کے وقت ایک لڑکی کے دل میں ہوتی ہیں۔بیچھڑنے کا خوف جو رولاتا ہے۔گھروالوں کی دعائیں، کچھ بھی نہیں ملا تھا اسے۔اسے صرف دھکے ملے تھے۔

اور اب ایک دم سے ماں کو دیکھتے اسے سارے غم یاد آ گئے ساری حسرتیں یاد آ گئی تھیں۔وہ ان کے کندھے سے لگی تو دل چاہا اپنی جگہ سے ہلے بھی نہ۔

ماں کی آں کھوں میں دیکھ کر آپ کو احساس ہوتا ہے کہ خالص محبت کیا ہوتی ہے۔فلک کو دھکے کھانے کے بعد احساس ہوا تھا کہ اسے حویلی نہیں چھوڑنی چاہیئے تھی۔اسے اپنی ماں کے آغوش میں چُھپنا تھا کیونکہ وہی وہ جگہ تھی جہاں

اسے سہی توجہ مل سکتی تھی۔

میرے دل کا سکون۔۔۔میری بیٹی۔۔۔فلک کے گرد بازو لپیٹے زہرہ اتنے مدھم لہجے میں بولیں تھیں کہ فلک بمشکل سُن پائی۔

امی میں نے آپ کو بہت یاد کیا۔

میں نے ہر رات آپ کی یاد میں رو کے گزاری۔امی آپ۔۔۔آپ کیسی ہیں؟ان سے الگ ہوتے ان کے ہاتھوں کو پکڑتے فلک نے پوچھا تو زہرہ چہرہ جُھکا گئیں۔وہ فلک کو روتا دیکھ کر دل ہی دل میں شرمندگی سے مزید گرتی جا رہی تھیں۔زنیرہ آگے بڑھی اور چچی جان کو کندھوں سے پکڑا۔

فلک میں نے بھی تمہیں بہت یاد کیا میری جان۔میں نے۔۔۔میں تم پہ ہاتھ اُٹھایا۔۔۔یہ۔۔۔یہ بات مجھے ہر رات کوڑے مارتی رہی۔مجھے افسوس رہئے گا کہ میں نے اپنی بیٹی پہ یقین نہیں کیا۔

فلک میں نے۔۔۔تمہاری ماں نے تمہیں ان ہاتھوں سے مارا۔ہاتھ فلک کے سامنے کیئے۔ان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔فلک نے تیزی سے ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

امی مجھے کوئی افسوس نہیں۔آپ۔۔۔آپ میری امی ہیں۔مجھے آپ کی مار بھی عزیز ہے۔ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے وہ جزباتی ہو گئی تھی۔زنیرہ پریشانی سے کبھی چچی جان اور کبھی فلک کو دیکھ رہی تھی۔اطراف میں چلتے، آتے جاتے

لوگ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔زنیرہ ان دونوں کو وہاں سے ہٹانے کا سوچنے لگی تھی۔

امی بابا کیسے ہیں؟

اُنہوں نے مجھے یاد کیا۔آنسو گالوں سے صاف کرتے اس نے ان کے ہاتھوں کو تھام کر ہلکے سے دبایا تھا۔وہ روتے سر ہلانے لگیں۔

بہت۔۔۔وہ بس مختصر ہی کہہ پائی تھیں۔

فلک آپی زین بھائی کہاں رہ گئے؟

آئیں چچی آپ کو زین بھائی کے پاس لے کر جاؤں۔آج ہم مل کر لنچ کریں گے۔ٹھیک ہے چچی جان؟وہ دیکھ سکتی تھی کہ زہرہ مسلسل رو رہی تھیں۔اور وہ فلک کی غیر موجودگی میں اتنی کمزور ہو چُکی تھیں۔کہ مزید ان کا یوں رونا گریازاری ان کی حالت بگاڑ سکتی تھی۔فلک نے سر اثبات میں ہلایا۔تو زنیرہ ان کو لئے چلنے لگی۔

وہ جتنی بہادر اور مضبوط پہلے ہوا کرتی تھیں۔محض کچھ ہی عرصے میں بالکل ہی بدل کر رہ گئیں تھیں۔فلک کو مزیز پچھتاوا ہوا۔

زین میز پہ کہنیاں ٹکائے، ہونٹوں کو بھینچیں۔اطراف میں دیکھ رہا تھا۔وہ فلک

کا منتظر تھا کہ وہ واپس آئے تو وہ کھانا آڈر کرے۔

اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کا دل کہاں ہے تو دیکھیں کہ آپ کا ذیہن کہاں ہے۔اور زین مصطفیٰ کو احساس تھا کہ اس وقت اس کا زیہن کہاں ہے۔وہ فک کے لئے نئے نئے جزبات دل میں لئے نہیں تھا۔یہ محبت نہیں تھی، یا پھر کوئی انسیت نہیں تھی۔وہ بس اس کے رد گرد رہیے۔اس کے ساتھ جھگڑتی رہے۔اس سے بات کرتی رہے زین کو اچھا لگتا تھا۔اسے خوشی جیسا احساس بھی نہیں ملتا تھا۔لیکن بس ایک عجیب قسم کا سکون ملتا تھا۔

اور اس احساس سے وہ تب روشناس ہوا تھا جب ا سنے فلک کو اپنے گھر پہ پہلی بار دیکھا تھا۔وہ ایک پری کی طرح تھی۔ہر وقت ہنستی مسکراتی، بچوں بڑوں کا دل جیتنے والی شرارتی پری۔

اگر کبھی وہ سوچتا کہ اسے اس کی معصومیت اچھی لگتی ہو گی۔تو وہ فوراً کہتا کہ نہیں وہ معصوم نہیں ہے۔اور سچی بات تھی۔فلک معصوم نہیں تھی وہ بہادر تھی۔اور ہر چیز سے واقف تھی۔ہاں اگر زین سوچتا کہ وہ اسے اس کی شرارتوں کی وجہ سے اپنی جانب ہمیشہ متوجہ رکھتی ہے تو یہ بات کافی حد تک درست ہوگی۔ابھی شاپنگ کے دوران اس نے زین کو اپنی حرکتوں سے اتنی بار مسکرانے پہ مجبور کیا تھا کہ زین کو ایک لمحے کے لئے لگا تھا وہ مسکراہٹوں سے بھرا ایک بھرپور پیکیج ہے۔لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا وہ اپنے اندر غموں کو پالے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہوئے ہے۔وہ بس بظاہر ہنستے رہنے والوں میں سے ہے۔

زین اس کے بارے میں اتنا سوچ چُکا تھا کہ وہ اس پہ تیسز لکھ سکتا تھا۔اس نے سر جھٹکا۔

زین مصطفیٰ اس لڑکی پہ بھروسہ مت کرو۔دادا کی باتوں میں مت آؤ۔

جیسے آج چھوڑ کر اپنی کزن کے ساتھ چلی گئی۔اگر کل اپنے گھر والوں کے ساتھ چلی گئی تو؟وہ وہم نہیں پال رہا تھا۔لیکن حقیقت یہ تھی۔فلک اس کی زندگی میں آنے والا ایک حادثہ تھی۔اور جبکہ وہ اس حادثے کو قبول کر رہا تھا۔تو وہ اب اس کا چلے جانا افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔اس نے گہرہ سانس لیا۔اور سر میز پہ رکھ لیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مزید یوں ہی بیٹھے اسے کچھ ہی لمحے گزرے تھے۔اس نے محسوس کیا کہ اس کی میز کی کرسیاں کھینچی گئی ہیں تو وہ فوراً سیدھا ہوا تھا۔

زہرہ نے بغور زین کو دیکھا جو ان کو دیکھ کر فوراً اپنی جگہ سے اُٹھا تھا۔

اسلام علیکم۔۔۔

وعلیکم اسلام۔۔۔ہلکا سا مسکرا کر اُنہوں نے جواب دیا تھا۔پہلی بار داماد کے حوالے سے اسے دیکھا تو اُنہیں عجیب سا لگا تھا۔

وہ ایک بارعب شخصیت کا حامل شخص تھا۔فلک کی زندگی کا یہ فیصلہ اُنہیں کافی

حد تک اس لمحے اچھا لگا تھا۔

آنٹی زہرہ کا ایک دم سے سامنے آجانا اس کے لئے حیرت کا باعث تھا۔اس نے فلک کو دیکھا۔جو زہرہ سُلطان کے ساتھ کی کرسی کھینچ کر بیٹھ رہی تھی۔زین نے گہرہ سانس لیا۔تو وہ اپنی ماں کے ساتھ سیٹ ہے۔

زین واپس بیٹھ گیا۔

زین بھائی آپ نے ابھی تک کچھ آڈر تو نہیں کیا ناں؟زنیرہ نے مسکرا کرپوچھا تو زین

نے بس زنیرہ کو دیکھ کر مسکرانے پہ اکتاف کیا تھا۔اس کی نظر وقفے وقفے سے فلک پہ پڑ رہی تھی۔جو آنٹی کے ساتھ لگی نہ جانے کیا باتیں کر رہی تھی۔اور وہ بس افسردگی سے میز کو دیکھ رہی تھیں۔زین کا فوراً دل چاہا وہ اس منظر سے نکل جائے۔

وہ وہاں پہ خود کو غیر اہم محسوس کرنے لگا تھا۔اس نے گہرہ سانس لیا اور پُشت کرسی سے ٹکا لی۔

زین۔۔۔خاموشی کے کچھ مختصر عرصے میں آنٹی نے اسے پکارہ تھا۔وہ فوراً سیدھا ہوا۔

جی؟

بیٹا آپ کو حویلی والوں کی جو بھی باتیں بُری لگیں میں اس کے لئے آپ سے شرمندہ ہوں۔مجھے اُمید ہے آپ ماضی کو بھول جائیں گے۔(یہاں زین نے فلک کو دیکھا تھا۔فلک ماضی سے ہی آئی تھی۔کیا اسے اس کو بھی بھولنا تھا؟)

جواب میں زین نے بس مروتاً مسکرانے پہ اکتاف کیا تھا۔اور سر جُھکا دیا۔

ویسے تم اور زین بھائی ایک ساتھ اچھے لگتے ہو۔زنیرہ نے فلک کے کان میں سرگوشی کی تھی۔فلک نے اسے گھورا تھا۔ساتھ ہی اگلے ہی لمحے زین کو دیکھا تھا۔زین ان کی جانب متوجہ نہیں تھا۔

گھر پہ سب ٹھیک ہیں؟زہرہ نے ایک اور سوال کیا تو زین کو سیدھا ہو کر بیٹھنا پڑا۔

جی۔۔۔ایک بار پھر سے مروتاً مسکرا اس نے جواب دیا تو فلک نے اس کی خاموشی نوٹ کی تھی۔

جس وقت کھانا کھایا جا رہا تھا۔زنیرہ ہی وقفے وقفے سے ان دونوں کو مخاطب کرتی رہی تھی۔زین زہرہ اور فلک کی آپس میں کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی تھی۔یہ تین لوگ شائد اب مستقبل کے بار میں سوچ رہے تھے۔

اگر زہرہ سلطان فلک سے آج ملیں تھیں تو اس کا مطلب تھا کہ وہ مستقبل میں بھی ملیں گیں۔یا پھر کیا۔۔۔۔

کیا مستقبل میں ایسی کوئی مُلاقات پیش آنے والی ہے بھی یا نہیں۔ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا۔

فلک تم زین بھائی کے ساتھ کہاں گھومنے گئی تھی؟مجھے تصویریں ضرور دیکھانا۔آئسکریم کا چمچ منہ میں رکھتے زنیرہ کے یہ الفاظ خاصے اُونچے تھے۔

فلک زنیرہ کی بات پہ ہونٹ بھینچ کر رہ گئی تھی۔زہرہ نے فلک اور زین کو دیکھا تھا۔جبکہ زین نے ایک بار پھر سے زنیرہ کو مروتاً مسکرا کر دیکھا تھا۔

آپ کی کزن گھر سے نکلنا پسند ہی نہیں کرتیں۔مسکرا کر اس نے فلک کو دیکھتے کہا تو فلک نے آنکھیں اُٹھا کر زین کو دیکھا تھا۔زین کے تاثرات معمول کے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زنیرہ اور زہرہ نے اب کی بار چہرہ موڑ کر فلک کو دیکھا تو وہ بس شانے اُچکا کر رہ گئی تھی۔

میرا خیال ہے۔کہ۔۔۔

ہم جانے کا سوچ ہی رہے ہیں۔ولیمہ ہو جائے پھر دیکھتے ہیں کہاں جانا ہے۔فلک تحمل سے کچھ کہنے ہی والی تھی۔مگر زین نے اس سے بھی زیادہ تحمل اور نرمی سے فلک کو دیکھتے کہا تو فلک نے بس اسے گھورا تھا۔(یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟میں نے اس سے کہا تو تھا کہ میں اس رشتے کو قائم نہیں رکھنا چاہتی

ہیں۔۔۔واؤ۔۔۔کہاں جا رہے آپ لوگ؟کب ہے ولیمہ؟زنیرہ پُرجوش ہو کر آگے کوہوئی تھی۔فلک نے پہلو بدلا تھا۔زہرہ نے بیٹی اور داماد کے تاثرات بغور دیکھ رہی تھیں۔

ولیمہ تو انہی پانچ چھ دِنوں میں ہے۔اور پھر ولیمے کے بعد ہی ہم جائیں گے۔بس دادا اور مما ، بابا آ جائیں۔

کب آ رہے ہیں وہ؟اب زہرہ بولیں تھیں۔زین نے گہرہ سانس لیا۔پرسوں(یہ جھوٹ تھا)فلک نے فوراً ابرو اُٹھائے تھے۔جیسے پوچھا ہو سچ میں؟

فلک آپ نے آگے کا سوچ لیا ہے؟زہرہ اب بیٹی کی طرف گھومی تھیں۔فلک نے گہرہ سانس لیا۔اور آئسکریم کا چیچ ہاتھ سے چھوڑ دیا۔امی مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔آپ۔۔۔

فلک ؟

میری بات سُننا ذرا۔۔۔زین نے اس کی بات کاٹتے ہونٹ تھپتھپاتے کرسی کھینچی تھی۔تینوں نے اسے دیکھا تھا۔مگر زین صرف فلک کو دیکھ رہا تھا۔فلک بس (ناسمجھی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔(یہ کر کیا رہا ہے؟

زین کہہ کر تیزی سے ریسٹ رومز کی جانب بڑھ گیا تو فلک نے بمشکل خود کو کچھ سخت سست کہنے سے روکا تھا اور پھر ماں اور کزن کو دیکھتی فوراً اُٹھی۔

میں بس ابھی آئی۔مسکرا کر کہا۔اور کوئی بھی بات سُنے بغیر زین کے پیچھے چل دی۔زنیرہ جہاں مسکرا کر ان دونوں کو دیکھتی اپنی آئسکریم کی جانب متوجہ ہو چُکی تھی وہیں۔زہرہ نے چمچ واپس رکھ دیا تھا۔

تمہارا مسلہ کیا ہے؟ تم ایسے کیوں کر رہے ہو؟

باتھ روم میں آتے ہی اس نے اطراف میں دیکھے بغیر دیور سے پُشت ٹکا کر کھڑے زین کو گھور کر دانت پیستے پوچھا تھا۔زین نے ابرو اُٹھائے تھے۔

میرا مسلہ تم ہو۔

میں؟ وہ حیران ہوئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہاں تم۔۔۔۔

تم اور تمہارے خاندان نے مجھے مزاق سمجھ لیا ہے۔تم لوگ کیا سمجھتے ہو کہ یہاں پہ ایک صرف تم لوگوں کی عزت ہے۔میں یہاں پہ چائے بیچنے بیٹھا ہوں؟

کیا مطلب ہے اس بات کا؟فلک کے چہرے کے تاثرات بگڑے تھے۔زین نے دیوار سے پُشت چھوڑ دی۔اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

تم جانتی ہو۔سارا شہر جانتا ہے زین مصطفٰے کے نکاح کے بارے میں۔

تو؟

تو۔۔۔وہ اس کے انداز پہ حیران ہوا تھا۔تو سے تمہارامطلب ہے۔تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا؟

نہیں مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔سینے پہ بازو لپیٹے۔زین کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

میری بات سُنو فلک مادام۔۔۔میں ایک 17 گریڈ کا پولیس آفیسر ہوں۔جس کے آگے پیچھے میڈیا گھومتا ہے۔

اس ضلع کے تمام تھانوں میں سب سے زیادہ میرے تھانے کی پولیس پہ میڈیا کی نظر ہوتی ہے۔تم جانتی ہو۔میری ذاتی زندگی میری ذاتی نہیں ہے۔

تو؟وہ جتنا اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا فلک کے تو اتنے بڑھتے جا رہے تھے۔زین نے ایک خشک نظر فلک کو سر سے پاؤں تک دیکھا تھا۔

تو یہ بی بی کہ اب جہاں تم آ گئی ہو وہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔یہ رشتہ تم نے صرف اپنے فائدے کے لئے بنایاتمہارے خاندان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ تمہیں گھر سے نکال کر میرے سر ڈآل دیا۔

تم لوگوں نے ایک بار نہیں سوچا کہ میری عزت بھی ہے اس شہر میں۔شہر والے ، لوگ میرے بارے میں کیا باتیں کریں گے۔تم لوگوں نے مجھے میرے خاندان کے سامنے مزاق بنا دیا۔تم کیا سمجھتی ہو اب میں تم لوگوں کو ایسے ہی جانے دوں گا۔سرد تاثرات اور آنکھوں سے جھلکتا غصہ۔زین کی شخصیت اس وقت بہت مختلف لگ رہی تھی۔وہ زین مصطفٰی وہ نہیں تھا جسے

اب تک وہ جانتی تھی۔فلک نے فوراً نظر جُھکالی۔

لیکن۔۔۔تم جانتے ہو اس رشتے کی حقیقت۔میں نے تم سے اول روز ہی ڈیل کر لی تھی۔

کونسی ڈیل؟

تم نے سب اپنے فائدے کے لئے خود سے سب کیا۔میں نے تم سے کیس میں مدد مانگی۔اور بعد میں میں خود ہی کیس سے نکل آیا۔تم نے میرے لئے کچھ نہیں کیا۔اور۔۔۔

تو تم کیا چاہتے ہو کیا کروں اب میں؟ میرے پاس ہے ہی کیا تمہیں دینے کے لئے۔وہ اس وقت شدید رونے کی خواہش رکھتی تھی۔وہ بُری پھنسی تھی۔گھر والوں کے سامنے خاندان کے سامنے، زین اور زین کے خاندان کے سامنے وہ بہت بُری پھنسی تھی۔

یہ میں تمہیں بتا دوں گا۔لیکن یاد رکھو اپنے گھر والوں کو مت بتانا کہ تم اس رشتے سے نکل رہی ہو۔کیونکہ میں تمہیں چھوڑنے کا فیصلہ ابھی نہیں کر سکا۔دادا کی مجھ پہ سختی ہے۔میرے دفتر میں سب مجھے ہر روز آ کر نکاح کی مبارکبادیں دے رہے ہیں۔کوئی ایسی حرکت مت کرنا جس کی وجہ سے تمہیں مجھے اور ہمارے خاندان کو دوبارہ بے عزت ہونا پڑے۔

اس بار میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین تم۔۔۔۔

بس فلک اب اس بارے میں اور بات نہیں ہوگی۔ہاتھ اُٹھا کر اس نے اسے کچھ بھی مزید کہنے سے روک دیااور پھر تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔فلک نے ہونٹ کاٹتے ایک نظر چھت کو دیکھا۔اور پھر باہر نکل گئی۔

اس دنیا کر ہر فیصلہ اس کا مالک کرتا ہے۔ہم انسان صرف مہرے ہیں۔

فلک اور زین کی کہانی اتنی مختصر نہیں ہے۔کہ آسانی سے ختم ہو جائے۔وہ دونوں ایک رشتے میں جُڑے کیونکہ خُدا کی مرضی یہی تھی۔اُنہیں جڑنا ہی تھا۔بھلے فلک نے ایک مشکل رستہ منتخب کر لیا تھا۔لیکن زندگی ان دونوں کی ایک ساتھ گزرنی تھی۔یہ فیصلہ ہو چُکا تھا۔

سرخ فراق پجامے میں بالوں کو سٹریٹ کرکے، کانوں میں سرخ موتی پہنے، خوبصورت شوخ لپسٹک، پاؤں میں سرخ ہائی ہلیز۔وہ اس وقت پوری کی پوری سرخ رنگ میں لپٹی بہت دلکش لگ رہی تھی۔تارا نے میک اَپ فِکسر سپرے کیا اور ایک آخری نظر اپنے عکس پہ ڈالی تھی۔

وہ چچی کے ساتھ ان کی کسی دوست کے ہاں جا رہی تھی۔کوئی گیدرنگ تھی۔اور چونکہ چچی کے حوالے سے چچی کی دوست تارا کو بھی جانتی تھیں۔تو اُنہوں نے اسے بھی آنے خاص تاکید کی تھی۔

حنان نے جس وقت دروازے کا پٹ دھکیلا۔تارا گلے میں دوپٹا ڈال کر بالوں کو کندھوں پہ درست کر رہی تھی۔

کمرے کی ساری بتیاں بُجھی تھیں۔اور چونکہ روش دن تھا تو ڈریسنگ ٹیبل کے دائیں جانب بالکنی کی قد آدم کھڑکیوں سے آتی روشنی اس کے چہرے پہ پڑتی اس کے چہرے کو شیشے میں واضح کر رہی تھی۔حنان نے ابرو اُٹھا کر تارا کو سر سے پاؤں تک دیکھا تھا۔وہ سر جُھکائے اپنے ہی کام میں مگن تھی۔

سفید شرٹ اور سرمئی پینٹ کے ساتھ ہم رنگ کوٹ کو ہاتھ میں پکڑے حنان اس وقت وڈیرے کے گیٹ اَپ سے بالکل مختلف ایک اچھا ہینڈسم بزنس مین لگ رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے کمرے میں آہستہ سے قدم رکھے اور پیچھے اتنی ہی آہستہ کمرے کا دروازہ بند کیا تھا۔

تارا اب کی بار پیچھے کو گھومی تھی۔حنان نے ایک اور گہرہ نظر اس پہ ڈالی اور ہاتھ میں پکڑا کوٹ صوفے کی جانب اُچھلا دیا۔

کہاں کی تیاری ہے؟ تارا نے حنان کو ایک نظر دیکھ کر اتنی آسانی سے نظر انداز کیا تھا کہ حنان کو خود سے اسے بلانا پڑا تھا۔تارا نے بغور شیشے میں اپنے عکس کو دیکھا اور پھر لپسٹک برش اُٹھا لیا۔

چچی کے ساتھ جا رہی ہوں۔ٹھنڈا ٹھار جواب دیا۔حنان بیڈ کی جانب بڑھ

گیا۔جواب دے کر تارا لپسٹک ٹھیک کرنے لگی تھی۔حنان جوتے اُتارنے لگا۔

مجھ سے پوچھا تھا؟ وہ غصہ نہیں تھا۔نہ ہی جھگڑا چاہتا تھا۔بس آج وہ تارا کو کہنا چاہتا تھا کہ وہ اچھی دِکھ رہی ہے۔اس کے ساتھ باہر چلے۔وہ اسے ڈنر کروائے گا۔

مجھ سے بھی شادی کا کسی نے نہیں پوچھا تھا۔برش رکھتے اس نے بہت ٹکا سا جواب دیا تھا۔حنان نے تیزی سے گردن موڑ کر تارا کو دیکھا تھا۔

اس بات کا مطلب کیا ہے؟ننگے پاؤں اپنی جگہ سے اُٹھتا اس کی جانب بڑھا۔

کچھ نہیں۔۔۔ٹیبل سے اپنا ہینڈ بیگ اُٹھایا۔حنان اس کے پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔

تم نے کچھ کہا ہے ابھی۔مجھے اس کی وضاحت دو۔

حنان اب وضاحت کا وقت نہیں ہے۔اللہ حافظ۔اس کے پاس سے گزرتے تارا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تھا۔حنان پھرتی سے اس کی جانب لپکا اور اس کی کلائی کو جھٹکا دیا۔تارا بمشکل گرنے سے بچی تھی۔کھا جانے والی نظر سے دیکھا۔

یہ لپسٹک صاف کرکے جاؤ۔آنکھوں میں شرارت نہیں تھی۔ہونٹ بھی نہیں مسکرا رہے تھے۔مگر تارا کو لگا وہ مزاق کر رہا ہے۔وہ طنز سے ہنس دی۔

حنان میں تمہارے لئے کیا ہوں ؟ تم مجھے آج بتا ہی دو۔اپنی کلائی کو جھٹکا دے کر چھڑوانا چاہا۔مگر حنان نے اسے اسی طرح کلائی سے پکڑے ڈریسنگ ٹیبل کی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Poems|Poetry|Interviews

طرف دھکیلا تھا۔

تم میری بیوی ہو۔

یہ ٹیشو پکڑو۔اور لپسٹک صاف کرو۔تارا کی پُشت ڈریسنگ ٹیبل سے لگی تھی۔حنان نے ٹیشو اس کی آنکھوں میں جھانکتے تھما دیا۔تارا نے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ سخت کہنے سے روکا۔

میں نہیں کروں گی۔میری مرضی میری خواہش میرے لئے بہت اہم ہے۔۔۔

سامنے سے ہٹو۔ٹیشو زمین پہ پھینکتے وہ اڑ گئ تھی۔حنان نے گھورا۔

نہیں کرو گی تو میں کرو دں گا۔لیکن تم ایسے باہر نہیں جا رہی۔اور نہ اس واہیات باریک سے دوپٹے کو لے کر جاؤ گی۔کوئی چادر لے کے جاؤ۔ایک اور ٹیشو نکل کر اس کی جانب بڑھایا۔اب کی بارتارا بس اسے دیکھتی رہی تھی۔

تم مردوں کو عورتوں پہ صرف حکم ہی چلانا آتا ہے ناں۔۔۔آنکھوں میں آنسو بھرنے لگی۔حنان نے بس اسے دیکھتا رہا۔

تمہیں بس میں روعب ڈالنے کے لئے دے دی گئ ہوں۔اور تم ہمیشہ مجھے دبا کر رکھنا چاہتے ہو۔تم چاہتے ہو کہ میرے پہ تم جیسے مرضی ظُلم کرتے رہو۔اور میں بولوں بھی نہ۔تم بس مجھے ڈرانا چاہتے ہو۔ہیں ناں؟ اس آنکھوں سے آنسو بس نکلنے کو تھے۔حنان نے گہرہ سانس لیا۔اور ٹیشو پیپر سے تارا کی لپسٹک

صاف کرنے لگا۔

اٹکے آں سو نکل کر گالوں پہ بہنے لگے۔حنان بس ہونٹ بھینچ کر نرمی سے لپسٹک صاف کرتا رہا۔تارا نے اس کے چہرے پہ اپنے لئے نرمی تلاش کرنے کی کوشش مگر دھندلاہٹ اتنی تھی کہ دیکھنا مشکل تھا۔

لپسٹک صاف کرکے حنان واڈروب سے اس کی چادر نکال لایا۔اور لاکر تارا کے کندھوں پہ ڈال دی۔تارا بس روتی اسے دیکھ رہی تھی۔

حنان کی بیوی کو چادر والی باروعب ہونا چاہیئے۔نرمی سے کہا۔

اب تم جا سکتی ہو۔سامنے سے ہٹتے اس نے جوتوں کے ریک سے سلیپرز نکالے پاؤں میں اڑسے اور پھر باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔تارا بس آنسو بہاتی اسے دیکھتی رہی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا وہ روئے اُونچی آواز میں روئے۔اور اتنا روئے کے سیلاب آ جائے۔

محبت مانگی مگر بدلے میں ایک ذہنی مریض شخص اسے دے دیا گیا تھا۔وہ اللہ سے آج شکوہ کرنے لگی تھی۔

کیا تھا اللہ میری مشکلوں کو آپ کم کردیتے۔

حنان اس کی قسمت میں تھا۔اسے مل ہی جانا تھا ایسے ملنا تھا۔یہ اس کا اپنا

فیصلہ تھا۔

آپی آج میں اور چچی بھلا کس سے ملے؟زنیرہ نے رسالے کو جھولی میں رکھتے پُرجوش ہو کر ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھی ٹی وی دیکھتی سدرہ کو مخاطب کیا تو اسنے بس ابرو اُٹھائے تھے۔

سدرہ کی آنکھوں کے نیچے ہلکے مزید گہرے ہو چکے تھے۔اس کے گال مزید اندر کو دھنس چکے تھے۔اور ہاتھوں میں کپکپاہٹ آ گئی تھی۔وہ بوڑھی نہیں ہوئی تھی۔مگر وہ لگنے لگی تھی۔جتنے رشتے آتے سب کے سب یا تو اس کی جائداد کے لالچ میں آ رہے تھے یا پھر بڑی عمروں کے۔

اور بڑے بابا اور بڑی امی اس وقت اتنے پریشان تھے۔کہ شائد ہی رات کو سکون سے سو پاتے تھے۔

میں اور چیچی آج فلک اور زین بھائی سے ملے تھے۔آپی وہ دونوں ایک ساتھ اتنے اچھے لگ رہے تھے کہ کیابتاؤں۔

زین بھائی تو بالکل ناولوں کے ہیرو لگتے ہیں۔

فضول بولنا، بے کار میں ہنسنا۔ایسی کوئی حرکت اُنہوں نے ہمارے بیٹھے میں نہیں کی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور فلک تو۔۔۔

وہ دونوں ساتھ میں خوش ہیں؟زنیرہ پُرجوش ہو کر کہہ رہی تھی۔سدرہ نے پوچھا تو ہنس دی۔

بہت زیادہ۔

پتہ ہے اسی ہفتے ان دونوں کا ولیمہ ہے۔اور پھر دونوں گھومنے جا رہے ہیں۔مجھے قسم سے اتنی خوٗشی ہو رہی ہے کہ بس کیا بتاؤں۔میں نے تو پھوپھو کو بھی کال پہ بتا دیا ہے کہ آج میں فلک سے ملی تھی۔

اور پتہ ہے وہ کیا کہہ رہی تھیں۔پٹر پٹر زنیرہ بول رہی تھی۔جبکہ سدرہ کو تو جسے چُپ لگ گئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جس کی قسمت میں خوشی ہو اس کو مل ہی جاتی ہے۔چاہے یہ دنیا لاکھ غم دینے کو جتن کر لے۔سدرہ نے اپنے حسد میں فلک کو تکلیف دینے کی کوشش کی تھی۔مگر وہ نہیں جانتی تھی۔وہ فلک کو کیا دینے جا رہی ہے۔

ایک حقیقی خوشی۔۔۔

چاہے اور چاہے جانے کا احساس اسے ملنے جا رہا تھا۔جس سے ابھی وہ ناواقف تھی۔

پھوپھو کہہ رہی تھیں کہ وہ بابا سے بات کریں گیں۔ہم سب بھی ان کے

ولیمے پہ جائیں گے۔ہم فلک کے میکے والے ہیں۔اور ہمیں اس ناراضگی کو ختم کرنا چاہیئے۔وہ خاندان کی بیٹی ہے۔

تو تمہیں کیا لگتا ہے۔بابا مان جائیں گے۔

مان تو جانا چاہیئے۔۔۔ویسے بھی جس نے سب کیا وہ تو اپنے گھر میں بیٹھی ہیں۔

کیا مطلب ہے تمہارا۔؟زنیرہ کی بات پہ سدرہ کو پتنگے لگ گئے تھے۔زنیرہ مسکرا دی۔

آپ کی بات تو نہیں کر رہی۔کیوں آپ نے بھی کچھ غلط کیا ہے؟زنیرہ کی آنکھوں میں طنز تھا۔سدرہ پاؤں پٹختی موقع سے ہی واک آؤٹ کر گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زنیرہ نے طنز سے سر جھٹک دیا۔

سمجھتی ہیں جیسے مجھے معلوم نہیں۔

عبداللہ

جی امی؟ فون کو وہ بار بار چیک کر رہا تھا۔یاسمین سے مزید برداشت نہیں ہوا تو بیٹے کو پکارہ۔

تم اتنے چُپ چُپ کیوں ہو؟وہ دونوں آپنے سامنے بیٹھے تھے۔عبداللہ سے پوچھا تو اس نے گہرہ سانس لے کر ماں کو دیکھا۔

کچھ گم گیا ہے۔ڈھونڈ رہا ہوں۔مل نہیں رہا۔

پریشان ہو؟

بہت زیادہ۔۔۔چہرہ جُھکا کر جیسے اس نے آنسوں کو بہنے سے روکا تھا۔

اتنے پریشان ہو تو نئی لے لو چیز۔

اگر نئی ملتی تو لے لیتا امی۔وہ نہیں ملتی کہیں سے۔بات ذو معنی تھی۔مگر وہ سمجھ نہیں پائی تھیں۔بس بیٹے کو دیکھتی رہیں۔

تمہیں کہاں سے ملی۔؟

پتہ نہیں(پھر سے فون اُٹھایا)

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا مطلب؟وہ چیز کا پوچھ رہی تھیں۔وہ اُنہیں نمرہ کا بتا رہا تھا۔

پتہ نہیں امی مجھے وہ کہاں سے مل گئی تھی۔۔بے تاثر چہرے کے ساتھ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔یاسمین تو بس بیٹے کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

اس کو کیا مسلہ ہے؟وہ سمجھنے سے قاصر تھیں جیسے۔

رات کے نو بج رہے تھے۔آسمان صاف اور ستاروں سے بھرا ہلکی ہوا میں خوش

کن احساس مل رہا تھا۔وہ اور زین چھت پہ بیٹھے تھے۔ان دونوں کے گرد موم بتیاں رکھی روشنی کر رہی تھیں۔اور سامنے میز پہ لیپ ٹوپ دھرا جس کے ساتھ بوفرز لگا رکھے تھے۔نئ فلم آئی تھی تو دونوں آ بیٹھے تھے۔مگر معلوم ہوتا تھا کہ دونوں کو ہی فلحال فلم میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

زخم نہ تو خوبصورت ہوتے ہیں اور نہ جادو سے ایک دم بھر جاتے ہیں۔زخمون کے بھرنے کا عرصہ اور سارا عمل بہت تکلیف دے ہوتا ہے۔اپنی ذات کو آزادی سے اس ساری تکلیف سے گزرنے دو۔بلاوجہ ظاہر مت کرو کہ تم ٹھیک ہو۔اس سے تمھیں ہی تکلیف ہو گی۔تمہارے لئے ہی مشکلات بڑھیں گی۔چھت پہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔زمین پہ رگ بیچھا تھا۔اور اس کے دائیں بائیں جانب زین نے بہت ساری موم بتیاں جلا رکھی تھیں۔اس نے فلک سے کہا تھا۔وہ اور فلک مل کر فلم دیکھتے ہیں۔چونکہ فلک امی سُلطان سے ملی تھی۔اور خاصی غمگیں تھی۔اسی لئے فوراً مان گئی۔لیکن اصل میں وہ دونوں فلم دیکھ اب کم اور سوچ زیادہ رہے تھے۔زین نے فلک کے سامنے بھاپ اُڑاتے گرم گرم پیزا کو رکھتے کہا تو فلک چونک کر اس کو دیکھنے لگی تھی۔

وہ بس بولتا رہا۔

تم جتنا ظاہر کرو گی تم ٹھیک ہو۔ارد گرد کے لوگ تمھیں اتنا نظر انداز کریں گے۔گلاس کولڈنک سے بھر کر اس کے سامنے رکھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsanay|Articles|Books|Poetry|Interviews

تو کیا اونچی اونچی چیخوں۔۔۔شور مچاؤں کہ میرے ساتھ ظلم ہوا ہے۔زیادتی ہوئی ہے۔وہ جیسے اس کی بات کا بُرا مان گئ تھی۔زین بہم سا مسکرایا۔

چیخو مت۔۔۔مگر ایک بار رو کر تو دیکھو۔۔۔کسی اپنے کے سامنے آنسو بہا کر دیکھو۔تاکہ سب کو پتہ تو چلے کہ تمہیں بھی تکلیف ہوتی ہے۔اپنا گلاس بھی بھرا اور فلک کو دیکھنے لگا۔فلک نے اب کی بار خاموشی سے بس آسمان کو دیکھا تھا۔

تم جانتے ہو۔سب سے زیادہ تکلیف کب ہوتی ہے؟پوچھتے اس کی نظر آسمان پہ کچھ تلاش کر رہی تھی۔زین نے اسے دیکھا۔وہ سفید ڈھیلی سی ٹی شرٹ میں غلابی کھولے سے ٹراؤزرز میں گلے کے گرد سکارف لپیٹے۔وہ بہت ہلکے پُھلکے انداز میں بیٹھی تھی۔اور بالوں کا اس نے اُنچا جوڑا بنا رکھا تھا۔زین اس کے حولئے پہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

کہ جب ہم شدید تکلیف میں ہوتے ہیں۔اذیت کے لمبے سفر پہ ہوتے ہیں۔اور جن پہ آپ کو یقین ہوتا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ہوں گے۔آپ کو تنہا چھوڑ دیں۔زین تب بہت تکلیف ہوتی ہے۔جب آپ کو لوگوں کی ضرورت ہو اور آپ مڑ کر دیکھو تو آپ کو اپنے علاوہ کچھ نظر نہ آئے۔کوئی آپ کے پاس نہ ہو۔۔۔وہ کہہ رہی تھی۔اور نظر متوتر آسمان پہ تھی۔اور نہ جانے کب آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے تھے۔زین بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا(اس نے کہا تھا وہ

(کسی اپنے کے سامنے روئے

فلک میں نے ایک بار رومی کا قول کہیں پڑھا تھا۔اور جانتی ہو اُنہوں نے کیا کہا تھا۔فلک اس کی بات سُننے کو اسے دیکھنے لگی۔زین اور فلک دونوں کے چہرے آمنے سامنے تھے۔فلک خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔جبکہ وہ کہہ رہا تھا۔

رومی نے کہا تھا۔کہ جو رستہ آپ کا ہوتا ہے۔۔۔وہ صرف آپ کا ہوتا ہے۔دوسرے آپ کے ساتھ چل سکتے ہیں۔مگر آپ کے لئے نہیں چل سکتے۔۔۔یا یوں کہوں کہ آپ کی جگہ نہیں چل سکتے۔

تو زین وہ میرے ساتھ ہی چل لیتے۔اُنہوں نے تو مجھے اخلاقی طور پر بھی سہارا دینا پسند نہیں کیا۔آنسو نکل کر اس کے گلے میں لپٹے سکارف میں جزب ہو رہے تھے۔زین نے گہرہ سانس لیا۔اور پیزا کا سلائس اپنی پلیٹ میں رکھا۔

اگر تم واپس جانا چاہتی ہو تو شکوے ختم کر دو۔نظر جُھکی پلیٹ کا طواف کر رہی تھی۔فلک نے چونک کر اسے دیکھا۔(اس نے مال میں کیا کہا تھا کیا وہ بھول رہا تھا)

تم۔۔۔؟اس نے کچھ کہنا چاہا مگ پھر ہونٹ بھینچ لئے۔زین نے اسے دیکھا اور پھر سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

محبت نہیں ہے تم سے کہ تمہارے بغیر مر جاؤں گا۔فلک کو اس کا انداز عجیب

لگا۔

اوہ۔۔۔اچھی۔۔۔(وہ شرمندہ سی ہو گئی)

اچھی بات ہے۔۔۔سر اثبات میں ہلایا۔جیسے اسے سراہا۔اور پیزا سلائس اُٹھا کر کھانے لگی۔زین نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔اور چہرہ واپس جُھکا لیا۔وہ اس کے کتنے پاس تھی۔مگر اتنی ہی دور۔وہ اتنی ہی لاپروا تھی۔یا۔۔بس بن رہی تھی۔زین کو افسوس ہوا۔

تم۔۔۔

کھا کیوں نہیں۔۔۔رہے؟اس کی جانب دیکھنے سے عتراض برتا۔زین نے ایک دم سے کچھ سوچ کر سر اُٹھایا۔اور اپنے اور فلک کے بیچ سے پیزا کا ڈبہ اُٹھا کر سائڈ کیا۔اپنی اور اس کی پلیٹ سائڈ پہ کی۔اور فلک کا بائیاں ہاتھ پکڑ لیا(دائیں میں پیزا سلائس تھا۔اور وہ منہ کے پاس تھا۔)فلک کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔

تم میری ایک بات مانو گی؟فلک کی حیرت سے پھٹی آنکھوں میں جھانکا۔فلک نے پیزا سلائس واپس بائیں جانب پڑی پلیٹ میں رکھ دیا۔

میں رومینس نہیں جھاڑ رہا۔مجھے یقین ہے تم یہ نہیں سوچو گی۔لیکن۔۔۔گہرہ سانس لیا۔

اگر میں تم سے ایک درخواست کروں تو۔۔۔تو کیا۔۔۔تم مانو گی؟فلک بس اسے

دیکھتی رہی۔آنکھوں میں کوئی تاثر نہ چہرے پہ کوئی رنگ۔

مجھ پہ ایک بار بھروسہ کرو گی؟

ایک بار مجھے موقع دو۔جس یقین کے ساتھ تم نے سب کے بیچ کھڑے ہو کر کہا تھا۔کہ زین کا نکاح تمہارے ساتھ ہواہے۔اسی یقین سے فلک ایک بار میرے ساتھ چل کے دیکھو۔زین کی آنکھوں میں کچھ تاثر تھا۔کچھ عجیب سا۔۔۔جیسے جیسے وہ پریشان ہو، بے یقین ہویا جیسے۔۔۔جیسے وہ کسی خود ساختہ اذیت میں مبتلا ہو۔(کیا یہ سب دادا کے کہنے پہ وہ کر رہا تھا؟

تم۔۔۔۔وہ ہنسی۔۔۔کھوکھلی ہنسی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم مزاق کر رہے ہو ناں۔اپنا ہاتھ اس کی ہتھیلی سے نکالنا چاہا۔زین نے سر جھٹکا۔مگر ہاتھ کی گرفت مزید سخت کردی۔

مزاق نہیں ہے یہ۔وہ مدھم سا بولا۔نظر اس کی کلائی پہ تھی۔

میں تم سے صرف ایک وعدہ کرناچاہتا ہوں۔اگر تم مجھ پہ بھروسہ کرو۔کہتے چہرہ واپس اُٹھایا۔اور فلک کے چہرے کو دیکھا۔

اور تم جانتی ہو۔کہ میں وعدہ کرکے پورا کرنا جانتا ہوں۔

میں وہ پہلا اور آخری شخص تھا۔جس پہ تم نے اپنے بھرے خاندان کے ہوتے بھروسہ کیا۔

میں نے تم پہ آنکھیں بند کرکے یقین کیا۔اور میں وعدہ کرتا ہوں۔میں ہی وہ پہلا شخص رہوں گا جو تم پہ اعتبار کرے گا۔تم کبھی مجھ پہ بھروسہ کرکے پچھتاؤ گی نہیں۔۔۔بس آزمائش شرط ہے۔اس کے ہاتھ کو ہلکی سے دبایا۔فلک کی آنکھوں میں پھر کوئی تاثر نہیں اُبھرا۔اس نے نرمی سے زین کے ہاتھ سے اپنی کلائی نکالنی چاہی۔زین نے اس کی جُھکی آنکھوں کو دیکھا۔اس کا دل لمحے کو ڈوب کر اُبھرا تھا۔کہیں اس کے سامنے اپنے آپ کو کھول کر کوئی بےوقوفی تو نہیں کردی۔

زین کے ہاتھ سے اس نے اپنی کلائی آزاد کروائی۔اور پھر پُھرتی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔زین نے چہرہ اُٹھا کر اسے دیکھا۔وہ رُخ موڑ گئی۔

میں۔۔۔جاتی ہوں مجھے سونا ہے۔جواب دے کر وہ تیزی سے نیچے کی طرف بھاگ گئی تھی۔زین نے ایک نظر اپنی خالی ہتھیلی کو دیکھا۔اور پھر مُٹھی بھینچ لی۔

کچھ دیر قبل جو ایک تاثر چہرے پہ اب اُبھرا تھا۔اب اس کی جگہ شرمندگی نے لے لی تھی۔اسے دُکھ ہوا۔

اسے اس کے سامنے سب کچھ نہیں کھولنا چاہئے تھے۔وہ اس کے جزبات کا مزاق بنا کر چلی گئی۔اسے شدید شرمندگی ہوئی تھی۔وہ بس ہونٹ بھینچ کر وہیں دراض ہو گیا۔

وہ سیڑھیاں بھاگتی اُتری اور سانس آکر کمرے میں لیا تھا۔

اس نے کمرے میں آتے ہی دروازہ بند کیا۔اور پھر پُھرتی سے پاؤں سے سلیپرز نکالے۔بیڈ پہ لیٹی اور تیزی سے سر سے پاؤں تک لحاف تان لیا۔

دھوکنی کی طرح چلتے سانس کو اس نے آنکھیں بند کرکے سنبھالنے کی کوشش کی۔اور ہاتھوں کی کپکپی کو خود سے ہی چھپانے کے لئے۔اس نے دونوں ہاتھوں کو تکئے کے نیچے رکھ لیا تھا۔

وہ چند پل خود کو لیٹے لیٹے پُرسکون کرتی رہی۔اور اس کے الفاظ کو ذہن سے جھٹکتی رہی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین۔۔۔اور اس کی آنکھیں دونوں اس وقت فلک کو بہت کچھ کہتی نظر آ رہی تھیں۔مگر وہ ان کی ہر زبان کاٹ کر بھاگ آئی۔

وہ ہمیشہ صورتحال سے بھاگ آتی تھی۔ہمیشہ ہر معملے میں شانے اُچکا دیتی تھی۔اور جان چُھڑا لیتی تھی۔اور اب اپنی اسی لاپروائی کا نتیجہ تھا کہ اپنے گھر والوں سے مل نہیں پا رہی تھی۔اسے احساس تھا۔اس نے غلط کیا۔لیکن وہ زین کے ساتھ رشتہ رکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔اسے وہ نہیں چاہئے تھا۔

بانو قدسیہ کہتی ہیں۔ہم ان لوگوں کی طرف بہت کم دھیان دیتے ہیں۔جو ہم سے محبت کرتے ہیں۔اور ایسا ہی تھا۔اس نے حنان کی طرف کب دھیان دیا

تھا۔جبکہ وہ ہمیشہ سے حنان کے دل کی بات سے آگاہ تھی۔فلک کو زین کا بھی عتراف گھبرانے پہ مجبور کر سکتا تھا۔مگر اگر وہ اپنے اور اس کے رشتے کے بارے میں لمحے کو بھی سوچتی تو اس کا جواب انکار تھا۔اسے زین نہیں چاہیے تھا۔اسے حویلی جانا تھا۔اور اس کی ذات کے دائرے محض حویلی والوں کے گرد گھومتے تھے۔

یا پھر شائد وہ زین کے ساتھ رشتے رکھنے سے گھبراتی تھی۔وہ ڈرتی تھی۔کہ زین سے رشتہ رکھنا۔اسے اپنے خاندان کی نظروں میں گرا دے گا۔اور اب اسے گرنے سےخوف آنے لگا تھا۔وہ فیصلہ کر چکی تھی۔کہ اگر اسے اپنی اچھائی دیکھانے کے لئے۔سب کچھ سچ سچ گھر والوں کو بتانا بھی پڑا تو وہ بتا دے گی۔کیونکہ سچ یہ تھاکہ وہ جتنا بھی کسی کے ساتھ بھلا کرکے تکلیف سیہہ لیتی۔وہ اپنی ماں اور باپ کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔

فلک جس وقت آنکھیں بند کرکے زین کی باتوں کو ذیہن سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔عین اسی وقت زین چھت پہ چت لیٹا کسی سے اپنے فون پہ بات کر رہا تھا۔

اس نے فون پہ ایک نمبر ڈائل کیا۔اور فون کان سے لگایا۔

کال کچھ ہی دیر بعد دوسری جانب سے اُٹھا لی گئی۔

السلامُ علیکم ممی۔۔۔بولنے کے ساتھ ہی اس کے لیجے میں اُداسی گھل گئی۔

وہ جب سے پاکستان آیا تھا۔بہت کم اپنی ماں سے بات کر پاتا تھا۔ویسے بھی اس کی دوستی اپنے دادا سے تھی۔

وعلیکم زین۔۔۔کیسے ہو میرے بچے۔امریکی لہجے میں بولی گئی اُردو نےاسے ہلکا سا مسکرانے پہ مجبور ر دیا تھا۔

کیا کر رہی تھیں آپ؟

کچھ نہیں۔وہ ہلکا سا مسکرائیں۔

اچھا۔۔۔ممی

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہمم؟

آپ اور بابا دادا کے ساتھ ایک دو دن میں پاکستان آ جائیں۔میں اسی ہفتے ولیمہ کرنا چاہتا ہوں۔اس کا ایک ہاتھ اپنے سر کے نیچے تھا۔دوسرے سے اس نے فون کان سے لگا رکھا تھا۔جبکہ اس کی نظریں آسمان پہ تھیں۔

تو آخر تمہیں بھی یاد آ گیا کہ تمہیں اپنی ماں کو بھی نکاح کا بتانا ہے۔

میں جانتا تھا۔دادا نے آپ کو اور بابا کو بتا دیا ہو گا۔اس لئے میرے بتانے یا نہ بتانے سے ظاہر ہے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔

بیٹا جی بات اہمیت کی ہوتی ہے۔

اوکے سوری۔۔۔بس میں اس رشتے کے بارے کچھ وقت خود کو دینا چاہ رہا تھا۔اور۔۔۔۔

تو اب تم مطمئن ہو؟

ہاااا۔اس نے جواب میں گہرہ سانس لیا تھا۔

(جی۔۔۔میں اب۔۔۔مطمئن ہوں(وہ نہیں تھا

میں تو فلک سے ایک بار بھی نہیں ملی زین۔۔اب تم مجھے ویسے۔۔۔

وہ کوئی بڑا مسلہ نہیں ہے۔وہ اچھی ہے۔آپ کو وہ اچھی لگے گی۔بس آپ اور بابا دادا کے ساتھ آنے کی کوشش کریں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہمم۔۔میں کرتی ہوں تمہارے بابا سے بات۔ممی کی عادت تھی۔وہ کسی سے بھی زیادہ بحث نہیں کرتی تھیں۔بات کو جلدی سمجھ جاتی تھیں۔اُنہیں زین کے نکاح کے بارے جب علم ہوا تو وہ کچھ حیران ہوئی تھیں۔لیکن پھر فلک کے بارے میں دادا سے سُن کر اور چونکہ وہ بچپن میں ان سے مل چکی تھی۔تو اُنہیں کوئی عتراض نہیں ہوا تھا۔دادا نے اس کے ماں باپ کو ویسے بھی ساری صورتِحال کے بارے میں بتا دیا تھا۔تو اُنہیں اپنے بیٹے پہ فخر ہوا تھا۔

چلو ابھی رکھو۔۔۔مجھے اپنی ایک میٹنگ کے لئے نکلنا ہے۔مختصر بات کا اختتام زیادہ تر ایسا ہی ہوا کرتا تھا۔

اس کے لئے اگر کوئی ہر وقت موجود رہتے تھے۔تو وہ اس کے دادا تھے۔وہ جب اُنہیں کال کرتا وہ کال فوراً اُٹھاتے گھنٹے سے پہلے کال نہ کاٹتے۔اس کے ہر معملے میں دلچسپی دیکھاتے تھے۔وہ اس کی زندگی میں سب سے بہترین رشتہ تھے۔جیسے فلک کے گرد حویلی والے گھومتے تھے۔ویسے ہی زین کے گرد دادا کا دائرہ تھا۔وہ اس دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

فلک نے فجر پڑھ کر جائے نماز ابھی لپیٹا ہی تھا۔جب اس کے موبائل کی بیل بجی تھی۔اس نے بیڈ پہ اُندھے پڑے موبائل کو دیکھا۔اور سفید دوپٹے سے جھانکتے خوبصورت چہرے پہ بائیاں ہاتھ پھیرا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس نے آگے بڑھ کر جب موبائل اُٹھایا تو دوسری بار پھر سے کال آنے لگی۔

آنے والی کال زنیرہ کی تھی۔فلک نے تعجب سے گھڑی پہ وقت دیکھا۔

اتنی صبح۔۔۔اسے اس وقت کی کالز ہمیشہ ڈرا دیا کرتی تھیں۔

بے وقت کی کالز اچھا خبریں نہیں لاتیں۔وہ گھبرائی۔

السلامُ علیکم۔۔۔۔

وعلیکم السلام فلک۔۔۔۔

تم اس وقت حویلی آ سکتی ہو؟

کیوں؟زنیرہ کی تیزی سے کہی گئی بات نے فلک کو خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔وہ بھاگتی باہر کی جانب نکلی۔

بتاؤ کیوں آؤں ابھی؟

امی بابا ٹھیک ہیں؟پیارے کے کھو جانے کا پہلا خوف اس کے اندر اُٹھا تو اسے لگا اس کی جان نکل گئی۔

بھلا خوف جانے والوں کو روک سکتا ہے۔ہم ہی اپنے خوف سے ڈر کر خود کو حوصلے دیتے ہیں۔کہ ہم سے منسلک لوگوں کو کبھی کچھ نہیں ہوگا۔لیکن اصل میں جب وہ جاتے ہیں ناں۔تب ہمیں پتہ لگتا ہے۔کہ ہم نے اپنوں کو کھو دینے کا خوف اپنے اندر ہی کہیں نیچے چُھپا لیا تھا۔اور خود کو یہ دلاسہ اتنی بار دیا تھا۔کہ ان کو کبھی کچھ نہیں ہوگا۔اور پھر ہمیں اسی دلاسے پہ یقین رہ گیا۔اور حقیقت بھول گئی۔میں نے یہ تکلیف محسوس کی ہے۔اس لئے جانتی ہوں۔کہ یہ دلاسہ بہت جھوٹا اور تکلیف دے ہے۔

اس کے بابا کو مائنر ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔اور ہوا بھی رات بارہ بجے کے بعد۔اُنہیں فوراً ہسپتال لے جایا گیا۔ڈاکٹرز نے فوراً ٹریٹمنٹ بھی دیا مگر پھر چھ گھنٹوں بعد ہی واپس گھر بھیج دیا تھا۔اور اب زنیرہ دن چڑھنے سے بھی قبل اسے بتا رہی تھی۔

فلک نے جس وقت کال کاٹی وہ زین کے کمرے میں کھڑی تھی۔اور زین

ٹریک سوٹ میں حیرت سے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

کیا ہوا؟فلک کی آنکھوں میں خوف تھا۔اور ہونٹ ضبط سے کامپ رہے تھے۔زین نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے بیڈ پہ بیٹھایا۔اور نرمی سے اس کے ٹرانس میں جاتے وجود کو دیکھ کر نرمی سے پوچھا۔

اس نے خاموشی سے زین کو دیکھا۔اور کچھ بھی کہے بغیر ہاتوں کو گھٹنوں میں چُھپا کر سر زین کے کندھے پہ رکھ دیا۔

اس کے ہاتھ کامپ رہے تھے۔اور وہ اُنہیں خود سے چُھپا رہی تھی۔

زین نے حیرت سے فلک کو دیکھا تھا۔وہ جانتا تھا وہ اس وقت ڈری ہے۔لیکن وہ کیوں ڈری ہے۔وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

فلک تم ڈر رہی ہو؟اس کے سر کو اس نے نرمی سے تھپکا تھا۔

منظر سے ہمیشہ بھاگنے والی اب پھر سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔

فلک سب ٹھیک ہے؟پہلے سوال کے جواب میں خاموشی پا کر اس نے ایک اور سوال داغ دیا۔فلک بس اپنی آنکھوں کو زین کے کندھے سے ڈھکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

فلک اگر بتاؤ گی نہیں تو پتہ کیسے لگے گا۔اس کو کندھے سے پکڑ کر الگ کرتے اب کی بار نرمی سے اس سے پوچھا۔وہ دیکھ سکتا تھا۔آنکھوں کی سرخی بڑھ رہی

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھی۔اور وہ ہر ممکن کوشش کرکے خود کو رونے سے روک رہی تھی۔

میرے بابا۔۔۔یہ الفاظ ایسے تھے جیسے کسی نے آگ کے سمندر سے تیر کر گزرنے کا حکم دیا۔اور سوچ کر بات کرکے بھی تکلیف ہو۔

کیا ہوا انکل سُلطان کو؟

وہ۔۔۔وہ۔۔۔۔

مجھے گھر جانا ہے۔۔۔۔مجھے لے جاؤ پلیز۔۔۔اس کی بات کا جواب دینے سے قبل ہی وہ ایک دم سے چہرے کے سامنے ہاتھ رکھ کر رونے بلکنے لگی تھی۔اس نے اپنی آنکھوں کو ڈھک لیا تھا۔مگر زین جانتا تھا وہ رونے لگی ہے۔اس سے کہا بھی نہیں جارہا تھا کہ اس کے بابا کو دل کی تکلیف ہوئی ہے۔زین نے اسے ایک دم سے روتے دیکھا تو کچھ بھی پوچھے بغیر صرف اس کا ہاتھ پکڑا۔سائڈ ٹیبل سے چابی اُٹھائی۔اور باہر کی جانب چل دیا۔

سورج طلوع ہونے کو تھا۔جس وقت ان دونوں نے حویلی میں قدم رکھے۔

زین نے فلک کے گرد بازو لپیٹ رکھا تھا۔اور اس نے ایک ہاتھ سے زین کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

باغیچے سے گزرتے ان کا سامنے سب سے پہلے حنان سے ہوا تھا۔

حنان سفید ملگجے سے کپڑوں میں تھا۔ان دونوں کو دیکھا تو اس کے ماتھے پہ بل اُبھرے تھے۔اور سب سے پہلی نظر ہی اس کی زین اور فلک کے ہاتھوں پہ گئی۔مگر جو جلتے ہیں۔وہ صرف جل ہی سکتے ہیں۔

وہ دونوں کسی خواب کی طرح اس کے پاس سے گزر گئے تھے۔اور وہ بس ان دونوں کو دیکھتا رہ گیا۔

زین اور فلک نے پاؤں دلان میں رکھے۔تو جیسے رات بھر جاگے حویلی کے افراد کی آنکھیں ایک دم سے کھل گئیں۔

مرد عورتیں صوفوں پہ بیٹھے تھے۔زین اور فلک دلان کے بیچو بیچ۔

امی۔۔۔زہرہ اس کی جانب ایک قدم بڑھیں۔تو فلک نے باقی سارا فاصلہ خود ہی پار کر لیا۔اس نے ان کے کندھے کے ساتھ لگے۔بہت سارے خاموش آنسو۔ان کی چادر میں چھپا دئے۔جبکہ حویلی والے بس ہونک بنے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

اسلامُ علیکم۔۔۔زین نے سب کو متوجہ پایا تو مروتاً سلام کیا۔اور پھر ساتھ قدم فلک اور آنٹی زہرہ کی جانب بڑھا دئے۔

فک۔۔۔انکل سے ملو۔وہ ٹھیک ہیں۔نرمی سے زہرہ آنٹی سےاسے الگ کیا تھا۔یہ حق جتانے کا بڑا خاص انداز تھا۔وہاں سب نے محسوس کیا تھا۔اور سہی محسوس تو آپی سدرہ نے کیا۔ان کے تو جیسے پہلو میں آگ لگ گئی۔مگر چونکہ صورتحال

نہیں تھی تو خاموش ہی رہیں۔

آنٹی آپ پلیز آرام کریں۔میرے خیال میں آپ کئی گھنٹوں سے سوئی نہیں ہیں۔زہرہ سلطان سے جس قدر نرمی اور فکر سے بات کی وہاں موجود افراد بس دیکھتے رہے۔

بیٹا میں ٹھیک ہوں۔

فلک جاؤ تم اور زین اوپر بابا سے مل لو۔

وہ ٹھیک ہیں۔ان کے سامنے رونا مت ورنہ پریشان ہوں گے۔فلک کے گال کو نرمی سے سہلاتے اُنھوں نے کہا۔تو فلک نے نم آنکھوں سے گھبرا کر اُنہیں اور پھر زین کو دیکھا تھا۔زین نے آنکھوں سے ہلکی سی جمبش دی۔اور فلک کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ اب اپنا وعدہ نبھا رہا تھا۔وہ اس کی سائڈ پہ تھا۔وہ ہمیشہ اس کے ساتھ تھا۔اس نے کہا تھا۔اور اب یہی وہ اسے سب کے سامنے کرکے دیکھا رہا تھا۔

سارے خاندان کے سامنے جس عتماد کے ساتھ اس نے فلک کا ہاتھ پکڑا تھا۔وہاں سب نے پہلو بدلے تھا۔

یعنی وہ ان کے بغیر بھی خوش تھی۔اس کی زندگی اچھی گزر رہی تھی۔اگر اسے کسی کی پروا تھی تو صرف اپنے ماں باپ کی۔یہ سب لکھا اُنہیں نظر آ رہا

تھا۔سب نے ہی پہلو بدلا تھا۔

مردوں کے سہارے بعض جگہوں پہ بہت ضروری ہوتے ہیں۔اور یہ سہارے خاص طور پر عورت کو کمزور لمحوں میں چاہیے ہوتے ہیں۔تکلیف دے لمحوں میں چاہئے ہوتے ہیں۔

اس نے فلک کا ساتھ کمزور لمحوں میں بھی دیا تھا۔اور تکلیف دے لمحوں میں بھی۔

اس نے اس سے کِک بھی کھائی تھی۔اور اس کے طنز بھی سُنے۔

بابا نے تم دونوں کو خود بلایا ہے۔وہ گھبرا کر کبھی ماں اور کبھی زین کو دیکھ رہی تھی۔شش وپنج میں تھی۔اُنہوں نے نرمی سے فلک کا کندھا تھپکا تو فلک کی جیسے جان میں جان آئی تھی۔اس نے ایک نظر زین کو دیکھا۔اور اس کے ہاتھوں پہ گرفت مظبوط کرتے قدم آگے بڑھا دئے۔

جو لوگ اس کے لئے اہم تھے۔وہ سب اس کے ساتھ تھے۔اسے اب کسی نام کے جھوٹے نقلی رشتے نہیں چاہئے تھے۔

فلک اور زین کی زندگی کا یہ موڑ عجیب تھا۔

اب ان دونوں کو ایک دوسرے کے لئے فیصلہ خود کرنا تھا۔

تم اگر ان کے سامنے روئی۔تو انکل پریشان ہوں گے۔اس لئے پلیز رونا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Arsd|Articles|Books|Poetry|Interviews

مت۔دروازے کے سامنے کھڑے ہوتے اس نے نرمی سے کہا تو فلک نے آنکھوں کو بند کرکے کھولا تھا۔آنکھوں میں آنسو تو ابھی سے بھرنے لگے تھے۔

وہ تنہا راتوں میں بابا کے کندھے کے لئے کتنا روئی تھی۔اب وہ کندھا سامنے تھا۔تو رونا ہی آنا تھا۔

ان دونوں نے آہستہ سے قدم کمرے میں رکھے۔

کمرے میں نیم تاریکی تھی۔کھڑکیوں کے سامنے پردے گرے تھے۔اور زیرو پاور کے بلب کی روشنی میں وہ دیکھ سکتے تھے۔کہ ایک وجود بیڈ بورڈ سے پُشت ٹکائے دراض ہے۔جس کا سارا وجود لحاف میں ڈھکا تھا۔ایک سوائے ہاتھوں اور چہرے کے۔فلک کی نظر بابا پہ پڑی تو گویا۔زین سے کیا وعدہ اسے بھول گیا۔آنکھوں میں آنسو ایسے بھرنے لگے جیسے صدیوں کی پیاسی کو پانی مل گیا ہو۔اس نے زین کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالا اور بھاری ہوتے قدم ان کی جانب اُٹھائے۔

بابا۔۔۔اس کے ہونٹ جمبش کرہے تھے۔مگر آواز جیسے گلے سے نکلنے سے انکاری تھی۔

وہ خاموشی سے روتی بابا کے قریب بیڈ پہ بیٹھ گئ۔اور ان کے بائیں ہاتھ کو نرمی سے تھام لیا۔

زین وھیں سینے پہ بازو لپیٹ کر کھڑا تھا۔

بابا۔۔۔ہلکی بھیگی آواز میں اس نے سُلطان بہزاد کا ہاتھ دبایا تھا۔

بب۔۔۔بابا کیسے ہیں آپ؟پوچھنے کے ساتھ ہی اس نے ان کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگالیا تھا۔

فلک؟

جی بابا فلک۔۔۔اس نے ایک ہی پُکار پہ جیسے لبیک کہا تھا۔

روشنی تو جلاؤ۔مجھے تم نظر نہیں آ رہی۔ان کے لہجے میں بھی نمی گھُلنے لگی تھی۔زین نے آگے بڑھ کر بلب کا بٹن گرا دیا۔

فلک؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میری بیٹی۔۔۔اس کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ لیتے وہ جیسے خود کو رونے سے باز رکھ رہے تھے۔دوسری طرف فلک کوشش بھی کر ہی تھی تو خود کو روک نہیں پا رہی تھی۔اس نے مزید کچھ بھی کہنے کی بجائے سر بابا کے سینے پہ نرمی سے رکھ دیا۔

میری گڑیا۔۔۔اس کی پُشت کو نرمی سے سہلاتے ان کے لہجے میں کمزوری تھی۔

وہ بار بار آنکھوں سے نمی اندر دھکیل رہے تھے۔

بابا۔۔۔میں نے ہر قصور ، ہر گناہ کی سزا کاٹ لی۔بابا اب معاف کر دیں۔ان کے سینے سے لگے۔اس نے روتے ہوئے کہا تو وہ بھی جیسے اس کے ان الفاظ

پہ خود کو روک نہیں پائے۔اور پھر زین نے دیکھا کے کیسے باپ اور بیٹی گلے لگ کر روئے تھے۔

میری بیٹی بہت اچھی ہے۔اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔

میری بیٹی بہت اچھی اور نیک ہے۔روتے فلک کے سر کو تھپکتے اُنہوں نے کہا تو فلک کے رونے میں مزید شدت آ گئی تھی۔

نہیں بابا۔۔۔

میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔میں نے غلط کیا۔

میں نے تمہیں کہا تھا جانے کو۔تم تو معصوم دل کی پری ہو۔

آپ۔۔۔؟ان کے انداز پہ فلک نے اُلجھ کر نم آنکھوں سے اُنہیں دیکھا تھا۔

میں سب جانتا ہوں فلک۔

کک۔۔۔کیسے؟نئے سرے سے آنکھیں بھرنے لگیں۔زین نے گہرہ سانس لیا تھا۔

تم نے نہیں بتایا۔لیکن وقت نے مجھے سب دیکھا دیا۔اور جب سچ پتہ چلا۔تو دیکھو کیا حال ہو گیا۔بابا اپنی بیٹی کے بغیر بہت روئے ہیں۔اس کے سر کو تھپکتے ان کے لہجے میں زخم ہی زخم تھے۔فلک نے ایک بار پھر سے سر ان کے کندھے سے ٹکا لیا۔

فلک اپنے بابا کو اب کبھی رونے نہیں دے گی۔

سیاہ بادل تو جیسے لمحوں میں چھٹ گئے تھے۔اور اس سب میں اگر کسی کا نقصان ہوا تو وہ صرف زین تھا۔

اسے کیوں سب سہنا پڑا؟۔وہ کس سے پوچھتا۔

فلک انکل کو آرام کرنے دو۔وہ ابھی ہسپتال سے آئیں ہیں۔کچھ نہ کہتا تو شائد دونوں باپ بیٹی اسے بھول جاتے۔اب بولا تو دونوں ہی اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

اسلام علیکم انکل۔۔۔سلطان بہزاد اس کی جانب متوجہ ہوئے تو اس نے مسکرا کر سلام کیا تھا۔۔ساتھ ہی روعب سے چلتا ان کے دائیں جانب آ گیا۔

تم نے مجھ پہ بہت احسان کیا ہے زین۔وہ ان کے پاس بیٹھ کر ان کی پُشت سے تکیہ درست کر رہا تھا۔اُنھوں نے احسان مندی سے کہا تو زین ہلکے سے مسکرایا تھا۔

انکل آپ کو زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

آپ نے کچھ کھایا؟ان کا تکیہ درست کرکے وہیں ذرا فاصلے کی کرسی پہ بیٹھتے اب کی بار اس نے نرمی سے پوچھا۔تو وہ بغور اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔

تم وہاں مت بیٹھو۔میرے دائیں بازو ہو۔میرے ساتھ بیٹھو۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ان کی بیٹی اس شخص کے سہارے رہی تھی۔جس نے سارے خاندان کے سامنے ان کی بیٹی پہ چادر ڈالی۔وہ اس کے شُکرگزار تھے۔زین نے فلک کو اور فلک نے زین کو دیکھا تھا۔

مگر پھر کچھ بھی خاص اظہار کئے بغیر وہ خاموشی سے اُٹھا اور ان کے برابر بیٹھ گیا۔

انکل۔۔۔وقت کا کام گزرنا ہے گزر گیا۔آپ اب سُکون کریں۔اور ہمارے لئے دعا کریں۔

آپ اپنی آنکھوں سے اپنے بچوں کو پھلتے پھولتے دیکھیں گے۔اس کے ہونٹ ہلکے سے مسکرائے تھے۔جواب میں اُنہوں نے بھی مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔جبکہ فلک نے سر واپس ان کے سینے پہ رکھ لیا تھا۔

مجھے تم سے ایسی بےوقوفی کی ہر گز اُمید نہیں تھی۔سدرہ آپی کو سامنے کھڑا دیکھ کر زنیرہ نے ناک چڑھائی اور ساتھ ہی صوفے پہ پہلو بدلا تھا۔

خیر چور کی داڑھی میں تنکا۔میں نے جو بھی کہا تھا سچ کہا تھا۔تم دونوں کے کالے کرتوت اگر کھولے تو اس میں مجھے شرمندہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔شرمندہ ہونا تو تم دونوں کو چاہئے۔بے پروائی سے شانے اُچکا کر اس نے جیسے جان چُھڑائی تھی۔آپی سدرہ کے ماتھے پہ مزید بل اُبھرے۔

تمھیں پتہ ہے چھوٹے ابا کی حالت ایسی کیوں ہے؟

ظاہر ہے۔تم لوگوں کی حقیقت سُن کر۔

حقیقیت ؟ کونسی حقیقت بی بی۔ہمارے سر مت چڑھو۔میں نے تم سے لاکھ بار کہا ہے۔زبان کم چلایا کرو۔اور کام سے کام رکھا کرو۔زنیرہ کی باغی تعبیت کے سامنے آپی سدرہ کی ایک نہ چل رہی تھی۔اس کے سامنے کھڑیں وہ اسے کہہ رہی تھیں۔کہ اپنی غلطی مان لے کہ اسنے جو بھی تارا کے بارے میں کہا سب غلط فہمی تھی۔مگر زنیرہ کا پھر بھی یہی کہنا تھا کہ اسے یقین ہے کہ ساری غلطی آپی سدرہ اور مہرین تارا کی ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپی آپ لوگ جا کر ابا سُلطان سے معافی کیوں نہیں مانگ لیتیں۔وہ ہم سے اتنا پیار کرتے ہیں۔ہمیں ان کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ویسے بھی مجھے میرے ناولز نے سیکھایا ہے۔کہ جو لوگ دوسروں کی زندگی میں مشکلیں پیدا کرتے ہیں۔وہ خود بھی کبھی خوش نہیں رہتے۔

بکواس بند رکھو زنیرہ۔اور آئندہ میرے سامنے اپنے ناولوں کا نام لیا۔تو پھاڑ کر پھینک دوں گی۔اُٹھو اور شکل گُم کرو اپنی۔انگلی کے ساتھ اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔تو زنیرہ کے ماتھے پہ بھی بل اُبھرے تھے۔فوراً صوفے سے اُٹھ کر کھڑی ہوئی۔

آپ لوگوں کو بس اپنے گناہوں پہ پردا ڈالنے کے لئے دوسروں پہ چیخنا آتا

ہے۔

میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔۔یا کھائی میں۔اتنا کہہ کر وہ تن فن کرتی وہاں سے چلی گئی تھی۔جبکہ آپی سدرہ نے اسے جاتے دیکھ کر غصے سے پاؤں پٹخے تھے۔

آپ لوگوں کو مار کر صرف ان کی زبان خاموش کروا سکتے ہو۔گناہ کبھی چھپتے نہیں ہے۔چاہئے کیھنے والا کوئی نہ ہو نظر سب ہی کو آ جاتا ہے۔

دو منٹ میں میرے کمرے میں پہنچو۔فون کان سے لگائے۔وہ تارا سے مخاطب تھیں۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیوں کیا ہوا؟

ابا سُلطان کو سچ کا پتہ چل گیا ہے۔آ کر اپنی قبر کی پیمائش کروا لو۔اس سے پہلے کے یہ کام بھی گھر والے کریں۔طنز سے کہہ کر اُنہوں نے کال کاٹ دی تھی۔دوسری جانب کا جواب سُننے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔

کیوں اُڑے ناں رنگ میڈم۔۔۔سینے پہ بازو لپیٹے وہ اس سے مخاطب تھیں۔جبکہ تارا ان کے سامنے صوفے پہ بیٹھی خاموشی سے اپنا پاؤں کا انگوٹھا دیکھ رہی تھی۔

آپی اس سب کے بعد مجھے آزادی مل جائے گی؟اس نے بولنے کے ساتھ چہرہ نہیں اُٹھایا تھا۔آپی سدرہ کے ماتھے پہ بل اُبھرے۔وہ فوراً اس کے سامنے دو زانے ہوئیں۔اور ہاتھ سے پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کیا۔

تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟

یہی کہ عدالتی کاروائی کے اختتام پہ میری رہائی پکی ہے ناں؟اس کی آنکھوں میں کوئی خوف نہیں تھا۔اس نے دلیری سے آپی کی آنکھوں میں دیکھتے کہا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئیں تھیں۔

تارا تم۔۔۔۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپی میں وہاں سے۔۔۔حنان سے۔۔سب سے بھاگنا چاہتی ہوں۔بتائیں

کیا یہ سب کرنے کے بعد مجھے حویلی والے جا لینے دیں گے؟

لیکن تم تو حنان سے محبت کرتی ہو۔اور تم ہی تو چاہتی تھی کہ تمہاری حنان سے شادی ہو۔وہ تو حیران تھیں۔وہ لڑکی تو اُنہیں حیران کر گئی تھی۔تارا جواب میں تلخی سے ہنس دی تھی۔

اپنی قسمت سے لڑ کر چھینا تھا آپی۔۔۔۔اختتام یہی ہونا تھا۔وہ جس کا تھا اسی کا رہا۔میرا وہ کب ہوا تھا۔اس کی آنکھوں میں ایک دم سے بہت سے آنسو تیرنے لگے۔آپی سدرہ بس اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

تم حنان کے ساتھ خوش نہیں ہو؟اُنہیں جیسے شک سا ہوا تھا۔اُنہیں لگا اُن کا وہم ہے۔

قیدی کو قید خانہ کب اچھا لگا ہے۔آنکھوں کو پوروں سے صاف کرتے۔اس کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔آپی سدرہ کے دل کو کچھ ہوا۔

تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟

کیا بتاتی؟

کیا یہ بتاتی کہ وہ مجھے ہر روز مارتا ہے؟

یا یہ کہ میں اس کے لئے صرف ایک قیدی ہوں۔؟یا اس کے کمرے کا کوئی شوپیس ہوں۔یہ بتاتی؟

اور پھر جب خود لڑ کر سب حاصل کیا تھا۔تو آپی شکوہ کیسا۔

میں تو سُن کر حیران ہو رہی ہوں۔کہ مجھ دھوکے باز کی سزا اتنی جلدی کیسے ختم ہو رہی ہے۔مجھے تو لمبی سزا کاٹنی تھی۔یہ کیا ہوا ہے۔

سمجھ نہیں آ رہی۔خوش ہوں یا حیران۔۔۔

کیونکہ یہی سب تو میں نے شادی کے بعد سے مانگا تھا۔اس کی آنکھیں اس کے اندر کے دُکھوں کا حال سُنا رہی تھیں۔اس نے اپنی کوئی تکلیف کسی کو نہیں بتائی تھی۔وہ تو اپنے آپ سے بھی چُھپتی پھر رہی تھی۔یہ کیا ہوا تھا اس کے

ساتھ۔

تارا۔۔۔تم۔۔۔تم مجھے بتاتی تو سہی۔میں کچھ تو کرتی۔

کچھ کرکے ہی تو یہ سب ہوا ہےآپی۔اب جو کچھ اللہ کر رہے ہیں ہونے دیں۔سزا پوری ہوگی۔تبھی کچھ سکون ملے گا۔اور مجھے یقین ہے۔میں فلک سے معافی مانگوں گی تو وہ بھی مجھے معاف کردے گی۔وہ اب تو حویلی بھی آ گئی ہے۔پھر میں لاہور چلی جاؤں گی۔حویلی سے دور۔وہ تو سب سوچے بیٹھی تھی۔آپی سدرہ کے ماتھے پہ بل اُبھرے۔

تم پاگل ہو؟

کیسی اُلٹی سیدھی باتیں کر رہی ہو۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔اس کے ہاتھوں کو پکڑتے اُنھوں نے کہا تو تارا نے اپنے ہاتھ چھڑوا لئے۔

مجھے کچھ ٹھیک نہیں کرنا آپی۔سب میں نے خراب کیا تھا۔جو اب ٹھیک ہو رہا ہے۔تو ہونے دیں۔تارا کھائی میں گری ہے اسے باہر نکلنے دیں۔اس کا صبر ختم ہو گیا تھا۔کملا کب کا بھر چُکا تھا۔اب مزید کچھ ہوتا تو وہ ویسے ہی خود سے ناراض ہو کر کہیں چلی جاتی۔اس لئے سب کا خود سے اسے خود سے دور بھیج دینا ہی بہتر تھا۔

بلکہ۔۔۔بلکہ کیوں نہ میں ایسا کروں؟

کک۔۔۔کیوں نہ میں خود ہی جا کر حنان کو سب بتا دوں۔کیوں کیا خیال ہے؟آنکھوں سے آنسو نکل کر گالوں کو بھیگو رہے تھے۔مگر اس لڑکی کی آنکھوں میں ایک ضد ایک جنون بھر گیا تھا۔آپی سدرہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

تم پاگل تو نہیں ہو گئی۔۔۔بیٹھو واپس۔وہ اپنی جگہ سے اُٹھ رہی تھی۔اُنہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر زبردستی بٹھایا۔مگر تارا فوراً دوبارہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

میرے فیصلے اب صرف میرے لئے آپی۔اتنی کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکلی تھی۔آپی سدرہ تو بس حیران سی کھڑی رہ گئی تھیں۔

یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ان کی سمجھ سے باہر تھا

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

حنان۔۔۔

حنان اُٹھیں مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔

رات بھر کا جاگا حنان ابھی سویا ہی تھا۔تارا نے کمرے میں آتے ساتھ ہی اس کے بیڈ کے قریب زمین پہ بیٹھتے حنان کے ہاتھ کو پکڑا کر ہلایا تو۔تو حنان نے مشکل سے آنکھیں کھول کر تارا کو دیکھا۔جس کا چہرہ رونے سے بھیگ رہا تھا۔وہ فوراً اُٹھ بیٹھا۔

کیا ہوا؟شور کیوں مچا رہی ہو؟

تارا کے رونے میں مزید شدت آ گئی۔وہ اُٹھی اور حنان کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

حنان آپ مجھے طلاق دے دیں گے؟اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔اور آنکھوں سے آنسو کا ریلا جیسے بہہ رہا تھا۔حنان کے ماتھے پہ بل اُبھرے۔

کیا بکواس کر رہی ہو؟دماغ کام کرنا چھوڑ گیا ہے کیا؟اسے تو تارا کے لہجے پہ حیرت ہو رہی تھی۔

میں۔۔۔میں بکواس نہیں کر رہی حنان۔میں جو کہہ رہی ہوں۔بس وہ سُنیں۔۔۔میں۔۔۔

تارا اُٹھو اور جاکر منہ دھو۔میرا سر درد کر رہا ہے مجھے سونے دو۔ہاتھ اُٹھا کر اس نے تارا کو خاموش کروانا چاہا اور ساتھ ہی اسے بیڈ سے اُٹھا۔

میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔میری بات سُنیں۔۔۔وہ ایک دم سے روتے ہوئے دھاڑی اور ساتھ ہی سائڈ ٹیبل پہ پڑا گُلدان پوری قوت سے زمین پہ دے مارا تھا۔اس کے سر پہ توگویا جنون سوار ہو گیا تھا۔آزادی کا جنون۔۔۔

حنان بھی اب جیسے بُت بن گیا تھا۔

یہ تم کیا تماشا لگا رہی ہو؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تماشا تو لگایا ہے میں نےحنان۔اور اپنی ذات کا تماشا لگایا ہے۔میں نے آپ کو حاصل کرنے کے لئے۔اپنے آپ کو بیچ دیا حنان۔اور اب مجھے اپنا آپ واپس چاہیے۔بتائیں کیا دیں گے مجھے آپ؟

اپنے گالوں کو صاف کرتے اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا تو حنان نے نا سمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

تارا پلیز سیدھی بات کرو۔

سیدھی بات یہ ہے مسٹر حنان کہ۔۔۔فلک آپ کی زندگی سے گئی نہیں تھی۔۔۔۔جملہ مکمل کرنا بہت مشکل تھا۔رونا ہی آئے جا رہا تھا۔

اسے۔۔۔۔اسے میں نے نکالا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں۔۔۔۔

تارا۔۔۔تم

سُن لیں۔۔۔۔پلیز پہلے میری بات سُن لیں۔میں نے بڑی مشکل سے فیصلہ کیا ہے۔آپ کی سزا بھی سُن لوں گی۔پر پہلے میری دلیل سُن لیں۔گالوں سے آنسو صاف کرتی تو اور نکل آتے تھے۔حنان بھی اب بیڈ سے اُٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔

میں نے اور۔۔۔۔۔وہ آہستہ آہستہ ساری کہانی روتے ہوئے حنان کو سُناتی جا رہی تھی۔اور حنان بس پہلو میں ہاتھ گرائے پھٹی آنکھوں سے تارا کو دیکھ رہا

تھا۔

کاٹو تو بدن میں لہو نہیں کے مصدق وہ لگ رہا تھا۔اور تارا کے سر پہ تو گویا جنون سوار تھا۔اس نے بغیر رُکے ساری بات کھول دی۔اور آخر میں روتے ہوئے حنان کو دیکھا تھا۔اور حنان بس بےبسی سے واپس بیڈ پہ بیٹھتا چلا گیا۔

اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

آپ کو بھی حنان محبت نے مارا اور۔۔۔اور مجھے بھی۔

یہ الگ بات ہے کہ آپ کو محبت نہ مل کر مرنا پڑا۔اور مجھے تو مل بھی گئی۔تو بھی مرتی رہی۔

پر۔۔۔پر اب مجھے اس تکلیف سے نکلنا ہے۔نہیں چاہئے مجھے آپ اور نہیں چاہئے محبت۔جو میری قسمت میں نہیں تھا۔میں وہ چھین کر لیا تھا حنان۔آپ نے مجھے اتنی تکلیف دی ہے۔کہ مجھے اپنے تمام گناہ یاد آ گئے ہیں۔

میرے ساتھ ویسے بھی بہت بُرا مزاق ہوا ہے حنان۔میں جس محبت کو حاصل کرنے کے لئے روئی تڑپی۔اسی محبت کو حاصل کرنے کے بعد اور زیادہ روئی اور زیادہ تڑپی ہوں۔

میرا تو دل چاہتا ہے۔آج ہی قیامت آ جائے۔اور خُدا آ ج ہی مجھے جہنم کی آگ میں ڈال دے۔اس کے لہجے میں تو حنان کی نفرت سے بھی کہیں زیادہ

اپنے لئے نفرت اور حقارت تھی۔حنان نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

تارا کمرے سے نکل جاؤ۔ٹھنڈے خشک اور بے حد دھیمے لہجے میں اس نے جیسے سرگوشی کی تھی۔تارا کے رونے میں مزید شدت آ گئی۔اور وہ منہ کے آگے ہاتھ رکھتے باہر کی جانب چل دی۔

حنان نے پوری طاقت سے میٹرس کو دبوچ رکھا تھا۔ضبط کرنے کو آنکھیں بند تھیں۔اور جبڑا تنا۔آج برداشت کرنے کو بہت کچھ تھا۔اور ہمت؟۔۔۔بالکل نہیں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم نے میری بات کا جواب مجھے یہ دیا ہے؟

صبح کے نو بج رہے تھے۔زین اور فلک حویلی میں تھے اور فلک کے کمرے کی بلکنی میں دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔

فلک اور زین دونوں صبح سے جو آئے تھے تو لمحے کو دونوں کو کل رات کے واقع کے لئے بات کا موقع نہ ملا تھا۔اب جو تنہائی میسر ہوئی تو زین نے پوچھنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی تھی۔فلک نے گہرہ سانس لیا۔اور آسمان سے نظر ہٹا کر زین کو دیکھا۔

ہلکی ہوا کے دوش پہ فلک کے ماتھے پہ بکھرے بال اس کی آنکھوں پہ گر رہے تھے۔زین نے نظر پھیر لی۔

وہ کون لوگ ہوتے ہیں۔جن کو عورتوں کے آنکھوں پہ گرتے بال اچھے لگتے (
ہیں۔

(اسے تو سخت زہر لگے تھے۔اوپر سے تھے بھی کافی شیڈ۔۔۔

ہمدری مت دو زین۔اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔تم اب آزاد ہو۔فلک کا بوجھ تم پہ بہت بھارا رہا ہے۔اور اس بوجھ کو اُٹھانے کا احسان میں ساری زندگی نہیں اُتار پاؤں گی۔اس کے چہرے کو دیکھتے فلک نے نرمی سے کہا تو زین بے بسی ہنس دیا۔اور ساتھ ہی آسمان کو دیکھا۔

فلک نے اس کی ہنسی کو نوٹ کیا بھی تو بس خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔یوں جیسے اس کے اگلے الفاظ کی منتظر ہو۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم نے کبھی احسان کرنے والوں کو دیکھا ہے فلک؟بات کرتے وہ ٹراؤزرز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے۔اور نرم چھوٹے چھوٹے بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔فلک بس اس کو دیکھتی رہی۔

زین اُلجھو مت۔اور نہ اُلجھاؤ۔میں ساری عمر ایک داغ کے ساتھ کیسے رہوں گی؟میں اب امی ابا کی نظر میں اچھی بننا چاہتی ہوں۔۔۔

یعنی انکار ہے؟اس کی صفائی پہ وہ بس تین لفظوں میں اب واضح جواب چاہتا تھا۔نظر متواتر آسمان پہ تھی۔

جب جانتے ہو تو پوچھ کیوں رہے ہو۔سینے پہ بازو لپیٹے اس نے اسے دیکھتے کہا تھا۔وہ نہ جانے کیوں لمحے بھر کو بھی اس سے نظر پھیر نہیں پا رہی تھی۔کیا کبھی کسی کو دیکھ کر آنکھوں کو سکون ملا ؟اسے مل رہا تھا۔اس کے سیاہ بال اس کے صاف رنگت کے چہرے پہ چھوٹی سی شیو پہ اتنے بھلے لگ رہے تھے۔کہ فلک کو اس سے زیادہ اچھا اور کوئی منظر اس سب میں نظر نہیں آیا تھا۔

مگر خیر۔۔۔

زین نے بھی نظر پھیر کر جواب میں فلک کو دیکھا تھا۔

تم جانتی ہو۔۔۔امریکہ میں۔۔۔

میرے فلیٹ کی بلکنی میں ہر روز شام میں ایک چڑیا آ کر، وہاں پڑے سفید لیلی کے پودوں پہ بیٹھ جایا کرتی تھی۔

میں ہر روز شام میں کام کرتے اسے وہاں آتے اور جاتے دیکھتا تھا۔

وہ کوئی خاص چڑیا نہیں تھی۔۔۔چہرہ واپس موڑ لیا۔اُداس مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کو چھو رہی تھی۔فلک بس اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

وہ ایک عام چڑیا تھی۔اس کے پر خوبصورت نہیں تھے۔اور نہ اس کی آواز میں کوئی سحر تھا۔وہ بہت ساری چڑیوں جیسی ایک عام چڑیا تھی۔لیکن جانتی ہو۔میں ہر روز اس کو دیکھتے دیکھتے اتنا اس کا عادی ہو گیا تھا۔کہ ہر روز ساری کام

چھوڑ کر صرف اس چڑیا کو دیکھنے بلکنی پہ جاتا تھا۔

میں نہیں جانتا وہ وہاں لیلی کے پودوں میں کیا لینے آتی تھی۔مگر میرے لئے وہ چڑیا میری روٹین ، میری زندگی کا حصہ بن چکی تھی۔

بات کا مقصد کیا تھا؟ وہ کہنا کیا چاہ رہا تھا۔فلک سمجھ گئی تھی۔

فلک نے ہاتھ کُھلے چھوڑ دیئے۔زین نے پھیکی سی مسکراہٹ اس کی جانب اُچھالی اور وہاں سے ہٹ گیا۔

فلک بس اس کی جاتی پُشت کو دیکھتی رہی تھی۔یہاں تک کہ وہ آنکھوں سے اُجھل ہوگیا۔

فلک نے خالی نظریں واپس موڑ لی۔اور کُھلے بازوواپس سینے پہ باندھ لئے۔

اس کے اردگرد اب کوئی نہیں تھا۔اب وہ خود سے سرگوشیاں کر سکتی تھی۔

مجھے تم نہیں چاہئے ہو زین۔ہونٹ ہِلے مگر آواز نہیں آئی تھی۔

مجھے میری امی بابا چاہئے تھے۔وہ پھیکا سا مُسکرائی اور مڑ کر کمرے کی جانب دیکھا۔جہاں سے غائب ہوا تھا۔وہیں وہ ہمیشہ کے لئے اپنے قدم چھوڑ گیا تھا۔

لیکن ایک عجیب بات ہے۔ماتھے پہ اُلجھے سے بل اُبھرے تھے۔جیسے وہ خود سے اُلجھی ہو۔

میرے دل کا ایک حصہ زین ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔وہ مجھے تمہاری

طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔۔۔جبکہ دوسرا۔۔۔وہ پھیکا سا مُسکرائی۔

لیکن دوسرا کہتا ہے کہ میں تمہارے بغیر زیادہ خوش رہوں گی۔

مگر ایک بات بتاؤں زین۔۔۔یوں وہ خود سے باتیں کر رہی تھی۔جیسے وہاں سچ میں زین موجود ہو۔وہ اس کے سامنے ہو۔اور وہ ساری سرگوشیاں اسی سے کر رہی ہو۔

ہم سب کو آخر میں صرف وہی چاہئے ہوتا ہے۔جو ہر طرح کی صورتحال میں، سب پہ ہمیں فوقیت دے۔

ہمیں صرف ہم سے چاہ کرنے والا چاہئے ہوتا ہے۔غیر مشروط محبت کرنے والا شخص چاہئے ہوتا ہے۔

میں جانتی ہوں تم مجھے سب کے سامنے منتخب کر سکتے ہو۔میرا ساتھ دے سکتے ہو۔وعدوں کو پورا کرسکتے ہو۔مگر کچھ ہے جو تم میں مجھ میں کم ہے۔

وہ کیا ہے ؟

شائد۔۔۔وہ ایک بار پھر پھیکے سے مسکرائی تھی۔

شائد تمہارا اور میرا اپنے رشتے پہ عتماد"شائد تم اور میں ہر جزبے پہ پورا اُتر سکتے ہیں۔ایک سوائے اپنے رشتے پہ عتمادکرنے کے۔"

تم لاکھ مجبوری میں رشتہ سمبھال لو۔اور میں لاکھ صبر سے۔

لیکن تم میں اور مجھ میں ہمیشہ ایک جھجک رہے گی۔ایک دوسرے کے لئے وہم رہیں گے۔جب رشتے میں عتماد ہی نہیں تو باقی سب کچھ بھی ہو تو فرق نہیں پڑتا۔وہ خاموشی سے وہیں بلکنی پہ ریلنگ سے پُشت ٹکا کر بیٹھ گئی تھی.

اسے ماں باپ مل گئے تھے۔مگر اب طوفان کے بعد ملنے والی امداد اس کے خسارے کو پورا تو نہیں کر سکتی تھی ناں۔

تم پاگل ہو؟

تم۔۔۔تم کیسے کر سکتی ہو ایسے تارا۔تارا اپنے کمرے میں زمین پہ بیٹھی تھی۔اس کا سر اپنے گھٹنوں پہ تھا۔

کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔اور گہری خاموشی۔

آنکھوں سے آں‌سو بھل بھل بہہ رہے تھے۔مگر اس وقت دل کا کوئی ٹکڑا کہیں گر گیا تھا۔

وہ حنان کے ساتھ نہیں تھی۔تو غمگیں تھی۔اور تھی تو اور بھی غمگیں تھی۔لیکن عجیب بےبسی تھی۔کہ اب چھوڑ آئی تھی۔تو بھی اس کا سانس بند ہو رہا تھا۔

اسے اس سے محبت تھی۔اور اپنی اسی محبت سے شدید نفرت۔وہ دنیا اس حویلی

اور حویلی والوں سے دور جانا چاہتی تھی۔مگر اس کے قدم جیسے یہی محبت روک رہی تھی۔

وہ جو کہتے ہیں محبت عزاب ہے سہی کہتے ہیں۔وہ اپنے خالی کمرے میں زمین پہ بیٹھی اس لمحے کو کوس رہی تھی۔جب اسنے حنان کو سب سچ بتایا۔جب اس نے حنان کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

تمہیں یہ نہیں کرنا چاہیئے تھا تارا۔

تم یہ کیسے کر سکتی ہو۔آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے تھے۔کہ اب وہ کبھی حنان کے قریب اس کے سامنے نہیں جا پائے گی۔

وہ کبھی اسے نہیں کہہ پائے گی۔کہ اسنے جو بھی کیا صرف اور صرف اس کی محبت میں کیا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی۔اسے جاتے دیکھنا زیادہ تکلیف دے تھا۔یا اس کے ساتھ رہنا۔دونوں صورتوں میں اس کا دم گُھٹ رہا تھا۔

وہ بےبسی سے روتی وہیں زمین پہ لیٹ گئی۔اس نے اپنے سر کو اپنے بازؤں سے ڈھک لیا تھا۔اور اپنے گھٹنوں کو اکٹھا کرکے سینے سے لگا رکھا تھا۔

ہماری زندگی اب کوئی گزار دے

ہمارے بس کی بات اب رہی نہیں

جون ایلیاء

حنان نے بیڈ پہ بیٹھا تھا۔اور میٹرس کو اس نے مُٹھیوں میں دبوچ رکھا تھا۔اس کے گلے میں سب چیخیں دب چکی تھیں۔اور آنکھوں کے سارے آنسو،گالوں کی بجائے دل پہ گر رہے تھے۔

مزید کچھ دیر بیٹھ کر بھی جب اس سے اپنا وبال قابو نہ ہوا تو۔تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھا کار کی چابی اُٹھائی اور کمرے سے نکل گیا۔

اگر وہ مزید یہاں رُکتا تو شائد کچھ ایسا کر بیٹھتا جس کے بعد نہ غم رہتا اور نہ غمِ شام۔مگر افسوس کہ بعض اوقات اپنی ہستی کے علاوہ آپ کو باقی سب کا سوچنا ہوتا ہے۔

گاڑی نکال کر وہ بےوجہ سڑکوں پہ پھرتا رہا۔

دوپہر چڑھی۔۔۔اور پھر سپہر بھی ہوگئی۔مگر وہ اس وقت خود کو اس قدر بےوقوف اور بےبس محسوس کر رہا تھا۔کہ سمجھ نہ آتی تھی۔کہاں جائے،کیا کرے کہ گیا وقت واپس لوٹ آئے۔

کیا ایسا کرے کہ ہستی میں اتھل پتھل تھم جائے۔وہ آج خود سے بھی شرمندہ تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آج کی سب سے بڑی۔۔۔

پاکستان عدلیہ کا بڑا فیصلہ۔فائل پہ جُھکے کام کرتے زین نے فوراً سر اُٹھایا تھا۔

ناظرین۔۔۔کرپشن کیسسز پہ عدالت کا بڑا فیصلہ آج آ چُکا۔اینکر پورا زور لگا رہی تھی۔زین نے آواز بڑھا دی۔

حکومت کا ٹیکس چوروں اور کرپشن کرنے والوں کے خلاف کریک ڈاؤن۔

نوازادا حق ںواز کے خلاف چیف جسٹس نے فیصلہ سُنا دیا۔

فیصلے کے مطابق نوابزادہ حق نواز دس سال کے لئے الیکشن لڑنے کے لئے عمل نہیں رہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آج کی بڑی خبر سے ہم آپ کو آگاہ کر رہے ہیں۔

نوابزادہ حق نواز کیس میں چیف جسٹس کا بڑا فیصلہ۔خبر تھی۔یا پاکستان کی ڈیموکریسی کو سب سے بڑا دھچکا۔

پارٹی کے اراکین سڑکوں پہ جہاں نکل آئے تھے۔وہیں۔۔۔جگہ جگہ حکومت عدلیہ کے خلاف نعرے بازی ہونے لگی تھی۔سوشل میڈیا پہ ہر طرف حکومت اور چیف جسٹس کو کارکن گالیاں دے رہے تھے۔

زین نے گہرہ سانس لیا۔اور آواز واپس مدھم کردی۔

اس کا دماغ کام سے ہٹ چُکا تھا۔

کیس وہ نیب کے حوالے کر چکا تھا۔اب اسی کیس پہ اتنا بڑا فیصلہ سُن کر اسے اگرچہ خوش ہونا چاہیئے تھا۔مگر عجیب بات تھی۔کہ وہ خوش نہیں تھا۔

جب تک شہروز اکرام نہیں پکڑا جاتا اسے چین نہیں ملنے والا تھا۔مگر سمجھ نہیں آ رہی تھی۔کہ وہ کہاں چھپ گیا تھا۔ملکِ کے اندر ہر جگہ اسے ڈھونڈا جا چُکا تھا۔ملکِ سے باہر بھی اس کی نظر تھی۔مگر کوئی سرِا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

دوسری طرف باقی ممالک کی پولیس بھی ایسا کوئی خاص ثبوت نہیں پکڑ پائی تھی۔

زین نے گہرہ سانس لیا۔اور پُشت کرسی سے ٹکا دی۔

کامیابی کے لئے انسان کو اندھن کی طرح جلنا پڑتا ہے۔اور یہی کام سب سے مشکل ترین ہے۔

اس نے اپنے ہر بندے کو ماہم اس کے بوائے فرنڈ کے پیچھے لگا رکھا تھا۔دوسری طرف جہاں آرا بھی غائب تھی۔

اگرچہ یہ سارا معملہ اسلام آباد پولیس کا تھا۔مگر چونکہ یہ سارا کیس زین کی رپورٹ سے شروع ہوا تھا۔تو زین کو اس سب میں خاص دلچسپی تھی۔اور دوسری بات کچھ یہ تھی۔کہ پراسیکیوٹر صاحب سے زین کی خاصی جان پہچان تھی۔اور کیس میں مدد کرنے میں ایک وجہ پراسیکیوٹر صاحب بھی تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interview

وہ کرسی پہ جھولتے سوچوں میں گُم تھا۔جب اس کے پاس پڑے پی ٹی سی ایل کی گھنٹی بجی تھی۔زین فوراً سیدھا ہوا۔

ہم بولیں۔۔۔؟انسپیکٹر صاحب تھے۔

سر آپ سے ملنے کوئی بی بی آئی ہیں۔

کون ؟وہ اُلجھا تھا۔

جی کہہ رہی ہیں۔نام وہ صرف آپ کو بتائیں گی۔

اچھا ٹھیک ہے بھیج دو۔ماتھے کو مسلتے اسنے کچھ اُلجھ کر فون واپس کریڈل پہ رکھا تھا۔

کون ہو سکتی ہے؟

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آسمان صاف تھا۔اور ستاروں بھری اس شام میں گھاس پہ بیٹھنا کتنا اچھا لگ رہا تھا۔شائد فلک کبھی لفظوں میں بیان نہ کر پاتی۔

لیکن ایک کمی تھی۔۔۔

کس کی کمی تھی؟

زین کی؟

ہاں۔۔۔۔زین کی کمی تھی۔

اسے یاد آیا وہ شام جب وہ اور زین گھاس پہ بیٹھے تھے۔

اس دن وہ اتنی اُداس تھی۔کہ محسوس ہی نہ کر سکی۔زین کے ہونے سے چیزیں کیسے بدل جاتی تھیں۔آج وہ پاس نہیں تھا۔تو محسوس ہو رہا تھا۔

عادت بن گئی تھی اس کی۔اب سمجھ نہیں آ رہی تھی۔کہ کیسے اس کی ذات سے باہر نکلے گی۔

فلک نے اُداسی سے سر گھٹنے پہ ٹکا لیا۔

وہ لمحے آج زین کی یاد کے ساتھ گزارنے والی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تارا نے اپنے گرد بازو لپیٹتے ایک نظر آسمان کی جانب دیکھا۔اور قدم باغیچے کی جانب بڑھائے ہی تھے۔جب سامنے گھاس پہ فلک کو بیٹھا دیکھ کر تارا کے قدم مُنجمد ہو گئے۔

اس نے اسے وہاں دیکھا۔اس کا دل چاہا وہ جائے اس کے پاس اور اس کے کندھے پہ سر رکھ کر ڈھیروں روئے۔مگر۔۔۔

مگر جھجک تھی۔

تارا چند لمحے پیچھے کھڑی رہی۔مگر پھر نہ جانے زیہن میں کیا آیا کہ اس کی جانب چل دی۔

فلک کی نظر آسمان پہ تھی۔اور ذہن کہیں اور۔۔۔قدموں کی دھیمی چھاپ پہ گردن موڑ کر آنے والی کو دیکھا۔

تارا اس کے دیکھنے پہ ہلکا سا جھجکی تھی۔

فلک اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔اسے تارا سے کوئی بات نہیں کرنی تھی۔اس نے اس کی جانب دیکھے بغیر اندر کی جانب قدم بڑھانے چاہے تھے۔جب اس کی آواز نے قدم روک دیے۔

فلک۔۔۔پپ۔۔۔پلیز بات سُن لو۔اس کے لہجے میں منت اور آنسوں کی آمیزش تھی۔فلک نے گہرہ سانس لیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کہو۔۔۔

مختصر جواب دے کر وہ اب آسمان کو دیکھنے لگی تھی۔تارا نے اس کا انداز تکلیف سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

میں تم سے۔۔۔معافی مانگنا چاہتی تھی فلک۔اس نے اپنے ہاتھوں کو آپس میں مسلتے کہا تو فلک ایک دم سے ہنس دی تھی۔

مانگو۔۔۔اس کو دیکھتے طنز سے اجازت دی تھی۔تارا کو اس کی آں کھوں میں صاف بےپروائی نظر آئی تھی۔اس نے نظر جھکا لی۔

فلک۔۔مم۔۔۔مجھے۔۔۔

نہیں۔۔۔نہیں چاہئے تمہاری معافی۔اس سے قبل کہ وہ اپنا جملہ مکمل کرتی۔اس نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔تارا نے اسے دیکھا۔

مجھے تمہاری معافی سے کوئی فرق نہیں پڑتا تارا۔

پلیز فلک بھول جاؤ۔میں معافی چاہتی ہوں۔اس کے ہاتھوں کو تھام کر اس نے منت کی تھی۔فلک نے ہنس کر سر جھٹکا۔

تارا وہ وقت تمہاری معافی سے کبھی واپس نہیں آ سکتا۔جس کے خواب ہر لڑکی دیکھتی ہے۔وہ خواب میں نے بھی دیکھے تھے تارا۔مگر تم نے چھین لئے۔

مجھے حنان کبھی بھی نہیں چاہئے تھا۔تم ایک بار کہتی۔۔۔مجھ پہ عتماد کرتی۔میں کبھی تمہیں رونے نہ دیتی۔خود تمہیں اپنے ہاتھ سے اس کے کمرے میں چھوڑ کر آتی۔

مگر تم نے۔۔۔تم نے کیا کیا میرے ساتھ؟

مجھے زین کے ساتھ اس گھر سے بھیجتے کوئی فرد یہاں نہیں تھا۔سب نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اپنی زندگیوں سے بے دخل کر دیا تھا۔سب نے میرا تماشا بنانے میں کوئی کثر نہیں چھوڑی۔ہر ایک نے موقعے سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی۔اور یہ سب کچھ ہوا ہے۔صرف اور صرف تمہاری اور تمہاری بہن کی وجہ سے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

مجھے تو تمہاری شکل بھی نہیں بھی نہیں دیکھنی چاہیئے۔۔دوستی کا بڑا اچھا فرض نبھایا ہے تم نے۔

مگر دیکھ لو میرا ظرف کہ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود یہاں کھڑی تمہاری بات سُن رہی ہوں۔

تو میں نے فلک کونسا خوشی کے دن دیکھے ہیں۔

ہر رات اپنے شوہر سے تھپڑ کھائے ہیں۔اگر اب بھی تم سمجھتی ہو۔کہ مجھے میرے کیئے کی سزا نہیں ملی۔تو تم بتاؤ۔۔۔بتاؤ مجھے میں کیا کروں۔

کیا کروں۔۔ایسا کہ تم میری طرف واپس دیکھنے لگو۔تم میری بات سُننے لگو۔

آنسو نکل نکل کر اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔فلک نے کرب چھپانے کو ہونٹ بھینچ لئے۔

وہ تو سمجھی تھی۔اس کے بعد سب یہاں خوش ہوں گے۔

تم جانتی ہو فلک۔۔۔محبت چھین کر حاصل کی جائے۔تو محبت دم توڑ دیتی ہے۔

میں نے چھین کر محبت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔اور دیکھو میری قسمت کی محبت دم توڑ گئی۔اس کے لہجے میں زخم تھے۔

حنان کو شائد مجھ سے زندگی میں کبھی نہ کبھی محبت ہو ہی جاتی۔مگر میرے رویئے نے اس کے دل سے شائد محبت کو ہی نوچ ڈالا۔

میں نے بس اس کی آنکھوں میں تمہارے لئے خواب دیکھے۔میں بہت بہت تکلیف میں رہی۔

تارا نے اس کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تھا۔اس کی نظر فلک کی ہتھیلیوں کا طواف کر رہی تھی۔جبکہ فلک اپنے اندر کے تاثر کو چھپانے کی کوشش میں تھی۔

جب حنان نے مجھے پہلی بار تھپڑ مارا۔۔۔میں سمجھ گئی تھی۔میں نے خسارے کا سودا کیا ہے۔بس مان جانے سے ڈر لگتا تھا۔

پھپھک پھپھک کر روتے اسنے دل کی ہر بات کہہ دی جو وہ کہنا چاہتی تھی۔

فلک نے خاموشی سے اس کے ہاتھ سے اپنے ہاتھ نکال لئے۔

تارا جو قسمت میں تھا۔وہ ہمیں ملنا ہی تھا۔تمہیں حنان اور مجھے شائذ(ٹھہری گئی)زین۔۔۔

بس غلط طریقے اور جلد بازی نے صورتِحال خراب کردی۔

میں سمجھی تھی۔میرے بعد سب یہاں خوش ہوں گے۔مگر لگتا ہے۔۔حویلی کے مقینوں کو سزا مل چکی ہےافسوس سے اس نے کہتے ایک بار پھر سے ستاروں سے بھرے آسمان کو دیکھا تھا۔

میں تم سے ایک بار پھر سے معافی چاہتی ہوں۔میری اور آپی سدرہ کی ساری غلطی ہے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interview

آنکھوں سے آنسو نکلتے اس کے گالوں پہ بہہ رہے تھے۔فلک نے اس کے چہرے سے نظر پھیر لی۔

کر دیا معاف تارا۔۔بس آئندہ کبھی یاد مت رکھنا کہ ہم دوست تھے۔مختصر الفاظ میں ہی اسنے جیسے ساری کہانی لپیٹ ڈالی تھی۔

تارا نے دوبارہ کچھ کہے بغیر مڑ کر اندر کی جانب دوڑ لگا دی تھی۔

فلک نے ایک بار پھر سے اس کی جاتی پشت کو دیکھا۔اور واپس گھاس پہ بیٹھ گئی۔

وہ آج اس دوستی کے ختم ہونے سے غمزدہ تھی۔اور نہ تکلیف میں۔اسے جیسے اب کسی کی پروا ہی نہیں رہی تھی۔

اسنے واپس سر گھٹنے پہ رکھ لیا۔

پہلے عادت تھی۔۔کسی سے کچھ دل کی بات کہتی نہیں تھی۔پھر زین نے یہ عادت بگاڑ دی۔

آج جو دل چاہ رہا تھا۔کہ اس سے کچھ کہے۔تو اب وہ جیسے اسے کچھ بھی مزید کہنے کے سارے حق لے چکی تھی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

حنان سارا دن سڑکوں پہ پھرنے کے بعد آخر واپس آ ہی گیا۔

کیونکہ بھاگ کر کہیں بھی جاتا۔اس گھر کو ہی آخر میں اس کی منزل ٹھہرنا تھا۔

ا سنے تھکے ہارے نے کار سے باہر قدم رکھے تھے۔جب فلک کو گھاس پہ بیٹھے دیکھ کر اس کی تکلیف ایک بار پھر سے تازہ ہو گئی۔

اس نے قدم بغیر سوچے اس کی جانب بڑھا دیے۔

فلک؟

فلک جو گھاس کے تِنکے توڑ موڑ رہی تھی۔حنان کی آواز پہ اس نے گہرہ سانس لیا تھا۔

وہ حنان کی گاڑی کا ہارن سُن چکی تھی۔

ان دونوں میاں بیوی نے قسم کھا رکھی ہے۔کہ مجھے جینے نہیں دینا۔دانت پیستے وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔اور کپڑے جھاڑنے لگی۔

اب اگر تمہیں بھی معافی مانگنی ہے۔تو جلدی مانگ لو۔۔۔

میں اس وقت شدید بُرے موڈ میں ہوں۔کپڑے جھاڑتے وہ کہہ رہی تھی۔اور انداز اور لہجے میں کوئی پروا نہ تھی۔حنان جانتا تھا وہ ہمیشہ سے ایسی تھی۔

شہزادیوں والی بےپروائی رکھنے والی۔اب بھی بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔جیسے ہمیشہ دیکھ کر رہ جاتا تھا۔

فلک میں جانتا ہوں۔میں نے تمہارے ساتھ غلط کیا۔۔۔

اور تم اس پہ شرمندہ ہو۔تم نہیں جانتے تھے۔کہ تارا اور آپی سدرہ کا کیا دھرا ہے۔

میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔بےتاثر لہجے میں اس نے حنان کے ماندہ جملے مکمل کئے تھے۔حنان نے سر جُھکا لیا۔

حنان وقت گزر چُکا۔۔۔جب معافی تلافی کی جاتی۔۔۔

فلک؟وہ مزید کچھ کہنے والی تھی۔جب زین کی آواز پہ اسے رُکنا پڑا۔حنان نے مڑ کر دیکھا۔اور پھر واپس نظر جھکالی۔جبکہ فلک مسکرائی تھی۔

زین اسی جانب چلا آرہا تھا۔فلک نے انجانے میں قدم اس کی جانب بڑھائے تھے۔

اس کے انداز میں زین کے لئے ایک عجیب سی شناسائی تھی۔

حنان تو جیسے اس سارے منظر میں غیر اہم ہو گیا تھا۔

تم اس وقت؟اس کے بازو کو پکڑتے مسکرا کر پوچھا۔زین نے اپنے بازو پہ اس کے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر فلک کو۔

صبح تک محترمہ گھاس نہیں ڈال رہی تھیں۔اب کیا ہوا؟

ہاں۔۔۔میں بس انکل کا پوچھنے آیا تھا۔مسکرا کر کہا۔

جھوٹ۔۔۔

سیدھے سے کہو۔میرے بغیر تمہارا دل نہیں لگ رہا تھا۔ہنستے ہوئے۔اس کو بازو سے پکڑ کر اندر کی جانب چلتے اسنے کہاتھا۔

جیسا آپ کہیں۔زین کا جواب بھی شرارت سے بھر پور تھا۔

حنان نے پیچھے سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

وہ بھول گئی کہ وہ مجھ سے بات کر رہی تھی۔کرب سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

اب میری معافی بھی غیر اہم ہے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین تم نے مجھ پہ اور میرے خاندان پہ بہت بڑا احسان کیا ہے بیٹا۔تم نے جس طرح سے میری بیٹی کا خیال رکھا۔میں تمہارا شکر گزار ہوں۔دلان میں صوفوں پہ آمنے سامنے بیٹھے زین اور سلطان بہزاد گفتگو میں مشغول تھے۔جب سلطان بہزاد نے تشکر سے کہا تھا۔زین بس مسکرا دیا۔

انکل میں زیادہ تو کچھ نہیں جانتا زندگی کے بارے میں۔نہ ہی کسی فلسفی کو پڑھنے کا اتفاق ہوا۔لیکن میں اتنا ضرورسیکھ گیا ہوں۔کہ زندگی میں سب بھاگ دوڑ بے معنی ہے۔جب بات قسمت پہ آ جائے۔

اور رشتے بھی قسمتوں سے بنتے بگڑتے ہیں۔کب کیا ہونا ہے۔سب لکھا جا چکا

ہے۔تو پھر خامخواہ یوں ہی بھاگ دوڑ کرنا۔کسی ایسی چیز کے پیچھے بھاگنا جس کا نہ ملنا آپ کی تقدیر میں لکھا جا چُکا ہے۔یا یوں ہی اپنی قسمت سے انکار کرنا۔بےوقوفی ہے۔اور یہ بات میں نے فلک سے سیکھی ہے۔

میں فلک کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے منتخب کیا۔وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔جبکہ دور کھڑی ڈائنگ پہ پلیٹس لگاتی۔فلک آنکھیں سکیڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ بابا سے کیا باتیں کررہا تھا۔وہ سُننا چاہتی تھی۔مگر امی سلطان نے منع کر دیا تھا۔اور اتنی ملازمین کے باوجود اسے کام پہ لگا رکھا تھا۔

فلک بیٹے دھیان کہاں ہے؟امی نے باورچی خانے سے نکلتے اس کا غیر حاضر دماغ دیکھا تو اسے ٹوکا تھا۔فلک بروقت مسکرا دی۔

ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔میں بس سوچ رہی تھی۔کہ۔۔۔(زین کے فون کی بیل بجی تھی)بابا کو اتنی دیر باتیں نہیں کرنی چاہیئے۔کہتے ہوئے وہ دیکھ زین کو رہی تھی۔جس کے ماتھے پہ ایک دم سے بل اُبھرے تھے۔اور پریشانی کے عالم میں وہ صوفے سے اُٹھتا بغیر بابا کو کچھ کہے فلک کی جانب آیا تھا۔

میں آ رہا ہوں۔وہ بس یہی سُن پائی تھی۔

فلک میرے ساتھ تمہیں آنا ہوگا۔تمہارے لئے ایک مرئضہ ہے۔فون ہاتھ میں پکڑے پریشانی سے اس نے فلک کو بتایا تو فلک اور امی سُلطان نے پریشانی میں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پہلے ایک دوسرے کو اور پھر زین کو دیکھا تھا۔

میں۔۔۔وہ منع کرنا چاہتی تھی۔جب زین نے بات کاٹی۔

فلک باتوں کا وقت نہیں ہے۔دو منٹ میں باہر آؤ۔

سوری آنٹی کھانے کا بالکل وقت نہیں ہے۔واپس مڑتے اس نے امی سُلطان کو خُدا حافظ کہا۔اور سرئت سے باہر نکل گیا۔جبکہ فلک تو بس نا سمجھی سے سب دیکھتی پیچھے چل دی تھی۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

دونوں گھر پہنچے تو گھر کے تمام ملازمین کی دوڑیں لگیں تھیں۔زین نے فلک کو کچھ بھی بتائے بغیر تیزی سے سیڑھیاں چڑھنی شروع کر دی تھیں۔فلک جانتی تھی۔کوئی کیس سے منسلک خاص مرئضہ ہے۔اور اس وقت زین کے گھر میں ہے۔وہ اسے رستے میں کچھ باتیں بتا چُکا تھا۔

فلک بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چلنے لگی۔

فلک کے کمرے میں ہی وہ رُکی تھی۔

فلک نے نا سمجھی سے دیکھتے قدم کمرے میں رکھے۔

ایک لڑکی جس کی عمر بہت زیادہ نہیں دکھتی تھی۔محض تئیں یا چوبیس کی وہ فلک کو لگی تھی۔

کندھوں تک کٹے بال جن کا رنگ سیاہ تھا۔اور گالوں کی ہڈی کافی حد تک اُبھری ہوئی۔

اس کے ہاتھ پیر مڑ رہے تھے۔اور وہ بیڈ بورڈ سے پُشت ٹکائے گردن جھٹکے بیٹھی تھی۔زین کے ہاتھ میں گلاس تھا۔اور وہ پانی کے چھینٹے اس کے چہرے پہ مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔جبکہ ملازمہ لڑکی کے ہاتھ مسلنے کی اور کبھی پاؤں مسلنے کی کوشش کر رہی تھی۔فلک نے مزید انتظار کئے بغیر فوراً زین کے ہاتھ سے پانی کا گلاس جھپٹا اور ٹھنڈے پانی کو ایک جھٹکے سے لڑکی کے چہرے پہ ڈال دیا۔

وہ سمجھ گئی تھی۔یہ معملہ پٹھوں کی وجہ سے درپیش نہیں آیا تھا۔اور نہ دماغی کوئی مسلہ تھا۔یہ معملہ نفسانی تھا۔

ٹھنڈے پانی کے گرتے ہی لڑکی کا اکڑا وجود ایک دم سے ڈھیلا پڑنے لگا۔

زین تو بس پھٹی آنکھوں سے کبھی فلک اور کبھی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

ماسی پلیز ان کے پاؤں کو پکڑ کر سیدھا کریں۔فلک نے اس کے بیڈ بورڈ سے ٹِکی پشت کو بازو کا سہارا دیتے لٹایا تھا۔

ماسی نے لحاف لڑکی پہ ڈال دیا۔لڑکی کے ہتھیلی میں چُبھتے ناخن اب آہستہ آہستہ ڈھیلے پڑ رہے تھے۔جبکہ جبڑا بھی ڈھیلا پڑ چکا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلک نے سائڈ ٹیبل کی دراض سے پین اور نوٹ پیڈ نکالا۔

زین میں ابھی آپ کو(پہلی بار آپ کہا تھا اس نے) کچھ انجیکشنز اور دوائیاں لکھ کر دے رہی ہوں۔جلدی منگوا لیں۔وہ لکھتے رُک کر ماسی کی جانب گھومی تھی۔

جائیں جلدی سے گرم دودھ لائیں۔اور ساتھ میں زیتون کا تیل لائیں۔ہلکا گرم ہوناچاہیئے۔

"جی اچھا"

حکم ملتے ہی ملازمہ تو فوراً باہر نکل گئی۔جبکہ زین بس حیرت سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

ان کے ساتھ مسلہ کیا ہوا ہے۔کچھ اندازہ ہے؟مخاطب فلک تھی۔

ہمم۔۔۔ان کو نفسیاتی مسلہ ہے۔

فلحال میرے پاس کچھ نہیں ہے۔اس لئے کاغذ پہ لکھی چیزیں منگوئیں۔میں نے ڈرپ بھی لکھی ہے۔وہ ضرور منگوا لینا۔کاغذ اس نے زین کی جانب بڑھایا تو وہ سر ہلاتا کاغذ پکڑ کر ایک نظر لڑکی کو دیکھتا باہر نکل گیا تھا۔

فلک نے ایک افسوس بھری نظر لڑکی پہ ڈالی۔اور بیڈ کے قریب پڑی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

اس نے کچھ پل سوچ کر لڑکی کو دیکھا اور پھر ہاتھ میں پین پکڑے اس کے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پاؤں کی جانب آ کھڑی ہوئی۔

اس نے پین کو لڑکی کے پاؤں کے نیچے درمیان میں رکھا۔اور پین پہ ہلکا سا دباؤ ڈالا۔

پین کی وجہ سے جواس کے پاؤں میں تکلیف اُٹھی تو اس سے لڑکی کا سب کنشئیس اگلے ہی لمحے بیدار ہوا۔وہ ہلکا سا کسمسائی تھی۔

فلک نے ایک بار پھر سے اس عمل کو دوہرایا تو مزید کچھ لمحوں کے بعد وہ اسے جاگتی نظر آئی تھی۔فلک فوراً سیدھی ہوئی۔

پہلا کیس تھا اس کا۔اس نے شکر ادا کیا تھا۔

آپ کا نام کیا ہے مس؟

سر میں درد تو محسوس نہیں ہو رہا؟یا پھر دھندلاہٹ وغیرہ؟ پےدرپے سوالوں پہ لڑکی نے نا سمجھی سے اسے دیکھا تھا۔اور ساتھ ہی ساتھ ایک نظر اپنے اطراف میں دوڑاتے اس نے اُٹھنے کی کوشش کی تھی۔

اُٹھو نہیں۔۔۔لیٹ جاؤ۔اسے اس نے واپس لاٹا دیا۔

آپ جانتی ہیں آج کیا دن ہے؟

کیا آپ کو یاد ہے آپ کہاں ہیں؟اس نے اب کی بارسوالوں کو ردوبدل کے بعد پوچھا تو لڑکی نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں مسٹر زین کے گھر پہ ہوں۔اور آج صبح ہی یہاں آئی ہوں۔اس نے دھیمے مگرانگریزی لہجے میں اردو کے جلمے ادا کئے تو فلک نے اب کی بار بغور لڑکی کو دیکھا تھا۔

یعنی وہ صبح سے یہاں تھی۔

آپ کون ہیں؟فلک واپس کرسی پہ بیٹھ رہی تھی۔جب اس کے سوال پہ اسے دیکھنے لگی۔

اب کیا جواب دوں سوچا۔

میں زین کی منکوحہ ہوں۔کچھ روز میں ہمارا ولیمہ ہے۔اور میں آپ کی ڈاکٹر بھی ہوں۔

آ گیا انہیں حوش؟

اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں؟وہ کہہ رہی جب ایک دم سے ہی زین آ گیا۔فلک نے اسے دیکھ کر چہرہ موڑ لیا تھا۔مگر وہ لڑکی کی جانب متوجہ تھا۔

مجھے کیا ہوا تھا؟

آپ ٹرامہ میں چلی گئی تھیں۔اس نے پوچھا زین سے تھا۔مگر جواب فلک نے دیا تھا۔وہ گہرہ سانس لے کر رہ گئی۔

میں اس سب کی اب عادی ہو چکی ہوں۔میں معذرت چاہتی ہوں۔میں نے

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آپ لوگوں کو پریشان کیا۔وہ افسردگی سے کہتی فلک کو اس وقت عجیب لگی تھی۔زین اور فلک نے اب کی بار ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

میں نے اپنی زندگی میں اتنے خوفناک اور بُرے تجربے کئے ہیں۔کہ اب میرے جسم کو بھی مجھ پہ ترس آنے لگا ہے۔شائد وقت کے ساتھ ساتھ یادوں کا زہر میرے دماغ اور جسم کو بی چاٹنے لگا ہے۔وہ بولتی کتنی قابل ترس لگی تھی۔کہ زین اور فلک بس اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔فلک نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

زندگی میں تجربات اکثر بُرے ہوتے ہیں۔مگر وہ بعض اوقات ہمیں ہمارے مقصد اور دنیا میں حثیت سے ملاوا جاتے ہیں۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بُرے تجربات کبھی کبھی اچھے اُستاد ہوتے ہیں۔ہمیں ان سے سیکھ کر آگے بڑھ جانا چاہیئے۔فلک کے الفاظ اس کے لئے مرہم تھے۔

آپ کا شوہر میں ڈھونڈ رہا ہوں۔مجھے ایک دو روز دیں۔انشاء اللہ مل جائے گا۔اُمید قائم رکھیں۔زین نے بھی فلک کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھتے نرمی سے کہا۔تو وہ سر ہلا کر کروٹ بل گئ تھی۔

فلک نے زین کو دیکھا تھا۔

نظروں میں اشارے تھے۔وہ سر ہلا کر خاموشی سے اُٹھ کر باہر کو چل دیا۔

فلک نے لڑکی کی پُشت کو ترحم بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

آپ آرام کریں۔ملازمہ آپ کے لئے دودھ لا رہی ہے۔پی لیں۔مختصر کہہ کر اس نے جواب کا انتظار کئے بغیر باہر کی جانب قدم بڑھا دئے۔

وہ سمجھتی تھی۔زندگی میں تجربے ایک صرف اسی کے تلخ ہیں۔یہاں تو سب ہی تلخ تجربات سے گزر رہے ہیں۔اس کا اندازہ اسے اب ہوا تھا۔

اسے اس لڑکی کے حالات نہیں معلوم تھے۔مگر اسے اس کے لئے افسوس محسوس ہوا تھا۔

وہ راہداری سے گزر کر نیچے جا رہی تھی۔جب سامنے سے ملازمہ آتی نظر آئی۔

یہ دودھ کا گلاس ان کو پلاؤ۔اور ساتھ میں آدھا گھنٹہ ان کے دونوں پاؤں کے تلوں کو زیتون سے مساج کرو۔

اور ہاں۔یاد آنے پہ دوباری تاکید کی۔

سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے کو ذرا نرمی سے دبانا۔میں تھوڑی دیر میں آ رہی ہوں۔

جی اچھا۔سمجھ میں آتے ہی اس نے سر اثبات میں ہلایا۔اور پھر کمرے کی جانب بڑھ گئی۔فلک نے دلان کا رُخ کیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novel | Afsana | Articles | Books | Poetry | Interviews

زین نے دلان میں آتے ہی فون نکالا اور طیب کا نمبر ڈائل کیا۔

کال ہمیشہ کی طرح فوراً اُٹھائی گئی تھی۔

طیب میں کچھ اہم معلومات بھیج رہا ہوں۔ایک بندہ ڈھونڈنا ہےدیکھو ذرا آگے پیچھے۔

سارے کام چھوڑ کر پہلے یہ کرو۔

ہمم۔۔۔اللہ حافظ۔

مختصر سی بات کے بعد وہ اہم معلومات بھیج رہا تھا جب سڑھیوں سے آتی آواز پہ ماتھے پہ بل ڈالے اس نے سمت میں دیکھا تھا۔

فلک قدم قدم سیڑھی اُترتی کسی سوچ میں گُم تھی۔زین واپس فون کی جانب متوجہ ہوگیا۔

یہ کس کیس سے منسلک ہیں؟سیڑھیاں اُتر کر سامنے آتے اس نے پوچھا تھا۔

وہ دیکھ سکتی تھی۔کہ زین اس وقت پریشان تھا۔اور فون پہ مصروف تھا۔

فلک نے اسے دیکھتے چند پل جواب کا انتظار کیا۔اور پھر سامنے سے ہٹ کر چھوٹے صوفے پہ بیٹھ گئی۔

خالی دلان میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔زین نے میسج بھیجنے کے بعد موبائل کو سائڈ کے بٹن سے بند کیا۔اور پھر فلک کے سامنے صوفے

پہ آن بیٹھا۔

اس کی بغور نظر فلک پہ تھی۔

تم نے فیصلہ کر لیا؟

کیسا فیصلہ؟فلک نے نا سمجھی سے اسے دیکھا تھا۔زین نے ابرو اُٹھائے۔

میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ کیا فیصلہ ہو گا۔اس کا اشارہ اس کے غیر حاضر دماغی پہ تھا۔فلک نے گھورا۔

تمہیں اس وقت نظر نہیں آ رہا۔کہ ایک ذیہنی مرئضہ تمہارے سامنے ہے۔میں نے زندگی میں پہلی بار کسی کو ڈرپ لگانی ہے۔اور تم مجھ سے فیصلوں کا پوچھ رہے ہو۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اگر تم ڈر رہی ہو۔تو مت لگاؤ۔تم نے خود یہ فیصلہ کیا ہے۔ورنہ میرے پاس اور بھی بہت قابل ڈاکٹرز موجود ہیں۔بے پروائی سے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھاتے اس نے گویا جتایا تھا۔فلک نے گھورا۔

تو نہ لاتے مجھے۔۔۔بلا لیتے اپنی ان قابل ڈاکٹرز کو۔اور مجھے ڈر نہیں لگ رہا۔میں نے بس یوں ہی آگاہ کیا ہے۔کہ یہ میرے لئے ایک یادگار موقع ہوگا۔محترمہ کسی کو جیتنے دیں۔یہ تو ناممکن تھا۔زین نے جیسے سمجھ کر سر ہلایا تھا۔وہ محسوس کر سکتا تھا۔کہ وہ کیسے جلی تھی۔

اندازہ لگا سکتاہوں۔کس قدر یادگار ہوگا۔بس اللہ اس مرئضہ کو کسی بھی یادگار موقع سے بچائیں آمین۔اس کا طنز بھرپور تھا۔فلک نے خون کے گھونٹ پیئے تھے۔

میں نے تم سے پوچھا تھا۔کہ تھا کہ یہ کس کیس سے منسلک ہے؟دانت پیستے اس نے دوبارہ سے سوال دہرایا۔تو زین نے چونک کر فلک کو دیکھا تھا۔پھر ہلکے سے مسکرایا۔

پانچ چوہوں کے کیس سے۔۔۔آنکھوں میں کوئی عجیب سی چمک تھی۔فلک ایک لمحے کو ٹھہر سی گئی۔

لیکن تم نے تو کہا تھا۔کہ تم اب اس کیس سے نکل چکے ہو۔

ہمم۔۔۔لیکن پراسیکیوٹر صاحب اب بھی میری مدد کے منتظر ہیں۔اور ویسے بھی جب گیند اب میرے کوٹ میں ہے۔تو کیوں نہ اس سے کھیلا جائے۔

نام کیا ہے اس کا؟

کس کا؟اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

تمہاری محبوبہ کا۔فلک نے دانت پیسے تو زین ہنس دیا۔

کونسی والی کا پوچھ رہی ہو۔اس کی رگِ شرارت پھڑکی تھی۔فلک نے دانت پیسے تھے۔

کتنوں کے یاد ہیں؟

آٹھ دس کے۔۔۔باقیوں کے بھول گیا۔کیا کروں نام یاد نہیں رہتے ناں۔

بھاڑ میں گریں سب کی سب۔جا رہی ہوں میں۔سر جھٹکتے اس نے جھٹکے سے اُٹھتے کہا۔اور پھر سرعت سے واپس سیڑھیوں کی جانب چل دی۔

زین نے مسکرا کر اسے جاتے دیکھا تھا۔

بیوی کا نخرہ کبھی کبھی اچھا لگتا ہے۔

کیا کبھی تم کسی ایسے انسان سے ملے؟جس سے پہلی مُلاقات میں تم نے اسے نظرانداز کر دیا ہو۔وہ تمہارے لئے ایک غیر اہم سا شخص ہو۔

لیکن جیسے جیسے تم اسے جانتے جاؤ۔تم اس شخص کی محبت میں مبتلا ہو جاؤ۔اس کے بغیر رہنے کا سوچو تو لگے دل پہلو سے نکل گیا۔اس کے بارے میں سُنو تو دل کی رفتار بڑھ جائے،ہتھیلیاں نم ہو جائیں۔ہونٹ خودبخود مسکرانے لگیں۔آنکھیں اپنا رنگ بدلنے لگیں۔گال سرخ ہونے لگیں۔اور محبت کے اس راز کو عیاں ہونے سے ڈرنے لگو۔

وہ اس کا دل تھا۔جو لاپتا ہو گیا۔وہ شخص اس کے گالوں کی سرخی۔۔۔اس کی آںکھوں کی روشنی تھا۔

اس کو دیکھتے ہی اس کے ہونٹ مسکرا اُٹھتے تھے۔اس کو سوچنے سے دل کی بے چینی حد سے سوا ہو جاتی۔اور اس کے بارے میں سُننا اس کو مسرور کر دیا کرتا تھا۔مگر عجب بات ہے۔۔۔کہ اتنے دن کی دوری کے باوجود وہ زندہ تھی۔اس نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔مگر زندہ تھی۔

کیا کوئی شخص جس کو اس نے ہر لمحہ جیا۔اس سے دور رہ کر وہ زندہ تھی۔؟اس نے خود سے پوچھا تھا۔

کمرے میں اس وقت وہ تنہا تھی۔اور بیڈ پہ سیدھی لیٹی چھت کو دیکھتے سوچ رہی تھی۔اور سوچوں میں صرف ایک شخص تھا۔

صرف اور صرف اس کا نلکؔ عبداللہ۔

خواب میں بچھڑتی ماں دکھتی تھی۔اور حقیقت میں ساتھی۔۔۔

وہ تو تنہا تھی بالکل تنہا۔رونا آتا تھا۔تو تنہا بیٹھی روتی رہتی۔اور پھر جب بہت رو رو کر تھک جاتی تو آنسو صاف کر لیتی۔

مگر ٹوٹے دل کو خود بخود جوڑا کب جا سکتا ہے۔اس کے لئے تو مسیحا کی ضرورت ہوتی ہے۔اور اس پہ تو صرف عبداللہ کی دوا اثر کرتی تھی۔

عبداللہ میری جان۔۔۔اس کے ہونٹ حرکت میں آئے۔اور آنکھوں کے کناروں سے آں‌سو بہہ بہہ کر بالوں میں جذب ہونے لگی۔

کمرے میں بائیں جانب سے آتی کھڑکیوں کے سامنے پڑے دبیز پردوں سے سورج کی ایک لکیر سی نمودار ہو رہی تھی۔جو فرش پہ ایک سیدھی لکیر کھینچ رہی تھی۔اور باوجود کمرے میں جلتے بلب کے وہی نمایاں تھی۔

اس کے آنسوں تیزی سے روشنی کی مانند روانی سے گر رہے تھے۔اور پردوں کے پھڑپھڑانے کی طرح ہونٹ کپکپا رہے تھے۔

دھیرے دھیرے مدھم مدھم۔۔۔

کسی کی یاد میں آں‌سو بہانا شدید اذیت ناک ہے۔

یوں لگتا ہے۔۔۔جسم کے ریشے ریشے کر چھوڑے ہوں۔اور آپ اس تکلیف کو سہنے کے لئے پھر بھی زندہ ہو۔

نمرہ نے کروٹ بدلی اور سسکی روکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

خریت محترمہ؟ وہ باورچی خانے میں چائے کا پانی چولہے پہ چڑھا رہی تھی۔جب زین مسکراتا اندر داخل ہوا تھا۔

اونچی ٹیل پونی میں اس کے کافی رنگ بال جھول رہے تھے۔اور اس نے سیاہ ٹوپ کے ساتھ سفید جینز پہن رکھی تھی۔گلے میں سرخ دوپٹہ تھا۔

زین کی آواز پہ مڑ کر دیکھا تو بال بائیں کندھے پہ جھولنے لگے۔اسکے بال اب

بھی زین کو اچھے نہیں لگتے تھے مگر اب ناپسندیدگی میں کمی آ چکی تھی۔

جبکہ خود وہ سیاہ ٹریک سوٹ میں تھا۔

میں گھر جا رہی تھی۔پھر سوچا جانے سے قبل چائے ہی پیتی جاؤں(اصل میں وہ زین کے ساتھ چائے پینا چاہتی تھی۔جو کہ ابھی ابھی جوگنگ سے لوٹا تھا۔

اس وقت؟

ابھی تو سات بھی نہیں بجے۔۔۔کلائی پہ بندھی گھڑی پہ وقت دیکھتے اس نے قدرِ تعجب سے اسے دیکھا تھا۔جو بس شانے اُچکاتی کرسی کھینچ کر بیٹھ رہی تھی۔زین اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اتنی صبح جانے کا مطلب؟

یہاں کیا نیند اچھی نہیں آئی تھی؟اس کے خاموش رہنے پہ اس نے پھر سے دو مزید سوال کئے تو فلک مسکرا دی۔مگر اس کی جانب دیکھنے سے اجتناب برتا۔

نہیں یہ بات نہیں ہے۔میں بس یوں ہی گھر جانا چاہ رہی تھی۔

تو یہ کونسا کسی غیر کا گھر ہے۔تھوڑی دیر بعد چلے جانا۔کوہنی کو عادتاً میز پہ ٹکاتے اس نے کہا تو فلک نے پلکیں اُٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

زین اس کے دیکھنے پہ مبہم سا مسکرایا تو فلک بغیر جواب دئے اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔اس نے اسے یہ نہیں بتایا تھا۔کہ وہ فیصلہ کر چکی ہے۔

تم آج اتنی چپ چپ کیوں ہو؟

چپ تو نہیں ہوں۔مختصراً اس کی بات کی تردید کرتے اسنے پتی کا ڈبہ اُٹھایا اور جوش کھاتے پانی میں پتی ڈالی۔

زین اُٹھ کر اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا تھا۔

لیکن مجھے لگ رہا ہے

تم بولتی ہو تو لگتا ہے دنیا میں رونک ہے۔چپ ہوتی ہو تو ہر چیز سے خاموشی ٹپکنے لگتی ہے۔اس کی جھولتی پونی کو پکڑ کر اپنی انگلی پہ لپیٹتے اس نے جھک کر اس کے کان میں گویا کوئی دھیمے سے سحر پھونکا تھا۔فلک کے دل کی ایک بیٹ مِس ہوئی تھی۔اس نے ہونٹ کے کنارے کو دانت سے دبا لیا۔

تم نے صبح صبح کونسی قوالی سُننی ہے مجھ سے بتا دو۔میں وہ سُنا دیتی ہوں۔بمشکل مسکراتے اس نے غیر محسوس انداز میں اس کے سامنے سے ہٹتے فریج سے دودھ کی بوتل نکالتے کہا۔تو وہ مسکرا دیا تھا۔عجیب بندہ تھا۔مجال ہے جو کبھی قہقہ لگا دے۔غصے میں چیختا نہیں تھا۔اور خوشی میں قہقہہ نہیں لگاتا تھا۔

زین اسے نظروں کے حصار میں کئے چولہے سے ذرا فاصلہ رکھے شیلف پہ بیٹھ چُکا تھا۔جبکہ وہیں اس کے پہلو میں دھری ٹوکری میں پڑے سیبوں میں سے ایک سیب بھی اُچک لیا تھا۔

تم قوالی نہ بھی گاؤتب بھی گاتی ہی محسوس ہوگی۔

خیر۔۔۔چھوڑو اس بات کو۔فلک نے اسے دیکھا تھا۔

تم نے سوچا کچھ؟

کس بارے میں؟دودھ ڈال کر اب وہ بوتل کو ڈھکن لگا رہی تھی۔زین نے ابرو اُٹھائے۔

ویسے یہ کیا پہن رہی ہو اس بارے میں۔دوبدو جواب دینے پہ فلک نے ابرو اُٹھائے تھے۔

میں نے کب کہا کہ میں اس بارے میں سوچوں گی؟

تو گویا تم نے فیصلہ کر لیا ہے؟اس کو یقین نہیں آیا تھا۔۔فلک نے بےپرواہی سے شانے جھٹکے۔

کہہ سکتے ہیں۔

کہہ نہیں سکتے۔مجھے پکا بتاؤ۔پنتالیس منٹ میں ممی ڈیڈی آ رہے ہیں۔فلک ایک دم سے اس خبر پہ اس کی جانب گھومی تھی۔آنکھیں حیرت سے کھلی تھیں۔جبکہ نیچلا ہونٹ لٹکا۔زین کو ہنسی آئی۔

تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔دبا دبا سا غصہ لئے وہ اس کی جانب بڑھی تھی۔ہاتھ میں کفگیر تھا۔زین نے فوراً ہاتھ ڈیفنس میں اُٹھا لئے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

معاف کر دو۔بھول گیا تھا۔

بھول گئے تھے؟

اتنی اہم بات تم کیسے بھول گئے زین۔تمہیں کب سے پتہ ہے کہ وہ لوگ آ رہے ہیں؟ماتھے پہ بل لئے وہ اس سے ذرا سے فاصلے پہ تھی۔زین نے اس کے ہاتھ سے کفگیر لے لیا۔

وہ دادا کی رات کال آئی تھی۔تم اس وقت شائذ سو چکی تھی۔میں نے سوچا صبح بتا دوں گا۔تم تھکی ہو گی۔

زین پھر صبح ہی بتا دیتے۔آتے ہی تمہیں تو مجھے یہ خبر دینی چاہئے تھے۔اور اب بھی دیکھو۔۔۔کتنے سکون سے بیٹھے ہو۔کولہوں پہ ہاتھ رکھے۔کن اکھیوں سے چائے کو دیکھتے اسنے کہا تو زین نے بس بے پروائی سے شانے اُچکائے تھے۔ساتھ ہی ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔آدھا کھایا سیب وہ پلیٹ میں رکھ چُکا تھا۔

تم ان کی بہو ہو۔وہ تم سے ملنے آ رہے ہیں۔سپیشل تو تم ہو۔میں کیا کروں پھر؟

بہو پہ فلک نے ابرو اُٹھائے تھے۔

تمہیں کیوں یقین ہے۔کہ آنٹی مجھ سے مل کے خوش ہوں گی؟اور اُنہیں اس

ویسے پہ(شادی)کوئی عتراض نہیں ہوگا۔

وہ اس لئے خوش ہوں گی۔کیونکہ میں خوش ہوں۔اور عتراض کا تو جواز ہی نہیں۔میں شرط لگا سکتا ہوں۔تم سے ملنے والا ہر شخص تمہارے سحر میں جکڑا جا سکتا ہے۔

بس میری ماں کو بھی جکڑ لینا اپنے سحر میں۔

تو گویا کوئی پریشانی کی بات نہیں؟وہ اس کے انداز پہ دمبخود ہوئی تھی۔زین نے نفی میں سر ہلایافلک ہنس دی ساتھ ہی اُبلتی چائے کی جانب لپکی۔

ویسے تم پوچھو گی نہیں کہ میں کیوں خوش ہو؟وہ اسے دلچسپی سے دیکھتے پوچھ رہا تھا۔جو اُبلتی چائے کو پھونکیں مار مار کر برتن سے باہر نکلنے سے روک رہی تھی۔

کیوں؟بے توجہی میں پوچھا۔

کیونکہ تمہارا میرے ارد گرد ہونا ایک خوش کن احساس ہے۔

کیونکہ تم میں وہ سب خوبیاں ہیں۔جو کسی بھی اچھے لائف پاٹنر میں ہو سکتی ہیں۔

تم سمارٹ ہو۔

قابل ہو۔

خوبصورت ہو۔

تم مختلف ہو۔اور اس سے بھی بڑھ کر وہ ہو جو تم نظر آتی ہو۔تم ہمیشہ وہ بولتی ہو جو تمہارے دل اور دماغ میں ہوتا ہے۔تمہاری ہنسی بہت خوبصورت ہے۔اور تمہاری آں کھوں کی چمک بالکل کسی ستارے کی طرح۔وہ تو اسے حیران کرتا چلا گیا تھا۔فلک نے ایک نظر اسے بس لمحے بھر کو دیکھا۔اور بغیر مسکرائے۔چائے کپوں میں ڈالنے لگی۔

زین نے مسکراتے شیلف کی جگہ چھوڑی اور کرسی کی جانب بڑھ گیا۔

فلک نے کپ اُٹھائے بسکٹ اور کچھ مزید کھانے کی چیزیں پلیٹ میں سجاتی اس کے سامنے جا بیٹھی تھی۔زین نے ٹرے سے چائے کا کپ اُٹھایا اور پیتے دلچسپی سے فلک کو دیکھنے لگا۔

تم میرے ساتھ خوش رہ لوگے؟میز کو دیکھتے اسنے بہت مدھم لہجے میں پوچھا تو زین نے مسکراتے کپ واپس رکھ دیا تھا۔

مجھے اپنے رشتے پہ یقین ہے فلک۔ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ دوستوں جیسا وقت گزارا ہے۔میں تو حیران ہوتا ہوں اپنی قسمت پہ۔

تمہاری اور میری قسمت ایک فون کال سے جُڑی تھی۔میں سوچتا ہوں۔اگر اس روز میں تمہاری فون کال نہ سُنتا دعوت میں نہ آتا تو کیا ہوتا؟

اور اس سے بھی الگ میں نکاح پہ نہ آتا تو؟

میری جگہ تم کسی اور کا نام لے دیتی تو؟اسے دیکھتےاسی آنکھوں میں خوف تھا۔فلک نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔

پھر شائد میں حنان سے شادی کر لیتی۔کیونکہ مجھے وہاں تمہارے علاوہ اور کوئی مددگار نظر نہیں آیا تھا۔تمہیں دیکھا تو مجھے لگا میں تم ہی وہ شخص ہو جو مجھے اس جگہ اس صورتحال سے نکال سکتے ہو۔پھیکے سے مسکراتے اسنے سوچا تھا۔زین نے چائے کا کپ اُٹھایا اور پینے لگا۔

میرے خیال میں اب تم ممی ڈیڈی سے ملنے کے بعد ہی جانا

نہیں نہیں میں اُن سے وہاں ملوں گی۔وہ حوش میں آئی تو فوراً اپنی جگہ سے اُٹھی تھیزین نے گھڑی دیکھی۔

نہیں اب تک ڈراؤر جا چُکا ہوگا۔میں نے اسے بتا دیا تھا۔بلکہ دادا کو بھی تمہاری موجودگی کا بتا دیا تھا۔

مل کر چلے جانا۔ویسے بھی مجھے یقین ہے۔ممی ڈیڈی کو سب سے پہلے تمہی سے ملنا چاہیے۔اس کی آنکھوں کی روشنی مزید بڑھ گئی تھی۔فلک واپس بیٹھ گئی۔

زین کے والدین سے ملنے کا سوچتے اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔فلک نے ہونٹ کاٹنے شروع کر دیے تھا۔زین اسے ہی دیکھ رہا تھا ہنس دیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

گھبراہٹ؟پوچھا فلک فوراً متوجہ ہوئی۔

نو۔۔۔نہیں۔۔۔آ میرا مطلب ہے۔تھوڑی سی۔اسے سمجھ نہیں آئی کیا جواب دے۔اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

مزے کرو یار۔جیسی ہو ویسی سب کو اچھی لگتی ہو۔اور کہا ناں تمہیں تم ساحرہ کی طرح ہو۔بس یہی کافی ہے۔اس نے تو گویا کام ختم کر دیا تھا۔فلک نے ایک ابرو اُٹھا کر اسے دیکھا۔اور اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

کہاں؟

کمرے میں

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کس کے؟اسے جاتا دیکھ پوچھا تو فلک نے مڑ کر دیکھا تھا۔

اپنے۔۔۔کیوں؟کوئی مسلہ ہے؟

آ۔۔۔نہیں مجھے لگا مس نمرہ کے۔وہ شرمندہ ہوا تھا۔فلک نے گھورا اور پھر واپس باورچی خانے سے نکلتی چلی گئی۔زین نے ہنس کر بالوں پہ ہاتھ پھیرا تھا۔

آسمان پہ گہری تاریکی کسی آسیب کی مانند پھیلی تھی۔ہلکی ہوا اور ہلکی خنکی میں وہ بالکنی پہ کھڑا تھا۔اور ہونٹوں پہ گہری چپ تھی۔

محبت تھی نہیں ملی۔۔۔وہ کب تک روتا۔۔۔وہ تھک چکا تھا۔فلک اپنے شوہر کے ساتھ خوش تھی۔مگر وہ خود۔۔۔وہ خود کہیں بیچ میں لٹک گیا تھا۔شادی ہوئی مگر بیوی۔۔۔وہ ساتھ نہ نبھا سکی۔

یا یوں کہنا چاہئے حنان نبھا نہ کرنا چاہتا تھا۔اور نہ کر سکا۔

بے شک اس نے عتراف کیا تھا۔کہ فلک اور اس رشتے میں ہونے والی کچھ غلطیاں اس کی ہوئی تھیں۔مگر حنان کو احساس ہو چکا تھا۔کہ اصل میں تارا یا آپی سدرہ کا کیا کچھ نہیں تھا۔نہ ہی ماں نے کچھ کیا۔

اصل میں اس نے اپنے اور فلک کے رشتے کو خود ہی خراب کیا تھا۔خود ہی بےاعتباری سے اس نے اپنا اور فلک کا تعلق ختم کرلیا۔اس نے ایک بار بھی تو فلک سے نہیں پوچھا تھا۔کہ حقیقت کیا ہے۔

اس نے ایک بار بھی تو اس سے پہلے فلک کو یقین نہیں دلایا تھا۔کہ وہ فلک پہ بھروسہ کرتا ہے۔اس سے محبت کرتا ہے۔اس نے فلک کو عتماد دیا ہی نہیں تھا۔جس کے تحت وہ حنان پہ بھروسہ کرتی۔اس کو اپنی بات سمجھا پاتی۔

اور جب فلک تنہا تھی۔جب حنان کے پاس موقع تھا۔کہ وہ اس کو یقین دلائے کہ حنان کو اس پہ یقین ہے۔جب ثابت کرنے کا وقت تھا۔تب حنان نے اسے خود ہی بےعتباری کے کوڑے مارنے شروع کر دئے۔یہ تو محبت نہیں تھی۔یہ تو کچھ بھی نہیں تھا سوائے دھوکے کے۔حنان نے گہرہ سانس لیا تھا۔

اسکا تارا کے کندھے پہ سر رکھنا کر رونے کو پہلی بار دل چاہا تھا۔پہلے غصے اور توہین کی وجہ سے وہ کچھ سوچ نہیں پا رہا تھا۔مگر جب بار بار تارا کی عادت نے اس کے دماغ اور دل کو جھنجھوڑنا شروع کیا تو حنان کو آہستہ آہستہ اپنی غلطیوں کا احساس ہونے لگا۔

ہر صبح جب ٹائی باندھنے کی کوشش کرتے۔امی ابو کے بار بار استفسار کرنے اور ہر رات کوفی کی طلب ہونے کے باوجود خاموشی سے فائلوں پہ جُھکے رہنے سے اسے احساس ہو رہا تھا۔اسے اپنی غلطیوں اپنے گناہوں کا احساس ہونے لگا۔

جس طرح شادی کی پہلی ہی رات سے وہ تارا کے ساتھ پیش آ رہا تھا۔اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک اس کے منہ پہ جوتا مار کر جا چکی ہوتی۔مگر وہ نہیں گئ تھی۔اس کی سخت سست سُنتی رہی تھی۔حنان کو اب اس کی خوبیاں بھی نظر آنے لگی تھیں۔

اب جو دل جھک رہا تھا۔تو اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔کہ کس نے کیا گناہ کئے۔

تارا نے کمرے کی کھڑی سے نظر آتے سب سے قریب ترین ستارے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا۔اور تکلیف دے سانس بھری۔

حنان کی تشبیہ اسے اسی تارے میں بنتی نظر آ رہی تھی۔

محبت کے دور چلے جانے نے اسے بہت غمگیں اور غمزدہ کر دیا تھا۔ایک شخص اس کی خوشی اس کے قہقہوں کی وجہ بنتا تھا۔اس کے گالوں کی سرخی اسی ایک

شخص سے آتی رہی ہے اسے پہلی بار احساس ہوا تھا۔

وہ کتنے دن سے مسکرائی نہیں ہے اسے احساس نہیں ہوا تھا۔

عبداللہ؟

کمرے کی نیم تاریکی نے چچی یاسمین کے دل کو دہلا ڈالا تھا۔اُنہوں نے دروازے کا پٹ وا کرتے اسے آواز دی۔جو جائے نماز پہ سر رکھے نہ جانے کب سے بیٹھا تھا۔

آنسو بہت روانی سے نکل نکل کر سجدہ گاہ میں جزب ہو رہے تھے۔اور ہونٹ خشک پتے کی مانند کپکپا رہے تھے۔

آج نمرہ اس کے خواب میں آئی تھی۔

وہ جنگل کے دہانے پہ کھڑا تھا۔اور نمرہ جنگل کے بیچ کسی جگہ کھڑی اسے اونچی اونچی پکار رہی تھی۔یوں لگتا جیسے بہت تکلیف میں ہو۔اور تبھی سے وہ اپنی مردانگی اور حسب نسب بھول کر نہ جانے کب سے بیٹھا رو رہا تھا۔

اس نے کہاں کہاں نہیں اسے ڈھونڈا تھا۔ہر جگہ تلاش کیا۔مگر قسمت میں جدائی جو لکھی ہے وہ تو پوری ہونی ہی ہے

امی کی آواز پہ اس کے وجود میں کوئی رمق بیدار نہیں ہوئی تو وہ تیزی اور کچھ

پریشانی سے اس کی جانب لپکی تھیں۔اور جا کر اس کے قریب ہی زمین پہ بیٹھ گئیں۔

عبداللہ؟ اس کے کندھے کو ہلکے سے دبایا۔۔۔

عبداللہ نے بے چینی سے سر اُٹھایا اور بھیگی برستی آنکھوں سے ماں کو دیکھا۔وہ تو بیٹے کے آنسو دیکھ کر حیران رہ گئ تھیں۔

عبداللہ۔۔۔میرے بچے رو رہے ہو؟

کیا ہوا ہے ؟انہیں تو اپنی آنکھوں پہ گویا یقین ہی نہ آیا تھا۔عبداللہ نے سر ان کے کندھے سے لگایا اور اب کی بار اپنی سسکیوں کو روکنے کی کوئی کوشش نہ کی۔

اس کے رونے میں شدت اور بےبسی تھی۔یاسمین کی آنکھیں بھی بھیگنے لگیں۔

عبداللہ مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے؟کیوں رو رہے ہو؟اس کی پیٹھ کو ہلکے سے سہلاتے انہوں نے بغیر جانے ہی بیٹے کے غم میں روتے پوچھا تو عبداللہ کے ہونٹ لمحے بھر کو بھینچے گئے۔لیکن پھر جب وہ بولا تو الفاظ تکلیف دے تھے۔

اماں میری بیوی نہیں مل رہی۔کیا الفاظ تھے۔یاسمین کے دل کی ایک بیٹ مس ہوئی۔فوراًاسے الگ کیا۔

کیامطلب؟

کیا کہہ رہے ہو سوچ کے بولو۔نہ چاہتے ہوئے بھی ان کو غصہ آیا تھا۔عبداللہ بس ماں کو دیکھتا رہا۔اور پھر اسی پل اس نے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کیا۔

وہ جب بھی ملتی اسے ساتھ یہیں لاتا یہ اس کا فیصلہ تھا۔

جبکہ یاسمین عبداللہ کی باتیں سن کر وہیں ڈھیر ہو گئ تھیں۔انہیں لگا ان کے کانوں سے خون نکلنے لگا ہو۔

اس کے ایک ایک حرف میں چھپی حقیقت ان کے لئے جان لیوا تھی۔

امی میں نمرہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔مگر بےبسی کہ مجھے رہنا پڑ رہا ہے۔وہ کہاں ہے۔اس دنیا میں کہاں دھکے کھا رہی ہے میں نہیں جانتا۔اور افسوس یہ کہ اس سے دور ہوتے ہر دن میں میری محبت اس کے لئے بڑھتی جا رہی ہے۔

میں اس قدر تکلیف میں ہوں کہ سکون کا تصور ہی نہیں ہے۔اس نے کہتے ہوئے ان کے ہاتھ پکڑ لئے تھے۔

تم جانتے ہو تم کس خاندان سے ہو؟ ان کی جانب سے سوال غیر متوقع تھا عبداللہ کے آنسو لمحے بھر کو تھم گئے۔

اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں کس خاندان سے ہوں۔محبت خاندان نہیں دیکھتی خاص طور پہ بیوی سے محبت۔

عبداللہ محبت نہیں دیکھتی مگر دنیا دیکھتی ہے۔اور میں تمہیں ہر گز اجازت نہیں

دوں گی کہ تم یہ سب کرو۔جو چلی گئ اسے بھول جاؤ۔

ان کے لہجے میں بے رحمی تھی۔عبداللہ نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

میں اسے بھولنے والا نہیں زہین میں بیٹھا لیں۔اور اگر اس خاندان کو کوئی بھی عتراض ہوا تو زیہن میں رکھیں۔میں اپنی بیوی کو یہاں سے لے کے چلا جاؤں گا۔ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔اس کا لہجہ بتاتا تھا۔کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔

یاسمین کی آنکھیں بس بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔عبداللہ نے اب خاموشی سے جائے نماز سمیٹا پاؤں میں سلیپرز پہنے اور باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔

فلک کے گھر میں آج خوب شور اور ہنگامہ تھا۔سارا خاندان جمع تھا۔اور سب ہی زین کے والدین اور دادا سے مل رہے تھے۔اس دعوت میں تارا اور حنان کے علاوہ سب ہی موجود تھے۔یہاں تک کہ عبداللہ اور نمرہ بھی۔

نمرہ کو زین کی والدہ نے گہرہ جامنی اور سنہری رنگ فراک تحفے میں دیا تھا۔اور وہی پہن کر وہ زین کے سسرال آئی تھی۔وہاں سب سے اس کا تعرف زین کی کزن کی حثیت سے کروایا گیا تھا۔

کندھوں تک آتے بالوں کو سلجھائے۔کانوں میں گولڈن پرلز پہنے اور باقی ہر قسم کی آرائش سے پاک وہ حسین لگ رہی تھی۔اور اس دعوت کو بڑی حسرت سے دیکھ رہی تھی۔

خوش قسمت تھے وہ لوگ کے ان کے پاس اپنے تھے۔

وہ دلان میں سب سے آخر والے صوفے پہ بیٹھی تھی۔جس کی پشت داخلی حصے کی جانب تھی۔

عبداللہ فل وقت کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر تھا۔اور اس بات سے بالکل انجان کے اس کی منزل اتنی قریب ہے۔

زنیرہ نے صوفے پہ بیٹھی خاموش سی خوبصورت سی لڑکی کو دیکھا۔تو مسکراتی اس کے ساتھ جا بیٹھی۔

کیا آپ بور ہو رہی ہیں؟

وہ کسی گہری سوچ میں تھی۔زنیرہ کے الفاظ پہ چونک گئی اور اس کی جانب متوجہ ہوئی۔ساتھ ہی بروقت پھیکے سے مسکرائی۔

نہیں۔۔۔یہاں سب کے ساتھ بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے۔

ہمم۔۔۔ہماری فیملی کافی مزے کی ہے۔ہیں ناں؟ زنیرہ نے آنکھیں گھماتے کہا تو نمرہ اس کے انداز پہ مسکرا دی تھی۔

ہاں کافی۔۔۔آپ لوگوں کو کافی مزہ آتا ہوگا۔

آتا تو خیر ہے۔

آئیں میں آپ کو حویلی دیکھاؤں۔اپنی جگہ سے اٹھتے اس نے نمرہ کو دعوت دی

تو نمرہ بھی اٹھ گئی۔

حویلی کے چار حصے ہیں۔اور میرے دادا کے سب بچے یہیں رہتے ہیں۔یعنی کے ہم۔آئیں سب سے پہلے بابا سلطان یعنی کے فلک آپی کے بابا کا حصہ دیکھتے ہیں۔مسلسل بولتے اس نے ساری حویلی کی سیر کرواتے ایک لمحے کو بھی نمرہ کو بور نہیں ہونے دیا تھا۔جبکہ جدت اور قدیمیت کے اس خوبصورت امتزاج کی حویلی نمرہ کو بھی اچھی لگی تھی۔

آئیں اب چچا جان کی طرف چلتے وہیں سے پھوپو کے حصے کی جانب چلیں گے۔اپنے حصے سے نکل کر اس نے پیچھلے جانب جاتے کہا تو نمرہ بھی چل پڑی۔وہ آہستہ آہستہ اسے چچا فیضان کے بارے میں بتا رہی تھی۔جب نمرہ عبداللہ کے نام پہ اٹک گئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کے دل میں آیا کہ فوراًپرکھ کر لے مگر پھر سوچا کہ کہیں زنیرہ برا نہ مان جائے تو خاموش رہی اور سہی وقت تلاش کرنے لگی۔

کیونکہ اب دل میں بات بیٹھ چکی تھی۔

فیضان چچا کے حصے میں جابجا تصویریں ٹنگیں تھیں۔اور ہر تصویر میں عبداللہ کو الگ الگ ملبوسات میں دیکھ کر وہ جیسے ابہام کا شکار تھی۔

اسے لگا اس کا وہم ہے۔وہ ایک تصویر کے سامنے رک کر دیکھنے لگی۔گویا دل کو سمجھانا چاہتی تھی۔اس سے قبل کہ کوئی دھچکا لگتا۔

یہ کون ہیں؟ عبداللہ کی جانب اشارہ کیا۔

یہ۔۔۔یہ عبداللہ بھائی ہیں۔فیضان چچا کے دوسرے اور آخری نمبر کے بیٹے۔وہ کہہ رہی تھی جبکہ نمرہ وہ تو گویا محسوس کر رہی تھی۔کہ دنیا گھوم رہی ہے۔وہ فوراًسے زمین پہ بیٹھ گئ۔زنیرہ کو حیرت ہوئی تھی۔

آپ۔۔۔آپ ٹھیک ہیں؟ زنیرہ نے اس کے برابر بیٹھتے اس کا کندھا ہلاتے پوچھا تھا۔مگر الفاظ جیسے ہوا میں رہ گئے اس تک پہنچ ہی نہ پائے تھے۔

تم نے مجھے کال کیوں نہیں کی۔کہ تم آج انکل آنٹی اور دادا جان کے ساتھ آ رہے ہو۔

اپنے کمرے میں اس کے سامنے کھڑے فلک نے انگلیاں چٹخاتے پوچھا تھا۔زین اور وہ آج دو دن بعد مل رہے تھے۔

جس روز زین کے والدین آئے اسی روز شام میں فلک زین لوگوں کی طرف سے آ گئ تھی۔

اس نے زین سے کہا بھی تھا۔کہ جب وہ اپنے والدین کے ساتھ ان کی طرف آنے کا سوچے اسے ضرور آگاہ کر دے۔مگراب ڈیھٹائی سے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔تو فلک کو غصہ آیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں چاہتا تھا۔کہ تم مصنوعات کے بغیر میرے سامنے آؤ۔اس کے بازو کو نرمی سے پکڑ کر مسکراتے اس نے کہا۔تو فلک نے گہرہ سانس لے کے آنکھیں گھومائیں تھیں۔

باتیں مت گھومایا کرو زین۔ہاتوں میں پہنی گھڑی کو کلائی میں اوپر نیچے کرتے اس نے کہا تو زین نے بس اس کے انداز کو دیکھا تھا۔

اچھا معذرت دیں۔اصل میں کچھ خبروں کے مطابق شہروز اکرام کی حرکت نوٹ کی گئ ہے۔اور چونکہ اب ہم جانتے ہیں۔کہ جہاں آرا کا قتل بھی ہوچکا ہے۔اور شہروزاکرام نے کیا ہے۔تو یقیناًاب ہم باہر والوں سے مدد لے کے اسے پکڑ سکتے ہیں۔کیونکہ واقع وقعو پزیر ہی فرانس میں ہوا ہے۔تو عالمی قوانین کے مطابق کاروائی کی جائے گی۔

اور رہی بات اختر قتل کیس اور کسٹم آفیسر قتل کیس کی تو اس کی گواہ بھی نمرہ ہی ہیں۔ان دونوں کا مجرم مان آفندی ہے۔اور اس کا اعتراف ہماری گواہ نے خود سُنا ہے۔تفتیش کا دائرہ کار بھی بڑھایا جا رہا ہے۔وہ بھی کہیں چھپ بیٹھا ہے۔اور اب۔۔۔۔

یعنی قل ملا کر تم مجھے یہ کہنا چاہ رہے ہو۔کہ تمہارے پاس مجھ سے بات کرنے کا وقت نہیں تھا۔گھورتے اس نے اسے بیچ میں ہی ٹوک دیا تھا۔زین نے بس گہرہ سانس لے کے شانے اچکائے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جی بدقسمتی سے ایسا ہی ہے۔

سارے ملک کے کام آپ کر لیں۔باقی۔۔۔

وہ مزید بھی کہنے والی تھی۔جب زین نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اسے چپ رہنے کو کہا تھا۔

کام انسان جب کرتا ہے۔تب یہ دیر سویر ہو ہی جاتی ہے۔اور پھر پولیس والے سے ایک طرف تو آپ امید رکھوکہ محنت سے کام کرے اور دوسری طرف بیچارے کو گھر آنے پہ طعنے مارو۔یہ کہاں کا انصاف ہے۔

طعنے نہیں مار رہی تھی زین۔بس آپ کی غیر ذمہ داری پہ ہلکی سی چوٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔منہ سے ہاتھ ہٹا کر اس نے الزام رد کیا تھا۔زین ہنس دیا۔

نیلے گہرے شلوار قمیض میں زین خوبصورت رنگت اور باوقار شخصیت کے ساتھ ہنستا سیدھا فلک کے دل میں گھر کر گیا تھا۔جبکہ فلک نارنجی اور سفید کڑہائی والے کرتا شلوار میں بالوں کو کھول کر سر پہ ہئر بین لگائے بہت خوبصورت اور اپنی اپنی دکھ رہی تھی۔

باضابطہ طور پر یہ ان دونوں کی پہلی گفتگو تھی۔جو بغیر کسی خاص تلخ کلامی کے ہو رہی تھی۔

نمرہ کے لئے یہ جھٹکا غیر متوقع تھا۔وہ فوراً سنبھلنے کے لئے زمین پہ بیٹھتی چلی گئ تھی۔فاصلے پہ کھڑی زنیرہ کے تو جیسے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔وہ اس کی جانب لپکی۔

نمرہ آ۔۔۔آپ ٹھیک ہیں؟

آپ رو کیوں رہی ہیں؟کیا مسلہ ہے مجھے بتائیں؟نمرہ کے بھل بھل بہتے آنسوں نے اسے پریشان کر دیا تھا۔جبکہ نمرہ کا دل ایک دم سے بہت زیادہ گھبرانے لگا تھا۔زنیرہ جوکہ اس کا ہاتھ پکڑے سہلا رہی تھی۔نمرہ نے اس کے کندھے پہ سر رکھ لیا تھا۔

مم۔۔۔مجھے پپ۔۔۔پانی۔۔۔پانی چاہیئے

پانی د۔۔۔دو۔ماتھے پہ پسینہ بھی چمکنے لگا تھا۔زنیرہ فوراًباورچی خانے کی جانب بھاگی تھی۔

نمرہ کو تو جیسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔کہ وہ عبداللہ کے گھر میں کھڑی ہے۔اس نے دھندلی ہوتی نگاہ سے مسکراتے عبداللہ کی تصویر کو دیکھا۔تو ایک دم سے دل خوشی سے بھرنے لگا۔

جبکہ انگلی میں کی چین گھوماتے عبداللہ نے جیسے ہی راہداری پار کرکے دلان میں قدم رکھا۔اس کے دل اور دماغ کو گویا زور دار جھٹکا لگا تھا۔

سانس جہاں تھی وہیں تھم گئ۔دھڑکن جہاں تھی وہیں رک گئ۔اور نگاہ جہاں تھی وہیں ٹھر گئ۔

زندگی میں اگر کوئی منظر ایسا دلکش تھا۔تو صرف اس کے نزدیک یہ تھا۔

وہ آہستہ سے اپنے ویژن کے زیرِاثر نمرہ کی جانب بڑھا تھا۔جبکہ قدموں کی چاپ پہ زمین پہ بیٹھی نمرہ اس کی جانب متوجہ ہوئی تو وہ بھی جیسے تھم سی گئ تھی۔

مگر یہ تھم جانا تو تو بس دونوں کے لئے لمحے بھر کا تھا۔

وہ فوراًبھری آنکھوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔جبکہ عبداللہ کی نگاہ تو اس سے بھی پہلے نم ہو چکی تھی۔

عبداللہ نے ہاتھ بڑھا کر اپنے ویژن کو چھونا چاہا اور حیرت سے وہ جیسے ساکت ہو گیا۔کہ پہلی بار ویژن میں جان محسوس ہوئی تھی۔پہلی بار لگا تھا۔کہ وہ سامنے کھڑی ہے۔

نم۔۔۔نمرہ؟اس کے لہجے میں حیرت تھی؟

روتی نمرہ نے ہونٹ بھینچ کر سر ہلایا تھا۔عبداللہ کے دل میں آیا کے وہ سب سے پہلے اسے اپنے حصار میں لے لے اور اس کے گلے لگ کر اتنا روئے اتنا روئے کہ ساری دنیا اس کے غم کو محسوس کر لے۔مگر وہ تو جیسے قدم اٹھانے

کے قابل بھی نہ رہا تھا۔

نمرہ اور وہ بس ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔نظروں ہی نظروں سے دل کی پیاس بُجھا رہے تھے۔

عبداللہ کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔اور وہ اس سے فاصلے پہ کھڑا بار بار منظر کے دھندلا ہونے پہ آنکھوں کو رگڑ رہا تھا۔اور یہی کچھ حال نمرہ کا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو جہاں تھے وہیں تھم گئے۔زبان سے لفظ ادا نہیں کئے مگر آنسو۔۔۔آنسو سب بولتے چلے گئے۔

ان دونوں کے آنسو میلے میں بچھڑ کر مل جانے والی ماں کو دیکھ کر جیسے بچے بے لگام بولنے لگتے ہیں بالکل وہی حال ان دونوں کے آنسوں کا تھا۔

ایک دوسرے کا حال پڑھ رہے تھے اور جواب میں اپنا سنا رہے تھے۔

نمرہ نے ہونٹ ہلا کر کچھ کہنا بھی چاہا تو ہلق جواب دے گیا۔

اور عبداللہ جیسے کئ دنوں بعد اپنے پسندیدہ منظر کو دیکھ کر اسی میں راضی تھا۔اسے کچھ کہنے سننے کی حاجت ہی نہ رہی تھی۔

زنیرہ کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔اور وہ حیرت اور کچھ دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔جو اس کے علم کے مطابق پہلی بار ملے تھے۔مگر ایسے لگتا تھا۔جیسے صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

نمرہ آپ ٹھیک ہیں؟

اور عبداللہ تم۔۔۔تم انہیں جانتے ہو؟ان دونوں کے درمیان کھڑے ہوتے اس نے دونوں سے پوچھنا چاہا تھا۔

آپ لوگ رو کیوں رہے ہو؟ میں کسی کو بلا لوں؟

پہلے سوال کے جواب میں خاموشی پاکر اس نے دوسرے سوال پوچھے تو اب کی بار عبداللہ کے وجود میں جمبش ہوئی۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر نمرہ کی جانب بڑھا اور بہت نرمی اور کچھ خیالات کے زیرِاثر کلائی تھام لی۔

اسے کلائی تھامتے لمحے بھر کے لئے خوف محسوس ہوا تھا۔کہ کہیں یہ اس کا ویژن نہ ہو۔

اور نمرہ تو جیسے اس لمحے میں کئ بار جی چکی تھی۔

اس نے بس ہونٹ بھینچ کر اپنی سسکاری کو روکا تھا۔

اسے اس لمحے اپنا ویژن سچ ہوتا محسوس ہوا تھا۔

عبداللہ بھائی؟ زنیرہ نے حیرت سے اسے دیکھا مگر وہ جیسے آج بہرہ ہو چکا تھا۔نمرہ کی کلائی تھامے وہ تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

جبکہ حیرت در حیرت میں جکڑی زنیرہ کو سمجھ نہیں آئی کیا ظاہر کرے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کوئی کسی سے پہلی بار ایسے کب ملا تھا؟

کمرے کا پٹ بند کرنے سے پہلے منہ کھولے کھڑی زنیرہ سے صرف اس نے تین لفظ کہے تھے۔

میری بیوی ہے"اور پھر پٹ سے دروازہ بند کر دیا۔"

باہر اور اندر کے بیچ پردہ حائل ہو گیا۔

وہ اس کی جانب گھوما اور روتی نمرہ کو گہرہ سانس لے کر دیکھا۔

نم۔۔۔نمرہ؟ عبداللہ کے چہرے کو دیکھتے وہ رو رہی تھی۔جب اس نے اس کا نام لیا تھا۔دل کی ایک بیٹ مس ہوئی تھی۔نمرہ نے لمحے کی تاخیر کئے بغیر اپنے اور عبداللہ کے بیچ کا فاصلہ سمیٹا اور سیدھی سسکتی بلکتی اس کے کندھے سے جالگی۔

ایک اکلوتا واحد رشتہ مل چکا تھا۔

عبداللہ اس کے گرد بازو لپیٹے زمین پہ بیٹھتا چلا گیا تھا۔اور اس کے آنسو بھی نمرہ کی ہی طرح بہہ رہے تھے۔

میرے عبداللہ۔۔۔

تم کیسے ہو؟روتے ہوئے اس کے کندھے سے لگی وہ پوچھ رہی تھی۔ساتھ ہی ساتھ عبداللہ کے کندھے کو ہلکے ہلکے سہلا رہی تھی۔جبکہ عبداللہ بس آنسو

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

بہاتے اپنے ہونٹوں سے نکلتی سسکیاں روک رہا تھا۔

عجب امتحان سے گزرے تھے دونوں۔

فلک کے سسرال والے آج آئے تھے؟ کھڑکی سے سر ٹکائے باہر برستی بارش کو دیکھتے تارا نے رسالے پہ جھکی زنیرہ سے پوچھا تھا۔جوکہ اسی کے بلانے پہ اس کے کمرے میں اس کے پاس بیٹھی تھی۔

جی۔۔۔ابھی بھی یہیں ہیں۔عبداللہ کی بیوی والی بات چچی یا سمین کے منع کرنے پہ کسی کو نہ بتائے زنیرہ نے بغیر خواہش کے پردہ رکھ لیا تھا۔مگر صبح کے واقع کے بعد سے عبداللہ کا کریکٹر اور نمرہ دونوں اس کی نظر میں گر چکے تھے۔خیر وہاں ان دونوں کو کب اب کسی کی نظر کی پرواہ رہی تھی۔

اچھا۔۔۔ولیمہ کب ہے؟کھڑکی پہ پڑتے پانی کے قطروں کو گرتے دیکھتے اس نے ایک اور سوال پوچھا تو زنیرہ نے بےزاری سے سر اُٹھا کر بہن کو دیکھا تھا۔

آپ کو اگر اتنی دلچسپی ہے۔توخود کیوں نہیں چلی جاتیں۔ہر وقت بس کمرے میں پڑی رہتی ہیں۔اپنے سسرال کی طرف بھی آپ نے چکر نہیں لگایا۔اور نہ ہی حنان بھائی آئے۔کیابات ہے؟ امی کو بتائیں۔اس طرح سے مسلے کا حل نہیں نکلے گا۔زنیرہ کو جو مسلسل بہن کو دیکھ کر پریشانی تھی۔آخر اس نے آج

پوچھ ہی لی تھی۔

امی سے بھی اس نے تارا کے حوالے سے بات کرنا چاہی مگر تارا نے والدین کو نہ جانے ایسا کیا کہہ دیا تھا۔کہ انہیں کوئی پریشانی ہی نہ تھی۔جبکہ زنیرہ بس اندر ہی اندر حیران پریشان تھی۔اور ایک کھٹکا سا بھی تھا۔کہ کہیں حنان سے لڑ کر نہ آ بیٹھی ہو۔

زیادہ بولو مت۔اور اگر میرے پاس ہونے پہ تمہیں اتنی تکلیف ہے۔تو لو میں چلی جاتی ہوں۔

ہر وقت بس تفتیش۔۔۔دوسروں کی زندگیوں میں ٹانگ اڑانا تو اس حویلی کے افراد کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔اگرچہ زنیرہ کی نیت بری نہیں تھی۔مگر تارا کے ایک دم سے استفسار کے جواب میں بھڑک جانے اور بڑبڑا کر کمرے سے نکلنے پہ زنیرہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

انہیں کیا ہو گیا ہے؟نفسیاتی۔۔۔سر جھٹک کر رہ گئی۔

کمرے سے نکل کر بڑبڑاتے اندر کی بھڑاس نکالتے کچھ سمجھ نہیں آیا۔تو وہ حویلی کی چھت کی جانب چل دی تھی۔

گھر پہ ان تینوں بہنوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔سدرہ اپنے کمرے تھی۔اور زنیرہ سے وہ لڑ کر آئی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

چھت پہ گہرہ اندھیرا اور ٹھنڈی ہوا کے ساتھ تیز بارش نے سردی بڑھا دی تھی۔

مگر اندر کی گھوٹن اور تنہائی کو تو جیسے اس سردی سے فرق ہی نہ پڑتا تھا۔

وہ بارش میں بھیگتی بغیر کسی بھی قسم کی چادر شال کے چھت کے بیچو بیچ زمین پہ بیٹھ گئی۔اور سر گھٹنوں پہ رکھ لیا۔

ٹھنڈ دھیرے دھیرے اس کے وجود میں اترنے لگی۔اور محسوس ہونے لگا۔جیسے وہ صحرا کے لمبے گرم سفر سے ایک دم پرسکون جگہ پہ آ گئی ہو۔

بارش کے قطرے اسے اپنے سر پہ گرتے اپنے دوست اپنے ہمدرد محسوس ہو رہے تھے۔

ترکِ محبت کر بیٹھے ہم،ضبط محبت اور بھی ہے

ایک قیامت بیت چکی ہے،ایک قیامت اور بھی ہے

ہم نے اسی کے درد سے اپنے سانس کا رشتہ جوڑ لیا

ورنہ شہر میں زندہ رہنے کی اکصورت اور بھی ہے

ڈوبتا سورج دیکھ کے خوش ہو رہنا کس کو راس آیا

دن کا دکھ سہہ جانے والو،رات کی وحشت اور بھی ہے

صرف رتوں کے ساتھ بدلتے رہنے پہ موقوف نہیں

اس میں بچوں جیسی ضد کرنے کی عادت اور بھی ہے

صدیوں بعد اسے دیکھا،دل نے پھر محسوس کیا

اور بھی گہری چوٹ لگی ہے،دل میں شدت اور بھی ہے

میری بھیگی پلکوں پر جب اس نے دونوں ہاتھ رکھے

پھر یہ بھید کھلا ان اشکوں کی کچھ قیامت اور بھی ہے

اس کو گنوا کر محسن اس کے درد کا قرض چکانا ہے

ایک اذیت ماند پڑی ہے،ایک اذیت اور بھی ہے

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اس کے حالت پہ عین مصدق تھی یہ غزل۔۔۔تارا کی آنکھیں کب بھیگنے لگیں۔اور کب اس کا وجود کانپنے لگا اسے اندازہ بھی نہیں ہوا تھا۔

ریزہ ریزہ بس اس کا وجود ہوتا بارش کے قطروں میں شامل ہو کر بہنے لگا تھا۔اور درد ایک دم سے بڑھ گیا تھا۔

تاریک رات دھیرے دھیرے اسے اس کے غم کے ساتھ جیسے نگلنے لگی تھی۔تارا نے اپنے دونوں کھڑے گھٹنے فرش پہ بیچھا دئے۔اور ہاتھ چہرے پہ رکھ کر رونے لگی۔اس کی سسکیوں کی آواز بارش میں بھی سنی جا سکتی تھی۔

تم نے قسم کھائی ہے مجھے سکون سے رہنے نہیں دو گی؟سینے پہ بازو لپیٹے۔۔۔بارش میں بھیگتے حنان کھڑا روتی تارا کو دیکھ رہا تھا۔تارا نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

مگر آنکھوں میں بارش کے قطرے پڑنے لگے تو فوراًسر جھکا لیا۔

ساری رات یہیں بیٹھ کر مجھے بدعائیں دینی ہیں۔یا نیچے بھی چلو گی؟

ایک قدم اس کی جانب چلتے اس نے اس کے ٹس سے مس نہ ہونے پہ کچھ ناگواری سے کہا تو تارا کے رونے میں مزید شدت آ گئی تھی۔وہ اسے کتنا غلط سمجھتا تھا۔

میں جب جانا چاہوں گی۔چلی جاؤں گی۔آپ جائیں۔ہونٹ بھینچ کر سسکیوں کا گلا گھونٹتے اس نے روکھائی سے جواب دیا تو حنان نے قدم مزید اس کی جانب بڑھا دئے۔

ہاں مجھے پتہ ہے۔تم بہت ڈھیٹ اور اپنی مرضی کی مالک ہو۔لیکن میں ظالم نہیں بننا چاہتا۔کہ تمہیں سامنے مرتا دیکھتا رہوں۔اور خود آرام سے چلا جاؤں۔اب انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔بولتے بولتے اس کے قریب دوزانوں ہوتے اس نے جیسے اپنی ہمدردی جتائی تھی۔جو تارا کو کانٹے کی طرح لگی۔

فوراًبھڑک اٹھی۔

مجھ جیسی آپ کی ہمدردی کے قابل کیسے ہو سکتی ہے۔

آپ جائیں یہاں سے کوئی آپ سے آپ کی انسایئت کے حوالے سے سوال نہیں کرے گا۔وہ تو خود کو جیسے سزا کے لئے تیار کر چکی تھی۔حنان نے گہرہ سانس لیا۔

انسانیت لوگوں کو دیکھانے کے لئے منافق رکھتے ہیں۔مگر میں منافق نہیں ہوں۔انسانوں کے لئے ہمدردی میرے دل میں ہے۔چاہے اب وہ کوئی بھی ہو۔چلو اب فوراًاُٹھو یہاں سے۔۔۔۔

ویسے تو کر وقت عقل کی باتیں کرتے نہیں تھکتی اور اب کیسے آ کے بارش میں بیٹھ گئ ہے جاہل۔۔۔

اس کے لہجے میں تہزیک نہیں تھی۔مگر تارا کو محسوس ہوئی تھی۔اس کا دل کرچی کرچی ہی تو ہو گیا تھا۔اب نہ جانے اور کتنی بار اس دل کو کرچی کرچی ہوناتھا۔وہ اپنی جگہ سے پھر بھی نہیں ہلی تھی۔

بس کرو تارا۔ہر وقت اپنی من مانی اچھی نہیں ہوتی۔جلدی اُٹھو۔

اور اگر اب تم نہیں اٹھی نا۔تو میں تمھیں اٹھا کے حویلی کی چھت سے نیچے پھینک دوں گا۔تاکہ ایک ہی بار قصہ ختم ہو۔

ہاں تو پھینک دیں۔جسن چھوٹے آپ کی بھی۔اور یقین مانے کوئی سوال بھی

نہیں کرے گا آپ سے۔ملے بغیر روتے ہوئے اسنے کہا تو حنان کو غصے نے ایک دم سے جکڑ لیا تھا۔

وڈیرے کا دماغ تو ویسے ہی آجکل بات بات پہ خراب ہوتا تھا۔فوراًاٹھا۔

تو یعنی تم ایسے نہیں مانو گی۔دانت پیستے اس نے اس کی ڈھٹائی دیکھی۔اور پھر اگلے ہی لمحے تارا کو بازو سے پکڑ کر اس نے ایک جھٹکے سے کھڑا کیا تھا۔

اب سمجھ میں آئے گا تمہیں کہ اصل میں حنان احمد ہے کون۔غصے سے کہتے وہ اسے گھسیٹتا سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔جبکہ ساتھ گھسیٹتی تارا اب پھپھک کر رونے لگی تھی۔اسے خوف تھا۔کہ آج حنان کے قہر سے اسے کوئی نہیں بچا پائے گا۔

مگر حقیقت یہ بھی تھی۔کہ وہ خود بھی اب اختتام چاہتی تھی۔اپنی ذات کا اس کہانی میں اختتام۔

عبداللہ؟

بولو عبداللہ کی جان۔۔۔

تم نے مجھے ڈھونڈا تھا۔لیکن جب تمہیں میں نہیں ملی تو تمہیں کیا لگا تھا؟عبداللہ کے کندھے پہ سر رکھے۔نمرہ فرش پہ بیٹھی اس سے پوچھ رہی

تھی۔جبکہ عبداللہ اس کے گرد بازو لپیٹے اس کے بائیں ہاتھ کو نرمی سے تھامے ہوا تھا۔جس کا بوسہ وہ ساتھ ہی ساتھ وقفے وقفے سے لے بھی لیتا۔

مجھے لگا تھا۔کہ تم کوئی مجھ سے چھین کر لے گیا ہے۔میرا دل میرے اختیار میں نہیں تھا۔اور جو بس مجھے بار بار اسلام آباد اور کبھی پیرس کی طرف کھینچتا تھا۔روح کے بغیر جیسے جسم ہو۔

بینائی کے بغیر آنکھیں ہوں۔اور محبت کے بغیر جیسے دل ہو۔میں تمہارے بغیر بالکل ایسا تھا۔

بولنا اور ہنسنا میں نے چھوڑ دیا تھا۔مجھے تو لگتا ہے۔میری ہنسی ہی تم ہو۔تم نہیں تو عبداللہ کبھی ہنس بھی نہیں پائے گا۔نمرہ نے اس کے الفاظ پہ سر اٹھا کر نم آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔عبداللہ نے بھی اس کی ویران آنکھوں کو دیکھا اور نگاہ چرالی۔

وہ ابھی ساتھ تھی۔وہ مزید نہیں رونا چاہتا تھا۔مگر نمرہ کی کہانی شدید تکلیف دے تھی۔اس کا دل چاہ رہا تھا اسے اپنے بازوں میں چھپائے کہیں دور دنیا کے کسی کونے میں چلا جائے۔اور اس کی یاداشت سے سب برے لمحے نکال دے۔

عبداللہ؟

ٹھک ٹھک۔۔۔۔دروازے کی آواز اور امی کی پکار پہ نمرہ فوراًاس کے کندھے سے ہٹ کر گھبرا کر عبداللہ کو دیکھنے لگی تھی۔

عبداللہ نے ایک گہرہ سانس لیا۔اور کپڑے جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔ساتھ ہی نمرہ بھی اٹھی۔

عبداللہ۔۔۔دروازہ ایک بار پھر سے بجا۔تو عبداللہ نے دروازہ کھول کر ماں کو دیکھا تھا۔

جبکہ یاسمیں بیٹے کی سوجی آنکھیں دیکھ کر حیران سی کھڑی رہ گئ تھیں۔

نمرہ عبداللہ کے کندھے کے پیچھے سے سر جھکائے کھڑی نظر آ رہی تھی۔وہ بھی خاصی روئی دھوئی لگ رہی تھی۔یاسمین نے گہرہ سانس لیا۔

وہاں سن مہمان تم دونوں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔تم دونوں کو کب سے انہوں نے نہیں دیکھا۔میں نے سب سے یہی کہا ہے۔کہ نمرہ ادھر گھر پہ سرد درد کی وجہ سے سو رہی ہے۔اور تم گھر پہ نہیں ہو۔تم اب۔۔۔۔وہ مزید بھی کچھ کہنے والی تھیں۔جب عبداللہ نے ایک افسوس بھری نگاہ ان پہ ڈالتے نمرہ کا بازو پکڑا اور باہر کی جانب چل پڑا۔

یاسمین بیگم کے تو جیسے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔وہ بھی بیٹے کے پیچھے بھاگیں تھیں۔

جبکہ عبداللہ خاموش سے نمرہ کو لئے حویلی کے اگلے حصے کی جانب بڑھ رہا تھا۔اور نمرہ اس سے زیادہ خاموش تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جو ہونا تھا بس آج ہونا تھا۔

بارش میں بھیگتے اس نے نمرہ کے ساتھ جب سلطان بہزاد کے حصے میں قدم رکھا۔تو دل میں کوئی وہم کوئی خوف نہیں تھا۔اور یہ خوف تب بھی نہیں محسوس ہوا جب وہ سب کے سامنے کھڑا تھا۔اور حویلی والے دربار لگائے کھڑے تھے۔

سلطان بہزاد نے اس لمحے خدا کو یاد کیا تھا۔اور غم سے ان کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔کہ جس جس گھرانے نے ان کی نازوں پلی بیٹی کے گالوں پہ تماچے مار رہے تھے۔آج ان کے اپنے گال سرخ تھے۔

عزت کسی کی میراث نہیں ہے۔اللہ کا تحفہ ہے نعمت ہے۔

وہ جب چاہے لے جب چاہے دے۔

حویلی میں سناٹا تھا۔اور نمرہ عبداللہ کے کندھے کے پیچھے کھڑی خاموش آنسو بہاتی سب گھر والوں کی حیرت زدہ نظروں کو خود پہ محسوس کر رہی تھی۔

نمرہ میری بیوی ہے۔اور یہی میری پہلی اور آخری صفائی اور دلیل ہے۔

میں جانتا ہوں کہ اس سے آپ سب بڑوں کو زک پہنچا ہے۔آپ لوگوں کو بہت برا لگا ہے۔مگر میں نے اس صورتحال میں جو بھی فیصلہ کیا بالکل درست

تھا۔اور مجھے اس پہ کوئی پچھتاوا نہیں۔وہ بغیر کچھ سنے کسی کی سب بڑوں کے سامنے سر جھکائے کھڑا کہہ رہا تھا۔

مظفر بہزاد نے گہرہ سانس لیا اور پھر چھوٹے بھائی اور اس کی بیوی کو دیکھا۔فیضان بہزاد کے چہرے پہ حیرت تھی۔جبکہ یاسمین شرمندہ تھیں۔

مجھے تمہارا یہ کزن ہمیشہ سے مشکوک لگتا تھا۔زین سینے پہ بازو لپیٹے فلک کے ساتھ کھڑا تھا۔جب اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔جبکہ فلک کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔کہ کیا ظاہر کرے۔حیرت سے بس منہ کھولے کھڑی تھی۔

"مجھے بھی"

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اچھا منہ تو بند کرو۔کیا صرف ہمارا ہی نکاح واجب تھا؟کوئی بھی کر سکتا ہے۔اس کے کان میں کھسر پھسر متوتر جاری تھی۔جب دادا اور فلک نے اسے ایک ساتھ گھورا تھا۔زین نے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے شانے اچکا دئے۔

دیکھو برخردار جو بھی وجوہات تھیں۔تمہیں چاہئے تھا۔تم ہمیں اس ساری صورتحال سے آگاہ کرتے۔تم نے اپنے گھر والوں کو اس قابل بھی نہیں سمجھا۔ٹھنڈے مگر خشک انداز میں مظفر بہزاد نے کہا تو ابراہیم دادا نے کھنکار کر سب گھر والوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

دیکھو بچو جو بھی ہوا۔سو ہو گیا۔بچے نے غلط کیا۔اسنے بتایا نہیں۔مگر اب یہ سوچو کہ کرنا کیا ہے۔

جو بھی سوچیں سب دادا جان۔مگر میرے علاوہ نمرہ کا کوئی نہیں ہے۔آنٹی جہاں آرا کو ان کے دوسرے شوہر نے مار دیا۔کھڑے کھڑے اس نے ایک اور راز سے پردا اٹھایا تو کچھ دیر قبل جن آنکھوں میں نمرہ اور عبداللہ کے لئے غصہ اور ناپسندیدگی تھی۔تو اب ان میں نرمی تھی۔اور ترحم تھا۔بیگم سلطان نے نمرہ کو نرمی سے بازو سے تھاما اور چلتیں کمرے میں لے گئیں۔کیونکہ وہ آہستہ آہستہ کانپنے لگی تھی۔

عبداللہ چپ ہوا تو زین نے کیسز اور مان آفندی کے حوالے سے سب کو آگاہ کیا تھا۔سب کے منہ کھل گئے تھے۔

میں چاہتا ہوں عبداللہ کے فلحال آپ اس سب سے باہر رہیں۔نمرہ کو آپ پولیس کی نگرانی میں رکھیں۔کیونکہ ان کی جان کو خطرہ ہے۔گواہی تک پردہ رہنے دیں بعد میں آپ ان کو رکھ لیجئے گا۔زین نے گہرہ سانس لے کر عبداللہ کے جزباتی انداز کو دیکھتے کہا تو عبداللہ صوفے سے یوں بدکا جیسے پاؤں پہ سامپ چڑھ گیا ہو۔

یہ نہیں ہو سکتا۔وہ میری بیوی ہے۔میں اس کا خیال رکھوں گا۔اور کوئی گواہی کوئی کیس میں ہم شامل نہیں ہوں گے۔ہمیں اب مزید کسی چیز میں سامل نہیں ہونا۔میں نمرہ کو لے کے یہاں سے چلا جاؤں گا۔بھاڑ میں جائیں سب۔اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔دادا ابراہیم نے گہرہ سانس لے کے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین کو دیکھا تھا۔جو میزید کچھ کہنے والا تھا۔مگر دادا کے دیکھنے پہ خاموش ہو گیا تھا

دیکھو بیٹا۔۔۔حق سچ کا ساتھ دینا اب تم پہ فرض ہے۔

جن مظلوموں کو مارا گیا۔اگر تم ان کے خون کا سوال نہیں کرو گے۔کیونکہ تمہارے پاس طاقت بھی ہے اور جواب بھی تو تم بھی ان کے قتل میں حصے دار بن جاؤ گے۔برائی کو ختم کرنے میں ہستھ بڑاھاؤ۔اللہ تم لوگوں کی حفاظت کرے گا۔

تم لوگ کسی محفوظ مکام پہ چلے جاؤ۔کہیں چھپ جاؤ کچھ دیر کے لئے۔مگر یوں بھاگنا عقلمندی اور انصاف نہیں ہوگا۔دادا نے بردباری سے کہا تھا۔مضفر بہزاد نے دادا ابراہیم کو مشکور نگاہوں سے دیکھا تھا۔یقیناً انہوں نے اچھا مشورہ دیا تھا۔

چچا جان یہ حویلی میں ہی سکون سے رہیں۔حویلی سے زیادہ پرسکون اور کوئی جگہ نہیں ہے۔یہیں رہو دونو۔

اس مسلے کے بعد تم لوگوں کا ولیمہ کر دیں گے۔پھت چاہے جہاں مرضی جانا کوئی منع نہیں کرے گا۔مضفر بہزاد نے بھی مشورہ دیا تو عبداللہ خاموش ہو گیا تھا۔

تمہیں اسے لے کے جانا پڑے گا عبداللہ۔عدالت کی طرف سے آڈرز آئے ہیں۔سنگی بینچ پہ بیٹھے باغیچے میں سوچتے

چہل قدمی کرتے زین نے عبداللہ کو مخاطب کیا تو وہ رُک کر اسے لمحے بھر کو دیکھتا رہا۔

آپ لوگوں نے ابھی تک شہروز کو تو پکڑا نہیں۔اسے پکڑیں تب نمرہ گواہی دے بات بنتی بھی ہے۔

یار نمرہ کی گواہی پہ ہی تو ہم پیرس کی پولیس کو اپنے ساتھ شامل کریں گے۔اور ان کی ایجنسی سے مدد بھی لیں

گے۔پھر ابھی تک ڈیڈ بوڈی بھی برامد کرنی ہے۔بات کو سمجھو۔اور یہ سب تبھی ہوگا۔جب نمرہ عدالت میں پیش ہو۔

زین نے بہت تحمل سے سمجھایا۔تو عبداللہ نے بےبسی سے قدم بینچ کی جانب بڑھا دئے۔

زین بھائی اس کی جان کو خطرہ ہے۔میں۔۔۔۔میں رسک نہیں لینا چاہتا۔مجھے خوف ہے۔کہیں وہ دوبارہ مجھ سے دور

نہ ہو جائے۔عبداللہ کے لہجے میں تھکاوٹ تھی۔زین نے اس کے کندھے کو تھپکا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔وہ میری ذمہ داری ہیں۔میں انہیں مکمل سکیورٹی کے ساتھ لے جاؤں گا۔

دیکھتے ہیں۔عبداللہ اب بھی راضامند نہیں لگا۔زین نے گہرہ سانس لیا۔

اگر تم لوگ عدالت میں پیش نہ ہوا۔تو چند ایک پیشیوں کے بعد کیس بند ہو جائے گا۔نہ ہی ڈیڈ بوڈی برامد ہو گی اور

نہ ہی آلہِ قتل۔بات کو سمجھو۔وہ بندہ بڑے آرام سے باہر گھوم رہا ہے۔اسے فلحال اندر کرنا ضروری ہے۔ساتھ ہی باقی

کیس شروع ہوں گے۔تو وہ بھی اپنا وکیل سامنے لائے گا۔معملہ جلدی حل ہوگا۔کیوں خامخواہ لٹکا رہے ہو۔پریشان نہ

ہو میں اسے اپنی ذمہ داری میں باحفاظت تم تک لاؤں گا وعدہ۔زین کی جان پہ بنی ہوئی تھی۔یہ کیس اس کے لئے

بہت اہم بنتا جا رہا تھا۔مان آفندی پہ آختر کی بیٹی کی پریس کنفرنس کے بعد سے کیس شروع ہو چکا تھا۔اس کی

پیشیاں ہو رہی تھیں۔آجکل وہ جیل میں تھا۔اب نمرہ کی گواہی اور کسٹم آفیسر کی فیملی کے ایف آئی آرا لکھوانے پہ

وہ کیس بھی مان آفندی پہ پڑنے والا تھا۔ساتھ ہی صاحبزادہ حق نواز اور شہروز

اکرام کے نام آنے والے تھے۔مگر بات

تب تھی جب نمرہ گھر سے نکلتی۔وہ جانتا شہروز اکرام جانتا ہے نمرہ پاکستان میں ہے۔لیکن کہاں ہے یہ معلوم نہیں

تھا،۔زین کو اسے باہر نکالنا تھا۔بس مسلہ یہ تھا۔کہ کیسے؟

کب جانا ہے ؟ بائیں جانب کھڑی نمرہ نے ان دونو کو مخاطب کیا تو زین اور عبداللہ نے چونک کے اسے دیکھا تھا۔وہ

کب سے وہاں کھڑی تھی وہ نہیں جانتے تھے۔

عبداللہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔زین بھی اپنی جگہ سے اُٹھا۔

کل۔۔۔کل آپ آپ کو عدالت میں پیش ہونا ہے۔پھر عدالت کے حکم پہ ڈیڈ بوڈی برامد کی جائے گی۔

ٹھیک ہے۔۔۔میں جاؤں گی۔نمرہ کی آنکھوں میں ہلکا خوف اور عتماد کی کمی تھی۔وہ دونو دیکھ سکتے تھے۔زین تو

مطمئن ہوا۔البتہ عبداللہ نے کچھ بےبسی سے اسے دیکھا تھا۔

نمرہ وہاں خطرہ ہوگا۔

عبداللہ مجھے تمہاری سپورٹ کی ضرورت ہے۔پلیز۔۔۔پلیز۔اس نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔عبداللہ کی آنکھیں نم

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہونے لگیں۔

زین نے خاموشی سے قدم اندر کی جانب بڑھا دیے۔یوں تو حویلی کو صرف کیس کے حوالے سے آیا تھا۔مگر ایک دم

سے فلک کو دیکھنے کا دل چاہ رہا تھا۔سو اب وہ اندر جا رہا تھا۔اس کے ہاتھ کی چائے پی کے واپس چلا جائے گا اس

نے سوچا تھا۔

ویسے بھی شام ہونے والی تھی۔اور چند ایک روز میں اس کی فلک کی مہندی تھی۔تو مصروفیت بڑھنے والی تھی۔اسے

کاموں کو جلد از جلد ختم کرنا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم نے بس سوگ ہی منانا ہے۔یا گھر میں ہوتی شادی کی تیاریوں میں حصہ بھی لو گی؟کلائی پہ بندھی گھڑی کو لگاتے

شیشے میں سے تارا کے نظر آتے عکس کو دیکھتے اسنے پوچھا تھا۔تارا پیچھے صوفے پہ بیٹھی تھی۔اور گھٹنوں پہ

جھکی انگوٹھے کو دیکھ رہی تھی۔وہ جب سے واپس آئی تھی۔ایک بار بھی حنان سے مخاطب نہیں ہوئی تھی۔نہ ہی

چچا چچی کے ساتھ بیٹھی۔بس کمرے میں بند۔اسنے تو نمرہ سے بھی ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میں تم سے مخاطب ہوں۔۔۔اب وہ کچھ جھنجھلا کر اس کی جانب گھوما۔مگر پھر سے خاموشی۔

تارا

تارا

تاااااااااراااا۔۔۔۔۔خاموشی

مسز حنان

بیگم۔۔۔بیگم میں آپ سے مخاطب ہوں۔

مائیک ٹیسٹنگ اوور۔۔۔۔مائیک ٹیسٹنگ۔اس کی طرف آکے اس کے سامنے دو زانو ہو کر اسنے شرارت سے کہا تو تارا

نے چہرہ گھٹنو میں چھپا لیا تھا۔وہ اس وقت حنان سے بالکل بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔اور حنان کل سے اسے مخاطب

کرنے کی اور اس سے بات کرنے کی ہر ممکن کوشش کر چُکا تھا۔حنان نے اس کا سر اُٹھا کے سامنے کی کوشش کی۔تو

وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اُٹھی اور پھر بغیر اس کی طرف دیکھے باہر نکل

گئی۔حنان نے گہرہ سانس لے کے

افسوس سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

کچھ نہیں ہو سکتا ان عورتوں کا۔ایک تو غلطی کرتی ہیں۔اوپر سے ہم مردوں کو

ہی رعب دیکھاتی ہیں۔

❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦❦

وہ باہر آئی اور آ کے باغیچے میں بیٹھ گئی۔اسے اس وقت کسی سے بات نہیں

کرنی تھی۔اور نہ کسی کو بتانا تھا۔کہ وہ

کیوں اتنے روز تک اپنے ماں باپ کے گھر پڑی رہی۔یا کیا اس کی اور حنان کی

لڑائی ہوئی ہے۔اسے کسی کو کچھ نہیں

بتانا تھا۔

تارا نے سر کرسی سے ٹکا لیا۔اور آنکھیں موند لیں۔

اکسکیوزمی؟چند پل ہی گزرے تھے۔جب ایک خوبصورت اور مدھر سی آواز اس

کے کانو سے ٹکرائی۔آواز انجان

تھی۔تارا نے فوراً آنکھیں کھولیں۔اور سامنے کھڑی چھوٹے بالوں والی لڑکی کو

دیکھا۔وہ اسے پہلے بھی گھر میں دیکھ

چکی تھی۔اور جانتی تھی عبداللہ کی بیوی ہے۔مگر بات کرنے کی اسنے کوشش

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نہیں کی تھی۔نہ اسے دلچسپی نظر

آئی۔

میں بیٹھ جاؤں یہاں؟وہ پوچھتے وقت مسکرائی نہیں تھی۔تارا کو لگا وہ بہت زیادہ

روئی ہے۔

ہاں کیوں نہیں۔تارا ٹانگیں کرسی پہ چڑھائے بیٹھی تھی۔فوراً واپس نیچے کیں۔

شکریہ۔۔۔نمرہ نے بیٹھتے ہوئے اپنی لمبی ٹخنو تک آتی زرد قمیض کو درست کیا

اور پھر تارا ہی کی طرح پاؤں کرسی پہ

اکٹھے کر لئے۔تارا بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

آپ کا نام کیا ہے؟تارا کو ایک دم سے ہی وہ اُداس سی لڑکی میں دلچسپی نظر

آنے لگی تھی۔نمرہ نے چونک کے اسے

دیکھا اور پھر افسردگی سے مسکرا دی۔

نمرہ ضیا آفندی۔۔۔۔پورا نام بتایا۔تو تارا نے ایک دم سے چونک کے اسے دیکھا

تھا۔نمرہ کو لگا لڑکی کے لہجے میں نفرت

تھی۔

مان آفندی کی بہن؟تارا کو گویا یقین ہی نہیں آیا تھا۔اب کی بار نمرہ نے اسے

بغور دیکھا۔

نہیں۔۔۔صرف عبداللہ کی بیوی۔میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔لہجے کے ساتھ ساتھ اب اسکی آنکھوں میں بھی نفرت تھی۔

لیکن ابھی آپنے مان آفندی کے باپ کا نام لیا تھا ضیا آفندی۔وہی تو ہے۔

نہیں۔آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔

اچھا میں چلتی ہوں۔مزید تارا کے سوالات سے بچنے کے لئے وہ فوراً پاؤں واپس اُتارتی جوتا اڑستی حویلی کے داخلی

حصے کی جانب چل دی تھی۔

شائد وہ فلک کے پاس جارہی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تارا نے بغور جاتی اس لڑکی کو دیکھا۔اور پھر سر جھٹکتے واپس سر کرسی سے ٹکا لیا۔

اس کی خود کی زندگی میں اتنے مسائل تھے۔وہ مزید مسلوں میں پڑنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

السلام علیکم

وعلیکم السلام۔۔۔خیریت؟فلک نے سامنے لگی گھڑی پہ وقت دیکھا جہاں رات کے ڈیڑھ بجے کا وقت نظر آ رہا تھا۔زین عام طور پہ اسے اتنی دیر سے کال

نہیں کیا کرتا تھا۔

سو گئی تھیں؟

زین اس وقت عام طور پہ لوگ سوتے ہیں۔

اچھا۔۔۔شائد۔۔۔میں عام نہیں ہوں ناں اس لئے مجھے نہیں پتہ۔وہ اب مسکرایا تھا۔فلک نے سر اثبات میں ہلاتے اُٹھ کر بیڈ بورڈ سے ٹیک لگا لی۔ساتھ ہی چہرے پہ گرتے بالوں کو چہرے سے ہٹایا۔

ہاں جانتی ہوں۔تمہارا تعلق اُلوں کے قبیلے سے ہے۔وہی رات کو جاگتے ہیں۔

کیا کبھی کوئی دن ایسا آئے گا۔جب آپ مسز زین میری عزت کریں گی؟اس کے ترکی بہ ترکی جواب دینے پہ زین ہمیشہ محظوظ ہوا کرتا تھا۔جواب میں فلک نے آنکھیں گھمائیں تھیں۔

آپ نے خود ہی تو کہا۔آپ عام نہیں۔مجھے لگا شائد پھر آپ اُلو ہوں۔کیونکہ عام طور پہ ہمارے ہاں تو لوگ اس وقت سوتے ہی ہیں۔

اچھا چھوڑو۔تم سے بحث کرکے خود کو ذلیل ہی کروانا۔تم مجھے یہ بتاؤ۔کل کا کیا پلین ہے؟

اگر ایسے بدمزاجی سے بات کرنی ہے تو مجھے کال مت کیا کرو۔

ہیں؟وہ حیران ہوا تھا۔اس نے کب بدمزاجی سے بات کی؟

کچھ نہیں۔۔۔

اچھا یار چھوڑو۔۔۔اچھے میاں بیوی آپس میں جھگڑتے اچھے نہیں لگتے۔تم تو ویسے بھی اتنی پیاری اچھی اور خوش اخلاق ہو۔آخر میں فلک نے واضع اس کی مسکراہٹ محسوس کی تھی۔فلک نے دانت پیسے۔مگر پھر کہا کچھ نہیں۔

بات سُنو۔۔۔کل شام میں ایک چھوٹا سا کام کر دو گی؟

کیسا کام؟ناراضگی سے پوچھا۔

کل ادھر مال میں ایک بُک فیئر ہے۔آ جانا نمرہ کے ساتھ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔وہیں کر لیں گے۔

جو بھی کرنی ہے بات ابھی کرلو۔اب کیا ہے۔اور نمرہ کو لانا شرط ہے کیا؟وہ اس کی بات کا مفہوم نہیں سمجھی تھی۔

یار تم ایک تو سوال بہت پوچھتی ہو۔میں تو اس لئے کہہ رہا تھا۔کہ شائد نمرہ کا موڈ ٹھیک ہو جائے۔اسنے گواہی دینی ہے۔وہ کافی پریشان تھی۔اچھی میزبان ہو۔دوسری طرف وہ خاصا جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا۔

بدمزاج آدمی اگر کام کروانا ہو ناں۔تو تمیز سے بات کرتے ہیں۔مگر خیر میں بھی کس سے کہہ رہی ہوں۔بھاڑ میں جاؤ تم۔۔۔غصے سے اسنے کہا اور پھر کال کاٹ دی۔

ایک تو رات میں کال کی اور اوپر سے اتنی انرومینٹک گفتگو۔ہنہہ۔۔۔

میں نہیں جا رہی۔۔۔اور گواہی تو کل صبح ہے ناں۔۔۔شام میں موڈ فریش کرنے کا مقصد؟بھئی زین کو اللہ ہے سمجھ سکتا۔

بڑبڑاتے اسنے واپس لحاف سر تک تانا اور آنکھیں موند لیں۔

صبح جب اسنے وقت دیکھا تب رات سے آیا میسج جگمگا رہا تھا۔زین نے جگہ اور وقت بھیجے تھے۔

شام چھے بج کر تین منٹ پہ اُنہیں فوڈ کوٹ میں ملنا تھا۔فلک نے سر جھٹکا۔

کچھ دیر میں وہ ویسے بھی نمرہ اور عبداللہ کو لینے آنے والا تھا۔فلک اس کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی۔سو وہیں بیٹھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

رات کے سائے گہرے ہوتے حویلی کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔

حویلی کے تمام افراد سو رہے تھے۔یہاں تک کہ گیٹ پہ بیٹھے گارڈ کی گردن بھی ڈھلکی ہوئی تھی۔

دور کہیں باہر کھیتوں سے گیدڑ کے بولنے آوازیں آ رہی تھیں۔ساتھ ہی کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی سُنائی دے جاتیں۔کہ تبھی کسی نے حویلی کی پائیں دیوار کودی تھی۔گھاس پہ گرنے کی وجہ سے زیادہ دھمک پیدا

نہ ہوئی۔

آنے والے نے سیاہ شرٹ اور سیاہ جیکٹ کے نیچے سیاہ ہی جینز پہن رکھی تھی۔اس کے چہرے پہ ماسک تھا۔جس میں سے صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔یہاں تک کے آنکھوں کے اوپر موجود بھنویں تک پوشیدہ تھیں۔

آنے والے نے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے آگے پیچھے دیکھتے قدم حویلی کے پیچھلے حصے کی جانب بڑھا دیئے۔اور پھر سیدھا عبداللہ اور نمرہ کے کمرے کی کھڑکی کے سامنے جا رُکا۔ان دونو کا کمرہ نیچلے پورشن میں تھا۔اور کھڑکی بائیں جانب تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کھڑکی کی سلائڈ ہٹی ہوئی تھی۔اور سامنے پردے گرے تھے۔

نقاب پوش نے اندر جانے سے قبل ذرا سا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔اور پھر جب دیکھا کے کمرے میں موجود افراد سو رہے ہیں۔تو قدم اندر کمرے میں اتار دیئے۔

میں آ رہی ہوں۔لیکن تین منٹ سے زیادہ بات نہیں سُنو گی تمہاری۔۔۔جو بات کرنی ہے سوچ لو۔مال میں تیز تیز بُکس کے سٹالز کے پاس سے گزرتے فون کان سے لگائے فلک نے زین سے کہا تھا۔نمرہ اس کے ساتھ چلتی کتابیں دیکھ رہی تھی۔

نہیں ابھی مت آنا۔ابھی میں کچھ مہمانوں کے ساتھ ہوں۔تم لوگ وہیں رُکو ۔۔۔کتابیں وغیرہ دیکھو۔میں جب میسج کروں تب آنا۔

کتنی میٹنگز کرنی ہے آج؟

اچھا ٹھیک ہے بعد میں بات ہوتی ہے اللہ حافظ۔۔۔تیزی سے زین نے کال کاٹ دی تھی۔فلک نے پیچھے سے آوازیں سُنی تھیں۔لوگوں کی چمچوں کی۔۔۔

فلک تم نے یہاں سے کچھ لینا ہے؟فلک فون بیگ میں واپس ڈال رہی تھی۔جب نمرہ کی آواز پہ اس کی جانب پلٹی۔

نہیں۔۔۔تم نے؟

نہیں میں کتابوں کی زیادہ شوقین نہیں ہوں۔

اچھا۔۔۔مجھے لگا تھا۔تمہیں کتابوں کو شوق ہوگا۔میں تو اس لئے آ گئی تھی۔

اچھا ایک کام کرتے ہیں۔بوتیکس کا ایک چکر لگا لیتے ہیں۔میں نے ابھی تک رُخصتی کا لہنگا بھی نہیں دیکھا۔ایک تو گھر والوں کو بھی کیا سوجھی ہے۔آرام سے بس ولیمہ کر دیتے۔خاموخواہ ہی اتنے بکھیڑے ڈال دئے۔چلتے ہوئے اس نے بےلاگ تبصرہ کیا تو نمرہ اس کے انداز پہ مسکرائی تھی۔

اچھی بات ہے نا فلک۔۔۔سب کا موڈ اچھا ہو جائے گا۔ویسے بھی میں نے کافی عرصے سے پاکستان میں شادی نہیں دیکھی۔عدالت میں پیشی دینے کے بعد سے

نمرہ کافی مطمئن اور پر سکون لگ رہی تھی۔اور اب تو صبح سے فلک کے ساتھ گھل مل کر باتیں بھی کر رہی تھی۔اور ہر بات میں حصہ بھی لے رہی تھی۔

ہاں یہ تو ہے۔۔۔ویسے تمہاری اور عبداللہ کی شادی پہ زیادہ مزہ آئے گا۔میں نے تو سوچا ہے۔کہ میں اور زین تمہاری طرف سے ہوں گے۔اور تم رخصت بھی ہماری طرف سے ہو کے جاؤ گی۔چلتے ایک بوتیک کا دروازہ دھکیل کر اندر جاتے فلک نے نمرہ کو بتایا تو نمرہ اُداسی سے مسکرائی تھی۔

میں نے یہاں سے ریڈ میکسی خریدی تھی۔بہت خوبصورت تھی۔زین کے گھر پہ ہے۔تم ولیمے پہ وہیں ہو گی نا۔میں تمہیں دیکھاؤں گی۔یہاں کے سب ڈریسز بہت اچھے اور یونیک ہوتے ہیں۔آؤ میں تمہیں دیکھاؤں۔اس کا ہاتھ پکڑتے شاپنگ کی دیوانی فلک ایک ایک سوٹ دیکھانے لگی تھی۔اور نمرہ فلک کے جوش کو دیکھتی محظوظ ہو رہی تھی۔

کہ تبھی شیشے کی دیوار سے نمرہ نے محسوس کیا۔کہ جیسے کوئی ان دونو کو دیکھ رہا ہے۔

آنکھوں پہ سیاہ چشمہ لگائے۔لمبی سی داڑھی میں۔۔۔نمرہ نے اس کی جانب دیکھا تو وہ جواباً مسکرایا تھا۔نمرہ نے فوراً چہرہ موڑ لیا۔ایک دم سے خوف نے اسے اپنے ارد گرد کسی سانپ کی طرح بل دینے شروع کر دیئے تھے۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

فلک۔۔۔وہ۔۔۔وہ آدمی ہمیں دیکھ رہا ہے۔فلک ایک شرٹ کو الٹ پلٹ کے دیکھ رہی تھی۔نمرہ نے اس کا کندھا ہلایا تو فوراً اس کی طرف گھومی۔

کون؟

وہ۔۔۔باہر۔ابرو سے اشارہ کرتے نمرہ نے بتایا تو فلک نے غیر محسوس انداز میں بہت پرسکون ہوتے اس سمت میں دیکھا تھا۔وہاں چشمے والا شخص ابھی تک کھڑا تھا۔فلک کو دیکھتا پا کے اس نے مسکراہٹ اُچھالی تھی۔فلک کا آدھا سانس اوپر اور آدھا نیچے ہی رہ گیا۔

وہ اسے پہچانتی تھی۔یہ۔۔۔یہ تو شہروز کی سیکٹری ماہم کا بوائے فرنڈ تھا۔وہی جس سے فلک پارٹی میں ملی تھی۔زین نے کیسے فلک کی اس سے جان چھڑوائی تھی۔فلک کو آج بھی یاد تھا۔ان لوگوں کی وجہ سے تو اسنے باہر آنا

جانا تک کم کر دیا تھا۔یہاں تک کے اس کو اپنا فون نمبر تک بدلنا پڑا تھا۔چونکہ فلک نے پیچھے کوئی اتا پتا نہیں چھوڑا تھا۔تو ان لوگوں کی رسائی فلک تک نہ ہو سکی۔پھر کچھ فلک کے پیچھے زین کی بھی سپورٹ تھی۔

آؤ یہاں سے چلیں۔نمرہ کا ہاتھ پکڑ کر بیگ سے فون نکالتے فلک نے باہر کی جانب چلتے زین کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

مگر فون دوسری طرف سے مصروف کر دیا گیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

زین کیا مصیبت ہے۔۔۔وہ دونو جب دروازے سے باہر نکلیں تو چشمے والے نے ان دونو کی جانب قدم بڑھائے تھے۔فلک اور نمرہ کی رفتار مزید تیز ہو گئی۔

مس فلک۔۔۔۔

مس؟

ان کے پیچھے آتے وہ آوازیں دے رہا تھا۔مگر فلک جانتی تھی۔وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔اور اس کی بات سُننے کا مطلب تھا اپنے پاؤں پہ خود کلہاڑی مارنا۔

فلک کو اور کچھ سُجھائی نہ دیا تو وہ تیزی سے تیسرے فلور کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔وہاں زین تھا اور زین اسے ان سے بچا سکتا تھا۔وہ کنا کھیوں سے دیکھ سکتی تھی۔کہ وہ ان کے پیچھے ہی آ رہا تھا۔

فلک یہ ہمیں جانتا ہے۔

فلک یہ اب بھی پیچھے آ رہا ہے۔نمرہ کا خوف سے رنگ پھیکا پڑنے لگا تھا۔کچھ دیر قبل کا عتماد بھی ہوا ہو چکا تھا۔

نمرہ پریشان مت ہو۔زین کے ساتھ اس کا کوئی مسلہ ہے۔اسی لئے اب یہ مجھے پریشان کر رہا ہے۔تم بس خاموشی سے چلتی رہو۔یہ ہمیں کچھ نہیں کہے گا۔چل کر دونو فوڈ کوٹ تک آئیں تو آج وہاں معمول سے ہٹ کر کچھ زیادہ ہی رش

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تھا۔

کوئی ایک میز بھی خالی نہیں تھی۔اور فلک نے دیکھا وہاں زین نہیں تھا۔

ایک دم سے جو تحفظ کا احساس اسے ہوا تھا۔وہ غائب ہو گیا۔فلک نے اپنے چاروں طرف گھوم کے دیکھا۔ہر چہرے میں زین کو تلاشنا چاہا مگر وہ وہاں کہیں نہیں تھا۔ایک دم سے فلک کے ہاتھ کانپنے لگے۔

فلک۔۔۔

فلک وہ ہمارے پاس آ رہا ہے۔فلک چلو۔

ہاں چلتے ہیں۔۔۔تیز تیز چلتے اب اسنے مڑ کر فوڈ کوٹ میں دیکھ اور پھر رخ ایک بوتیک جانب کی جانب کر لیا۔

چشمے والا تو گویا ان کا سایا بن چکا تھا۔وہ متوتر ان کے پیچھے چل رہا تھا۔

فلک نے ہاتھ میں پکڑے فون سے دوبارہ زین کو کال ملائی تو اب کی بار پھر سے کال مصروف ملی۔فلک کو غصہ آنے لگا۔

زین اوف اوف۔۔۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا چیخ چیخ کے زین کو بلا لے۔

بھاگم بھاگ دونو بوتیک میں پہنچیں۔اور پھر اندر کپڑوں کے سٹینڈ کے پیچھے چھپ گئیں۔شوپ کی مالک ایک عورت تھی۔جو اس وقت اپنے کسٹمرز کے ساتھ مصروف تھی۔اسنے انہیں اندر آتے دیکھا بھی تو زیادہ دھیان نہیں

دیا۔آجکل ویسے بھی شوپ پہ سیل لگی تھی۔تو معمول سے ہٹ کر زیادہ رش تھا۔

مجھے تم سے اس قدر غیر ذمہ داری کی اُمید ہر گز نہیں تھی زین۔تم نے جب ہمیں وہاں بلایا تھا تو تم خود کہاں غائب ہو گئے تھے؟

تم جانتے بھی ہو میں نے کس قدر مشکلوں سے اس آدمی سے اپنا پیچھا چھڑوایا۔زین کے کمرے میں کھڑے وہ غصے سے بول رہی تھی۔نمرہ کو گھر چھوڑ کر رات میں وہ ڈرائور کے ساتھ زین کے گھر آئی تھی۔زین اپنے کمرے میں تھا۔اور انکل آنٹی دادا کے ساتھ ان کے کسی دوست کے ساتھ کراچی میں تھے۔فلک جانتی تھی تبھی آ گئی تھی۔

فلک آفس سے ایمرجنسی کال آ گئی تھی۔میرا واپس جانا ضروری تھا۔ڈی آئی جی صاحب آئے ہوئے تھے۔اس کے سامنے کھڑا وہ مسلسل اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔مگر فلک کا غصے سے بُرا حال ہوتا جا رہا تھا۔

تمہیں جانا تھا تو بتا تو دیتے کہ تم جا رہے ہو۔

ہاں۔۔۔وہ میں جب پہنچا تو سر مجھ سے کچھ اپڈیٹس لینے لگے تھے۔مصروفیت میں یاد ہی نہیں رہا۔پھر ایک جگہ پہ ریڈ کرنا ہے۔وہاں جانے کی تیاری کی۔بس اسی لئے۔

بہانے تو تمہارے پاس بہت ہیں۔اگر نمرہ کو کچھ ہو جاتا تو؟تب کیا ایسے ہی بہانے بناتے۔

میں جانتی ہوں وہ میرے پیچھے نہیں آیا تھا۔نمرہ کے پیچھے آیا تھا۔اور مجھے ایک بات بتاؤاگر تمہیں مجھ سے بات کرنی ہی تھی۔تو نمرہ کو بلانے کی ضرورت کیا تھی۔تمہیں نہیں پتہ وہ لوگ نمرہ کے پیچھے ہیں۔

یا پھر۔۔۔۔۔ایک منٹ۔۔۔۔بولتے بولتے وہ ایک دم سے رکی تھی۔زین جو بس خاموشی سے سُن رہاتھا چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

تم جانتے تھے وہ نمرہ کے پیچھے ہیں۔اسی لئے تم نے نمرہ کو باہر لانے کا کہا۔تم نے۔۔۔تم مجھے استعمال کیا۔انہیں ٹریپ کرنے کے لئے؟اس کو جیسے سمجھ نہیں آیا جو وہ کہہ رہی ہے وہ سچ ہے۔اس کا دماغ فوراً تردید کرنے لگا تھا۔زین نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔

تم نے مجھے ایسا سمجھ رکھا ہے۔

ہاں میں نے تمہیں ایسا ہی سمجھ رکھا ہے۔اور پلیز یہ ڈرامے کسی اور دیکھانا۔تم شائد بھول گئے ہو۔میں تمہاری پارٹنر تھی۔تم نے یہ سب جانبوج کے کیا۔

نہیں میں نے یہ سب۔۔۔

جھوٹ مت بولو زین۔۔۔میں سمجھ گئی ہوں۔یہ سب تمہاری فضول قسم کی

پلیننگ تھی۔تاکہ تم شہروز اکرام کو باہر نکال سکو۔اور۔۔۔اور شائد وہ یہیں تھا۔پاکستان میں۔۔۔ٹھیک؟

اسی لئے تو تم نے مجھے رات کے دوسرے پہر کال کی تھی۔ورنہ میں بھی سوچوں کے ایسی کونسی اہم بات ہے جو تم مجھ سے کال پہ نہیں کر سکتے

تھے۔آہستہ آہستہ سارے پزلز حل ہونے لگے تھے۔زین نے گہرہ سانس لیا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑتا اس کے ساتھ بیڈ پہ جا بیٹھا۔

یار دیکھو۔۔۔۔مجھے نہیں پتا تم کیا باتیں کر رہی ہو۔ہاں البتہ یہ ضرور سچ ہے۔کہ شہروز اکرام پاکستان میں ہے۔اور کل ہم اسی کی جگہ پہ ریڈ کرنے والے

ہیں۔مال کا جو بھی واقع ہے۔میں اس سے بالکل لاعلم ہوں۔یقین مانو۔میں نہیں جانتا تھا۔کہ میری غیر موجودگی میں یہ سب ہوگا۔فلک کی آنکھوں میں جھانکتے وہ اسے یقین دلا رہا تھا۔مگر وہ بھی جانتا تھا۔اور فلک بھی کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔

یہ سب ایک سوچی سمجھی پلیننگ کے تحت کیا گیا تھا۔اور اس بات کا اعتراف کرنے سے زین گھبرا رہا تھا۔شائد اس لئے کہ وہ فلک کی ناراضگی سے ڈر رہا تھا۔

فلک نے ہونٹ بھینچ لئے اور ہاتھ چھڑاتی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

میں آج کے بات کبھی تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں کروں گی۔

اللہ حافظ۔مختصراً کہہ کر وہ وہاں مزید نہیں رُکی۔تیزی سے نکل آئی۔مگر وہ کن اکھیوں سے دیکھ سکتی تھی۔کہ زین اس کے پیچھے آیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی فلک نے چہرے پہ ہاتھ رکھ کر رکے آنسو کو بہنے کا رستہ دیا تھا۔ڈرائور نے اس کے ساتھ کا دروازہ بند کیا۔اور پھر خود آ کے ڈرائونگ سیٹ پہ بیٹھ گیا۔

چند لمحوں میں گاڑی گھر کی سمت سفر کرنے لگی۔مگر زندگی میں پہلی بار فلک کو اپنے بےوقوف بننے پہ اتنی شدت سے دُکھ ہوا تھا۔وہ اب بھی آج کے واقعہ کے بارے میں سوچتی تو خوف کی ایک لہر اُٹھ تھی۔اور وہ کتنے آرام سے جھوٹ بولے جا رہا تھا۔فلک کی آنکھیں مزیز تیزی سے نم ہونے لگیں۔

سر اب کیا حکم ہے؟

طیب کی کال تھی۔زین نے اس کی غائب ہوتی کار کو دیکھا۔اور پھر واپس طیب کی جانب متوجہ ہو گیا۔

ریڈ کی تیاری کرو۔اور ہاں۔ابھی کسی سے بات مت کرنا۔بس فورس کو تیار کرو۔یہ مت بتانا کہ ریڈ کہاں کرنا ہے۔

جی سر۔

سر وہ فلک میڈم اور نمرہ میڈم خیرت سے گھر پہینچ گئیں؟

ہاں۔۔۔شاباش آج کے لئے۔تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔

شکریہ سر۔

یہ سب سچ مچ پری پلینڈ تھا۔اگرفلک سامنے ہوتی تو وہ زین کو کبھی نہ چھوڑتی۔زین نے سر جھٹکا۔

دونوں جانب سے اختتامیہ کلمات ادا نہیں کئے گئے۔اور کال کاٹ دی گئی۔

زین خاموشی سے چلتا دلان میں صوفے پہ آ بیٹھا۔اور سامنے لگی ایل ای ڈی کو ریموٹ سے آن کیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسے دکھ ہوا تھا۔اسے فلک کو ہرٹ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔اسے چاہیئے تھا۔فلک کو عتماد میں لے لیتا۔مگر خیر۔

فلک؟ کیا کر رہی ہو؟

آئیں امی وہاں کیوں کھڑی ہیں۔وہ بالوں میں برش کر رہی تھی۔جب بیگم سُلطان نے اس کے کمرے کا دروازہ بجاتے اسے مخاطب کیا۔

آج میرے ساتھ مارکٹ چلو۔جوتے وغیرہ دیکھ لینا۔اور ساتھ میں درزی سے مہندی کے کپڑے بھی اُٹھا لیں گے۔ان کے ہاتھوں پہ اوبٹن لگا تھا۔اور وہ شائد اوبٹن مکس کرتیں اُٹھ کے آئی تھیں۔

جوتوں کا آڈر میں نے دے دیا تھا۔اور رہی بات درزی سے کپڑے لانے کی تو اس کے لئے آپ عبداللہ کو بتا دیں۔وہ شاپنگ کے لئے جا رہا ہے۔وہ لیتا آئے گا۔اس کے پاس تو جیسے ہر مسلے کا حل تھا۔

آج اسنے پورا سوٹ نارنجی رنگ کا پہن رکھا تھا۔گلے میں دوپٹا سیاہ تھا۔جس کے اندر چھوٹے چھوٹے پھول نارنجی رنگ تھے۔آج اسے اوبٹن لگنا تھا۔

اور برائڈل ڈریس؟

وہ بھی کل شام میں آ جائے گا۔بالوں کو برش کرنے کے بعد اب فلک ڈرائرر سے سوکھانے لگی تھی۔

ٹھیک ہے۔سمجھ کے سر ہلاتے اُنہوں نے ایک آخری مسکراتی پرسکون نظر اس پہ ڈالی اور واپس مڑ گئیں۔جبکہ فلک نے ان کے جاتے ہی ڈرائر ہاتھ سے واپس ٹیبل پہ رکھ دیا۔

کل کے واقعہ کے بعد سے اس کا سارے فنکشن سے دل اچٹ ہو گیا تھا۔اس کا دل چاہ رہا تھا بس خاموشی سے کمرہ بند کرکے بیٹھی رہی اور کبھی زین کی شکل تک نہ دیکھے۔اسی نے تو اس کی انا کو ہرٹ کیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اسنے بیڈ پہ پڑے فون کو دیکھا۔جس پہ صبح سے زین کی ڈیڑھ سو سے زیادہ کالز آ چکی تھیں۔اور اس نے ایک بھی نہیں اُٹھائی تھی۔اور پھر کندھوں پہ دوپٹا

درست کرتی کمرے سے نکل گئی۔

تارا۔۔۔

جی؟

بیٹا عبداللہ کے ساتھ چلی جاؤ۔نمرہ کی تعبیت ٹھیک نہیں۔اور عبداللہ کو اس کے لئے کچھ چیزیں لینی ہیں۔یاسمین بیگم نے اپنے واڈروب میں گھسی تارا کو کہا

تو وہ ان کی جانب گھومی تھی۔

کیا ہوا نمرہ کو؟

شائد سر میں درد ہے۔۔۔تم عبداللہ کی مدد کر دینا۔تمہاری پسند اچھی ہے۔اور اپنے لئے بھی کچھ لے لینا تم نے بھی کوئی شاپنگ نہیں کی۔چچی کے اندازو

اطوار بالکل بدل گئے تھے۔وہ تو فلک کے ساتھ کئے گئے اپنے روئے کو بالکل بھول گئی تھیں۔

نہ تو کسی نے معافی مانگی اور نہ اس کے بارے میں کسی نے بات کی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

کیا اپنے گناہوں کو بھول جانا اتنا آسان ہوتا؟اس نے سوچا تھا۔

تم جاؤ گی نا؟

جی جاتی ہوں۔

ٹھیک ہے پھر آ جاؤ۔وہ نیچے بیٹھا ہے۔اسے مزید بتا کے وہ وہاں سے چلی گئیں تھیں۔تارا نے گھوم کے کُھلے واڈروب کا وا پٹ بند کیا اور پھر گلے میں ڈالے

دوپٹے کو سر پہ لیتے کمرے سے نکل آئی۔

اس کا جانے کو ذرا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔لیکن پھر بھی وہ مجبور تھی وہ چچی کو انکار نہیں کر سکی۔اور اسے عبداللہ سے بات بھی کرنی تھی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جب وہ نیچے آئی تو حنان اسے چائے پیتا نظر آیا۔عبداللہ اس کے ساتھ بیٹھا فون پہ مصروف تھا۔تارا کو آتا دیکھ کر دونو اسکی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

بھابھی چلیں؟عبداللہ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔تارا نے سر اثبات میں ہلایا۔

سُنو۔۔۔وہ عبداللہ کے پیچھے جا رہی تھی۔جب حنان کی آواز پہ رکنا پڑا۔

یہ لو کریڈ کارڈ اور اپنے لئے شاپنگ کر لینا۔

والٹ سے کریڈ کارڈ نکال کر اسنے میز پہ رکھ دیا تھا۔تارا نے گھوم کے اسے دیکھا۔ساتھ ہی اطراف میں نگاہ دوڑائی۔چچی جان باورچی خانے میں تھیں۔

نہیں چاہئے آپ کی بھیک۔۔۔رکھیں اسے اپنے پاس۔اور پلیز میرے سامنے زیادہ پولائٹ مت بنا کریں۔مجھے آپ کی اصلیت کا اندازہ بہت اچھے سے ہے۔

اللہ حافظ۔۔۔

حیران سے حنان نے آخر میں اپنی مسکراہٹ اس کی جانب اُچھالی تھی۔تارا نے ناگواری سے اسے گھورا اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔

جاہل وڈیرا۔

اس کی آخری بڑ بڑاہٹ اتنی تھی کہ حنان واضح سُن لیتا۔حنان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپانے کو چہرہ جھکا لیا ساتھ ہی میز پہ پڑا کریڈ کارڈ والٹ میں رکھ لیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

عبداللہ

جی؟

چچی کہہ رہی تھیں نمرہ کی تعبیت خراب ہے۔کیا ہوا؟گاڑی میں بیٹھے سامنے دیکھتے اسنے ڈراوٴ کرتے عبداللہ سے پوچھا تھا۔

جی بس سر میں درد ہے۔

او اچھا۔۔اس نے سمجھ کر سر اثبات میں ہلایا۔

ایک بات پوچھوں۔۔

جی پوچھیں؟گاڑی کو موڑتے اسنے مسکراتے لمحے بھر کو تارا کو دیکھا۔اور پھر واپس سامنے دیکھنے لگا۔تارا نے ایک پرسوچ نگاہ سڑک پہ ڈالتے انگلیاں مسلنی شروع کر دیں تھیں۔

نمرہ۔۔۔

نمرہ۔۔۔ماں کی بہن ہے؟وہ خوفزدہ تھی کہ کہیں عبداللہ ناراض نہ ہو جائے۔عبداللہ نے لمحے بھر کو پھر ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔گویا دیکھنا چاہا وہ کتنا جانتی ہے۔

وہ ماں کی سوتیلی بہن ہے۔مختصر جواب دیا۔مزید گویا وہ بتانا نہیں چاہتا تھا سو خاموش رہا۔

او۔۔۔تو۔۔۔وہ تمہارے۔۔۔میرا مطلب ہے تم کیسے جانتے ہو اسے؟

وہ میری بیوی ہے بھابھی۔اب عبداللہ مسکرایا تھا۔جیسے تارا کے سوال سے محظوظ ہوا ہو۔

نہیں۔۔۔میرا مطلب ہے۔کہ کیسے جانتے تھے۔اور نکاح وغیرہ کیسے؟

ہمارا نکاح نمرہ کی مما نے کیا تھا۔اور ماں چونکہ نمرہ کا سوتیلا بھائی ہے۔تو وہی ایسے رشتے کی اونچ نیچ ہوتی ہے۔اسی کے پیشِ نظر مسز جہاں نے اور میں نے

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

سب سے اس نکاح کو چھپایا۔پھر ایک ایکسیڈنٹ میں مسز جہاں کی ڈیتھ ہو گئی۔اور نمرہ لاپتہ ہو گئی۔۔۔ہمارا راطہ کچھ عرصے کے لئے ختم ہو گیا تھا۔اور اب مجھے وہ واپس مل گئی۔آخر میں وہ مسکرایا تھا۔تارا نے بھی جواب میں بس بہم سی مسکراہٹ پاس کی تھی۔

مجھے افسوس ہوا۔مجھے نہیں پتہ تھا۔کہ اس کے ساتھ اتنا کچھ ہوا ہوگا۔کافی مشکل وقت ہو گا،تم دونو پہ تو۔وہ مزید جاننا چاہتی تھی تبھی مزید طول دینے کو کہا تو عبداللہ نے بس سر ہلا دیا۔وہ مزید بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔

جی بہت۔۔۔

گاڑی میں کچھ لمحوں کی خاموشی چھائی رہی۔ایک شرمندہ اور غیر سی شرمندہ خاموشی۔تارا کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔وہ مان آفندی کے بارے میں مزید کیسے جانے اور عبداللہ سوچ رہا تھا۔کہ وہ تارا کے سوالات کو کیسے روکے۔وہ اپنے اور نمرہ کے بارے میں کسی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔شائد وہ اپنے اور اس کے تعلق کو لے کے ہمیشہ سے ہی اتنا حساس تھا یا پھر اب ہو گیا تھا۔

اب بھی وہ نمرہ کو خود ہی مارکٹ نہیں لے کے آیا تھا۔وہ جو لیتا خود ہی لے لیتا وہ اسے یوں رش والی جگہوں پہ لے کے نہیں جا سکتا تھا۔

گاڑی نے اپنا سفر مکمل کیا۔اور ایک مصروف سی سڑک کے ایک جانب مال کے سامنے عبداللہ نے گاڑی روک دی۔تارا نے بھی مزید سوال پوچھنے کا ارادہ

ترک کر دیا۔

✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

سر، بال، گال ہاتھ پاؤں ہر شے پیلی زرد نظر آ رہی تھی۔فلک نے اپنے عکس کو کچھ بےزاری سے شیشے میں دیکھا اور نل کے نیچے ہاتھ لئے دھونے لگا۔

اسے ایسی چیزوں سے ہمیشہ سے ہی اُلجھن ہوتی تھی۔چپکی ہوئی ہلدی خامخواہ ہی بُری لگتی تھی۔اور آج تو خاندان والوں نے کیا مل مل کے اسے مہندی لگائی تھی۔کہ اترنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔اور امی نے بھی اللہ جانے ایسا کیا ڈالا تھا کہ اُترنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔فلک نے گہرہ سانس لیا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

آدھے گھنٹے بعد جب وہ بالوں کو تولئے میں لپیٹے باہر نکلی تو مخصوص کلون اور ایل ای ڈی کی دھیمی سی آواز پہ اسنے صوفے پہ بیٹھے زین کو دیکھا تھا۔جو بڑے مصروف انداز میں فون پہ تیز تیز کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔فلک کے ماتھے پہ بل اُبھرے اسنے کچھ بھی کہے بغیر سامنے بیڈ پہ پڑا دوپٹا کندھوں پہ ڈالا اور سامنے جا کھڑی ہوئی۔

یہ کونسا طریقہ کسی کے کمرے میں آنے کا؟گھر والوں کو پتہ تم ادھر ہو؟لہجے میں واضع اُلجھن تھی۔زین نے فون میز پہ رکھا ، ٹانگ پہ ٹانگ رکھتا اور صوفے کی پُشت پہ بازو پھیلا لیا۔

جب لوگ کالز اٹینڈ نہیں کریں گے، کسی میسج کا جواب نہیں دیں گے۔تو کیا

لگتا ہے۔ایسی صوتحال میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

اور رہی بات گھر والوں کی۔۔۔تو ان کو چھوڑو۔وہ جانتے ہیں۔یہ ہماری دوسری بارہونے والی شادی ہے۔انہیں میرے یہاں آنے پہ کیا عتراض ہوگا۔یہ تو پہلی بار شادی ہونے والے لوگوں کے لئے ہوتا۔

زین میں اس وقت تم سے بات نہیں کرنا چاہتی میرے کمرے سے فوراً نکل جاؤ۔ہاتھ سے دروازے کی جانب اشارہ کرتے اسنے سخت لہجے میں کہا۔مگر زین کے چہرے پہ مسکراہٹ نمودار ہوتی اسے جلانے پہ مجبور کر گئی۔

ورنہ؟

ورنہ کیا کرو گی؟مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دو گی؟اس کے لہجے میں واضع شرارت تھی۔

زین میں تم سے شادی سے انکار نہیں کروں گی۔سیدھا تمہارا قتل کر دوں گی۔اُٹھو اور فوراً نکلو میرے کمرے سے۔۔۔تم جیسے جھوٹے سے میں بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔

اچھا ٹھیک ہے بات مت کرو۔میسج کر دو۔ہم آمنے سامنے بیٹھ کے ایک دوسرے کو میسج کر لیتے۔اس بات کے جواب میں وہ بس اس کے چہرے کی معصومیت دیکھ کر رہ گئی تھی۔

بیٹھ جاؤ۔۔۔کیوں غصہ کھا رہی ہو۔بات کو سمجھو۔مصلیحت کے تحت بولا جھوٹ معاف ہوتا ہے۔

تم اور تمہاری ساری مصلیحتیں مجھے پتہ ہیں۔

اچھا پھر یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔وہ اس وقت ڈھیٹائی کی انتہا پہ تھا۔فلک نے گہرہ سانس لے کے خود کو مزید کچھ سخت کہنے سے روکا۔

تم ایک کام کرو بیٹھو ادھر میں ہی باہر چلی جاتی ہوں۔وہ فوراً دروازے کی جانب بڑھی تھی جب زین اُچھل کر صوفے سے اُٹھا اور جھٹکے سے اس کی کلائی پکڑ کر جانے سے روکا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

دیکھو لڑکی زیادہ جزباتی مت بنو۔آرام سے بیٹھ کے بات سُن لو پھر بے شک چلی جانا۔

تمہیں بس اللہ ہی سمجھ سکتا زین۔وہ دانت پیس کر اسے گھورتے بائیں جانب زین کے صوفے کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔زین بھی واپس بیٹھ گیا۔

دیکھو میں زیادہ لمبی تمہید نہیں باندھوں گا۔اور نہ یہ کہوں گا۔کہ میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا۔

میں نے مصلیحت کے تحت جھوٹ بولا۔لیکن یقین مانو میرے اس جھوٹ سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا تھا۔

ماہم کے بوائے فرنڈ کے پیچھے میرے بندے تھے۔

میں جانتا تھا شہروز اکرام پاکستان میں ہے۔وہ بحری رستے سے ادھر آیا ہے۔ہمیں مخبری ہو گئی تھی۔لیکن مسلہ یہ تھا۔کہ وہ چھپا کہاں ہے۔اور اس کی ٹیم میں کون کون شامل ہے۔ہمیں اس کے ساتھیوں سمیت اسے پکڑنے کے لئے سولڈ پلین بنانا تھا۔

میں نے نمرہ کو گھر سے باہر بلایا اور عبداللہ اس صورت میں مانا کہ اگر نمرہ کے ساتھ وہاں تم بھی موجود ہو۔

شائد وہ اب بھی مجھ پہ بھروسہ نہیں کرتا۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

یعنی عبداللہ کو معلوم تھا؟فلک کو اب مزید غصہ آیا تھا۔

صرف عبداللہ کو نہیں نمرہ کو بھی۔۔۔نمرہ بھی جانتی تھی کہ مال میں سب کچھ پری پلینڈ ہے۔زین اب اپنی مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔اور فلک سوچ رہی تھی۔کہ

اسے فوراً جا کے امی سلطان سے کہہ دینا چاہیئے وہ زین کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔۔لیکن اوف یہ نکاح۔۔۔

او زین۔۔۔تم۔۔۔تم سب۔۔

ہمارا مقصد تمہیں بےوقوف بنانا نہیں تھا۔لیکن جو کام ہمیں تم سے لینا تھا۔وہ ایسے ہی ہونا تھا۔تم کبھی بھی اچھی اداکارہ نہیں تھی۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ مسز کہ ماہم کے بوائے فرنڈ کو ہمیں دیکھانا تھا۔کہ تم اس سے ڈر رہی ہو۔اس لئے ہمارا تمہیں اس سب سے لاعلم ہی رکھنا بہتر تھا۔

میری پوری ٹیم مال کے اندر باہر کے کمیروں کی نگرانی کر رہی تھی۔اور میرے بندے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔

جب شہروز اکرام کے بندے تم لوگوں کے گرد گھیرا ڈالنے لگے عین اسی وقت تم لوگ شوپ میں چلی گئیں۔اور پولیس کو مطلوب لوگ کوئی ایسا کام نہیں کرسکتے تھے۔جس سے ان کا بوس مشکل میں پھنسے۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور جب تم لوگ وہاں سے نکلیں اس سے ہی قبل کسی نے ان کے گروہ میں یہ بات پھیلا دی کہ شہروزاکرام کو پولیس نے پکڑ لیا ہے۔

اور ان بےوقوفوں نے بغیر سوچے سمجھے اس جانب بھاگنا شروع کر دیا۔اور ہم لوگوں نے اپنے بندے ان کے پیچھے لگا دئے۔وہ کہاں گئے، کیسے گئے ہمیں لمحے لمحے کی خبر ہمارے ٹریکرز اور بندے بتا رہے تھے۔

تو یعنی؟

جی یعنی ہم نے شہروز اکرام کو پہلے ہی پکڑ رکھا ہے۔لیکن میڈیا کے سامنے ابھی نہیں لائے۔اسکے بارے میں علم صرف ہمیں ہے اور چند ایک لوگوں

کو۔۔۔چند ایک روز میں وہ خبر بھی میڈیا پہ آ جائے گی۔

تو ریڈ کس لئے؟

ریڈ تو بس یوں ہی ایک۔۔۔

ایک پری پلینڈ شو ہے؟آخری جملہ فلک نے اُچک لیا تھا۔زین نے مسکراتے شانے اُچکا دیئے۔۔۔کہہ سکتی ہو۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔

ہاں اور ابھی تو میں نے تمہیں یہ بھی نہیں بتایا کہ کل میں اور عبداللہ نمرہ کو لے کے ٹیم کے ساتھ پیرس جا رہے ہیں۔اوہ۔۔۔کیا میں نے بتا دیا؟وہ اور اس کی

ڈرامے بازی۔فلک نے دانت پیسے تھے۔

ظاہر ہے تمہیں مجھے کچھ بھی بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔جو جی میں آئے کرو۔دل چاہے تو وہیں رہ بھی جانا۔اور یہ بھی مجھے مت بتانا۔سہی دل کی بھڑاس نکالی تھی اسنے زین ہنس دیا۔

چلو بیگم اب میں چلتا ہوں۔تم تو صرف غصہ کھاتی ہو۔مجھے کہاں چائے پلاؤ گی۔میں اپنی ساس سے ہی کہہ دیتا ہوں۔

اور ساس سے کہنا اندر ایک چمچ زہر ڈال دیں۔

کیوں تم زہر پئیو گی؟اس کی آنکھیں مصنوعی حیرت سے کھلِ گئُ تھیں۔فلک نے ہونٹ بھینچ کر فوراً دروازے کی جانب اشارہ کیا تھا۔

اچھا بھئی جا رہا ہوں ناراض کیوں ہو رہی ہو۔

اللہ حافظ۔۔۔

دل جالنے والی مسکراہٹ اس کی جانب اُچھالتے وہ کمرے سے نکل گیا۔جبکہ فلک نے سر گھٹنوں پہ رکھ کر بمشکل ہی اپنی ہنسی کی آواز کو کمرے میں گونجنے سے روکا تھا۔

⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜⚜

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

نمرہ۔۔۔

جی؟

تم اگر نہیں جانا چاہتی تو مت جاؤ۔اپنے ساتھ زبردستی مت کرو۔نمرہ اپنے لئے کپڑے نکال رہی تھی۔جب عبداللہ کے کہنے پہ کپڑے رکھتی اسکی جانب بڑھی۔

تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے۔کہ میں وہاں جانا نہیں چاہتی؟وہ آج کافی دن بعد اچھی لگ رہی تھی۔مطمئن اور پرسکون۔

کیونکہ جو باتیں تمہاری زبان ادا نہیں کرتی وہ تمہاری آنکھیں کہہ دیتی ہیں۔نمرہ اس کے پاس بیڈ پہ بیٹھی تھی۔عبداللہ کی جھولی میں لیپ ٹوپ تھا۔اور کسی

کام کو کرتے کرتے وہ اس سے باتیں کرنے لگا تھا۔

اور تمہیں میری آنکھوں میں نظر آ رہا ہے۔کہ میں جانا نہیں چاہتی؟

ہاں۔۔۔

تو پھر غور سے دیکھو۔میں نہ جانے کے ساتھ ساتھ جانا بھی چاہتی ہوں۔میرے بُرے خوابوں کا ایک ہی علاج ہے۔اور وہ صرف وہی جنگل ہے۔

جب تک میں اپنی ماں کی بے نام قبر کو نام نہیں دے دیتی، ان کے قاتل اور بہت سے مظلوموں کو انصاف نہیں دے دیتی میں ایسے ہی ہر رات ڈرتی رہوں گی۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور تم جانتے ہو۔میں اب سونا چاہی ہوں۔میں بغیر ڈرے سونا چاہتی ہوں عبداللہ۔اور میرے لئے یہی علاج ہے۔کہ میں وہی کروں جو سہی ہے۔وہ آخر میں

مسکرائی بھی نہیں۔عبداللہ بس اسے دیکھتا رہا۔

ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟

میں دیکھ رہا ہوں۔کہ ایک حادثے نے ہمارے زندگی کتنی بدل دی۔تم پہلے کی طرح نہ تو مجھ سے جھگڑتی ہو۔اور نہ شرارتیں کرتی ہو۔بس سنجیدگی ہے جو

تمہارے ساتھ جُڑ سی گئی ہے۔بالکل کسی سائے کی طرح۔

بدل تو تم بھی گئے ہو۔تم بھی پہلے کی طرح شرارتیں نہیں کرتے۔اور رہی بات حادثات کی تو عبداللہ میں نے اپنی زندگی سے ایک بات سیکھی ہے۔کہ جو لوگ اپنے حادثوں سے نہیں سیکھتے۔پھر وہ کبھی کچھ نہیں سیکھتے۔ایسے لوگ ہمیشہ ناکام ہوتے ہیں۔

لیکن میرا دل چاہتا ہے۔ہماری زندگی پہلے جیسی ہو جائے۔

نہیں۔۔۔پہلے جیسی نا ہو۔پہلے والی زندگی بہت مشکل تھی عبداللہ۔۔اس میں تمہارا ساتھ بہت مختصر تھا۔مجھے یہی زندگی منظور ہے۔یہ ہی میرے لئے سب کچھ ہے۔پلیز ماضی میں لوٹنے کی باتیں مت کرو۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تم جانتی ہو۔میں نے تمہارے بغیر بہت مشکل وقت کاٹا۔۔۔

ہاں میں جانتی ہو۔۔۔تم ہمیشہ سے میرے ساتھ اچھے تھے۔تم نے کبھی مجھے اکیلا نہیں چھوڑا۔میں اپنی ماں کی ہمیشہ احسان مند رہوں۔گی کہ اُنہوں نے

مجھے تمہارے لئے منتخب کیا۔بے شک تم ان کے اچھے فیصلوں میں سے ایک ہو۔وہ اب مسکرائی تھی۔محظوظ سی، معصوم اور خوشی سے بھری

مسکراہٹ۔عبداللہ نے گہرہ سانس لے کے چہرہ واپس لیپ ٹوپ کی جانب موڑ لیا تھا۔

میں اب کام کرنا چاہتا ہوں۔تمہیں اب جانا چاہیے۔

نمرہ اس کی بات پہ مسکراتی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

تم واپس کب آؤ گے؟ اس کے سامنے کھڑی وہ پوچھ رہی تھی۔

صبح ہی صبح وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

سیاہ اونی شرٹ اور سرمئی جینز پہ سیاہ لیدر جیکٹ پہنے۔بال ہمیشہ کی طرح ماتھے پہ جھول رہے تھے۔فلک غلابی لمبی قمیض اور سفید پجامے میں۔کندھوں کے گرد سیاہ شال لپیٹے کُھلے بالوں کے ساتھ اُداس تھی۔مگر بظاہر ہشاش بشاش۔

مہندی کے روز۔۔۔

اس سے پہلے نہیں آ سکتے؟

کیوں تم اُداس ہو رہی ہو؟

او کم آن زین۔۔۔میں نے اس لئے پوچھا ہے۔کہ مجھے ولیمے کا ڈریس ابھی فائنل کرنا ہے۔اگر تم ہوتے تو ساتھ میں کر لیتے۔لیکن چلو۔کوئی بات نہیں میں خود

بھی کر سکتی ہوں۔

تم سے ایک بات پوچھوں۔۔۔؟فلک کی بات کے جواب میں وہ مطمئن سا دیکھتا رہا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پوچھو؟ بلکنی کی جانب چل کر نیچے جھانکتے اسنے اپنے آنسو روکنے اور چھپانے کی کوشش کی تھی۔وہ چند زور کے لئے جا رہا لیکن فلک کو لگ رہا

تھا۔جیسے اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔اس کا دل بیٹھ رہا تھا۔اور وہم ستا رہے تھے۔

تمہیں مجھ سے محبت کب ہوئی؟

وہ اس کی پشت کو دیکھتے بغور پوچھ رہا تھا۔جس نے اس سوال پہ سانس روک لیا تھا۔

وہ لمحے بھر کو برف ہوئی۔اور پھر اگلے ہی لمحے پگھلتی آہستہ سے اس کی جانب گھومی۔۔۔

یہ کیسا سوال ہے؟ہنسی۔۔

اچھا سوال ہے۔چلو اب بتاؤ۔

اس سوال کا جواب دینا کیا ضروری ہے؟

ہاں۔۔۔یوں سمجھ لو میرا آخری تحفہٰ۔مسکرا کر کوئی کسی کی جان کیسے نکالتا ہے۔فلک کو پہلی بار احساس ہوا تھا۔اسنے ہنستے ہوئے چہرہ موڑ لیا۔کھوکھلی

ہنسی کتنی مشکل ہنسی ہوتی ہے۔اسے اس بات کا ادراک پہلی بار ہوا تھا۔

آخری تحفہٰ کیوں؟ اس کے بعد تمہیں مجھ سے کچھ نہیں چاہئے؟اب وہ اس کی

جانب گھومی تھی۔زین نے آنکھیں سکیڑیں۔پلکیں جھپکے بغیر وہ اسے دیکھ رہا تھا۔اور فلک کو محسوس ہوا جیسے وہ اس کے آر پار دیکھ رہا ہو۔

چلواس سوال کا جواب میں دیتا ہوں۔میں تمہیں بتاتا ہوں مجھے تم سے اُنسیت کب ہوئی۔اور وہ اُنسیت محبت میں کب بدلی۔

میرے خیال میں تمہیں جانا چاہیۓ۔تمہیں دیر ہو رہی ہوگی۔وہ اس کی کوئی ایسی بات نہیں سُننا چاہتی تھی۔جو اس کے دل کو اس کے پیچھے سے تکلیف یا وہم میں ڈالے رکھتی۔محبت کے اعترافات بیچھڑتے لمحوں میں کئے جائیں۔تو عذاب محض چند روز کا نہیں ملتا۔ساری زندگی کی تکلیف ہوتی ہے۔

اُنسیت تو تب ہوئی تھی۔جب میں نے تمہیں پہلی بار دعوت میں دیکھا تھا۔جب ایک جھگڑالو سی لڑکی مجھ سے ٹکرائی تھی۔اور محبت تب ہوئی۔جب میں نے

اپنی گاڑی میں نکاح کے بعد تمہیں ضبط کرتے دیکھا۔

میں تمہیں دانٹ رہا تھا۔اور تم تحمل سے اپنے مزاج کے بالکل مختلف سب سُن رہی تھی۔مجھے پہلی بار محبت کا احساس تب ہوا۔اور جانتی ہو۔میں زیادہ غصہ تم پہ ہوا بھی اسی وجہ سے تھا۔مجھ سے براداشت نہیں ہو رہا تھا۔کہ میں تمہارے سامنے ایسے کسی جزبے کے زیرِ اثر جُھکوں۔جس کی وجہ سے میری اور میرے خاندان کی سبکی ہوئی۔لیکن پھر جب تم میرے سامنے رہی۔تو میری وہ

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

جنجھلاہٹ اور غصہ بھی جاتا رہا۔

میں نے ایک آزادی کے ساتھ تم سے محبت کی اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔یقیناً یہ تمام جملے فلک کو اس وقت خوشی نہیں دے سکتے تھے۔وہ وہاں کھڑی رہی اس کی جانب پشت کئے۔بس باغیچے کے گھاس کو دیکھتی رہی۔آنسو آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں سے نکلتے رہے۔وہ وہاں چند پل کھڑا اس کے تاثرات کا منتظر رہا۔اور پھر فلک نے اس کے جاتے قدموں کی دھمک سُنی۔

وہ جا رہا تھا۔وہ اس کی جانب دیکھنا چاہتی تھی۔وہ اسے روکنا چاہتی تھی۔اسے کہنا چاہتی۔اس اعتراف کے بعد اسے جانا نہیں چاہیئے۔ورنہ کچھ لمحے ہمیشہ انسان کو قید کئے رکھتے ہیں۔جن سے آزادی ناممکن ہے۔مگر وہ نہ اس کی جانب دیکھ سکی۔اور نہ کچھ کہہ سکی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

اور وہ چلا گیا۔۔۔۔

اونچے اونچے درختوں میں برف کے گالے آج بھی برستے اس کے سیاہ کوٹ کے کالر اور اس کے چھوٹے بالوں پہ پڑ رہے تھے۔خوف سے ہاتھ اور ہونٹ آج بھی کانپ رہے تھے۔مگر آج دل میں ایک سکون بھی تھا۔

سکون تھا۔۔۔کہ اب اس کی ماں کو بے نام نہیں رہنا پڑے گا۔کوئی ہوگا جو اُنہیں یاد کرے گا۔ان کی قبر پہ پڑھنے والا ہوگا۔کوئی ہوگا جو ان سے اس تنہا

گہری

اور سیاہ قبر میں باتیں کرنے والا ہوگا۔

قبر میں سے جب ٹیم نے جہاں آرا کو باہر نکالا۔۔۔تو سوائے ہڈیوں۔۔۔اور بہت ہلکے ہلکے گوشت کے ریشوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔جو ان کے کبھی زندہ ہونے کی علامت ہوتا۔

ان کا جسم گل سڑ کر مٹی میں شامل ہو چکا تھا۔نمرہ نے چہرہ عبداللہ کے کندھے کی جانب موڑ لیا۔اور ایک سسکی لی۔

نمرہ آپ کا بہت شکریہ۔

اب آپ جا کے گاڑی میں بیٹھ جائیں۔ہم لوگ آ رہے ہیں۔زین اس کی حالت سمجھ رہا تھا۔اسنے عبداللہ کو اشارہ کیا۔تو وہ نمرہ کو بازو کے ہالے میں لئے جنگل سے باہر سڑک پہ کھڑی پولیس کار کی طرف چلنے گا۔

درختوں پہ پڑتی برف درختوں کی سفید پوشاک لگ رہی تھی۔

برفباری کے ساتھ جب ہلکی ہوا بھی چلتی تو ٹھنڈ کی ایک نفیس سی لہر ریڑھ کی ہڈی سے اُٹھتی تھی۔

نمرہ نے ایک سہمی ہوئی نظر اطراف میں دیکھا اور سختی سے ہاتھ عبداللہ کے بازو کے گرد لپیٹ لئے۔عبداللہ نے گہرہ سانس لیا۔

نمرہ پریشان مت ہو۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ہم بس گاڑی میں بیٹھ رہے ہیں۔اور پھر وہاں سے ہوٹل اور پھر کل واپس پاکستان۔۔۔تمہیں یہاں زیادہ دیر نہیں رُکنا پڑے گا۔

چلتے اسنے نرمی سے کہا۔تو نمرہ نے بس سر ہلا دیا تھا۔

وہ سو رہی تھی۔جب اس کی نیند میں بھاری بھرکم آواز نے خلل پیدا کیا۔اور وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھی۔

اس کے کمرے کا زیرو پاور بلب چل رہا تھا۔اور کمرے کی تمام کھڑکیاں بند۔

فلک نے مندی مندی آنکھوں سے آواز کو سمجھنے کی کوشش کی۔اور پھر سمجھ آنے پہ کچھ جھنجھلاتے ہوئے فون سائڈ ٹیبل سے اُٹھایا۔

فون میں ایک کونے پہ صبح کے پانچ بجے نظر آ رہے تھے۔اور سامنے زین مصطفٰی کا نام بڑے بڑے حروف میں جگمگا رہا تھا۔

فلک کی آنکھیں ایک دم پوری کی پوری کھلیں اور ایک خوبصورت اور پر سکون مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کے گرد طواف شروع کر دیا۔

کتنے عرصے بعد آج اسے حقیقی خوشی محسوس ہوئی تھی۔

وہ آ گیا تھا۔جس کی فکر میں اسنے پیچھلے روز گزار دئے تھے۔

وہ آ گیا تھا۔جس کی یاد میں اسنے ہر پل گزار دیا تھا۔اسنے مسکراتے ہوئے کال اُٹھائی اور فون کان سے لگا کر واپس لحاف میں چھپ گئی۔

آج ان کی مہندی تھی۔اور وہ سوچ چکی تھی۔وہ زین سے بات نہیں کرے گی۔اور نہ اس کو چہرہ دکھا گی۔وہ مسکرائی تھی۔

السلامُ علیکم۔۔۔پھولے سانس کے ساتھ سلام پیش گیا۔

وعلیکم السلام۔وہ سمجھ گئی وہ بھاگ رہا تھا۔اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

سو رہی تھیں؟

ظاہر ہے۔۔۔اس وقت۔۔۔۔

اس وقت شریف لوگ سوتے نہیں ، عبادت کرتے ہیں۔اسنے اسے اس کی پیچھلی بات کا حوالہ دیا تو فلک نے آنکھیں گھمائیں۔

تم نے یہ پوچھنے کے لئے فون کیا تھا؟

نہیں۔۔۔بس یہ بتانے کے لئے فون کیا تھا۔کہ میں واپس آ چُکا ہوں۔اور۔۔۔

ہاں مجھے پتہ ہے۔نمبر دیکھ کے ہی پتہ چل گیا تھا۔پیچھلے طنز کا اثر تھا۔کہ فلک نے اب کی بار خشک انداز میں کہا تھا۔

سُنو۔۔۔اگر اگلا بندہ کچھ کہہ رہا ہو نا۔تو چپ کرکے پہلے اس بیچارے کی سُن لیتے ہیں۔کیا پتہ وہ ٹھنڈ میں باہر کب سے کھڑا ہو۔

مطلب؟وہ تیزی سے اپنے لحاف سے باہر نکلی تھی۔

مطلب یہ کہ۔۔۔تمہارے کمرے کی بلکنی بند ہے۔پلیز باہر آ جاؤ۔لہجے سے لگا جیسے وہ کچھ جھنجھلایا تھا۔

تم میری بلکنی پہ ہو۔؟جوتا تیزی سے پاؤں میں اڑستے وہ تیزی سے بستر سے نکلی تھی۔

نہیں !اب تو گیٹ کے باہر ہوں۔

کیا؟

تم پاگل تو نہیں ہو۔اتنی صبح یہاں کیا کر رہے ہو؟

کام تھا۔اسی لئے آیا تھا۔سوچا تمہیں بھی جگا دیا جائے۔

اب تم آ رہی ہو یا میں جاؤں؟

آ رہی ہوں۔دو منٹ رُکو۔

ٹھیک۔۔۔

کال کاٹ کر فلک نے تیزی سے فون بیڈ پہ پٹخا۔۔۔اور سر جھکا کر اپنا حولیہ دیکھا۔

شکن آلود غلابی شلوار قمض اور بکھرے بال۔

کیا مصیبت ہے۔۔۔بڑبڑاتے کچھ جھنجھلاتے اس نے تیزی سے واڈروب کھولا اور سامنے ہی لٹکے سفید فراک کو کھینچ کر باہر نکالتی باتھ روم کی جانب بھاگی۔

باہر نکلی تو اس کے بال برش تھے۔اور وہ فراک کا سفید ہم رنگ دوپٹا درست کرکے کندھوں پہ ڈال رہی تھی۔

اسنے جلدی سے پاؤں میں سینڈل اڑسی اور پھر موبائل بیڈ سے اُٹھاتی باہر بھاگی۔

وہ اسے اپنی شکل نہ دِکھانا۔اور اس کی شکل نہ دیکھنے کے تمام عہد بھول چکی تھی۔۔۔ساری حویلی اس وقت خاموشی تھی۔اور گیٹ کھلا تھا۔۔۔شائد گھر کے مرد حضرات مسجد سے واپس نہیں آئے تھے۔

اندھیرا بھی ابھی تک چھٹا نہیں تھا۔اور آسمان پہ ایک جانب چاند چمک رہا تھا۔فلک نے باہر نکلنے سے پہلے سر باہر نکال کر جھانکا۔

وہ گیٹ سے ذرا ہٹ کر بائیں جانب کھڑا تھا۔اور اپنے فون پہ مصروف تھا۔شائد بور ہو رہا تھا۔

وہ بھی تو دو منٹ کا کہہ کر دس منٹ بعد آ رہی تھی۔

فلک نے ایک بار پھر سے بال ہاتھ سے درست کئے اور پھر باہر نکل آئی۔

اس کے سینڈل کی آواز بہت زیادہ نہیں تھی۔بس ہلکی سی۔۔۔

زین نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا۔اور ہنس دیا۔

اسے صبح ہی صبح سامنے دیکھ کر فلک کو بہت خوشی ہو رہی تھی۔

وہ اپنے ٹریک سوٹ میں تھا۔اور ہمیشہ کی طرح بال جیل اور کسی بھی قسم کی آرائش سے پاک بس یوں ہی ماتھے پہ گر رہے تھے۔فلک کو آتا دیکھ کر اسنے فون واپس جیب میں رکھ لیا تھا۔

اتنی صبح صبح یہاں؟ حیرت اور بظاہر کچھ جھنجھلاہٹ میں پوچھا تو زین نے جواب میں ابرو اُٹھائے۔

تم میرے آنے کا انتظار نہیں کر رہی تھی؟

اور تمہیں کیوں لگتا کہ میں کروں گی؟اب فلک نے سینے پہ بازو لپیٹ لئے تھے۔چہرہ سے خاصی سنجیدہ۔

تیاری سے تو یہی لگ رہا۔ٹارچ آن کرکے اب کی بار اسنے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا تھا۔فلک کو انتہا کی شرمندگی نے گھیرا۔

کیا بدتمیزی ہے۔وہ صرف اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

چلو چھوڑو۔۔۔ناراض کیوں ہوتی ہو۔اچھی لگ رہی ہو۔آؤ چلیں۔وہ دیکھ سکتی تھی۔وہ مسکرا رہا ہے۔فلک کا دل چاہا وہیں بیٹھ کر رونے لگے۔اس بندے نے آتے ہی بےعزت کر دیا تھا۔کیا تھا جو یہ سب نہ کہتا۔

ہاں وہ۔۔۔رات میں ایک دعوت پہ۔۔۔گئی تھی نا۔تو بس ویسے ہی انہی کپڑو میں سو گئی۔اور اب صبح اُٹھ کر ویسے ہی آ گئی۔کیوں تمہیں کوئی عتراض؟

زین چلنے لگا تو وہ بھی ساتھ چلنے لگی۔

حویلی کے سامنے سڑک تھی۔جو سیدھی گاؤں کی جانب جاتی تھی۔ایک جانب گاؤں اور دوسری طرف کھیت۔ان کو کھیت میں جانا تھا۔

نہیں مجھے بھلا کیا عتراض ہوگا۔بس پہلی بار دیکھ کے لگا تھا۔شائد تم اتنی صبح کسی کے ساتھ ڈیٹ پہ جا رہی تھی۔اور میں نے پلین خراب کر دیا۔چلتے اسنے اب کی بار واضح مسکراہٹ اُچھالتے کہا۔تو فلک نے بہت مشکل سے کوئی سخت جملہ کہنے سے خود کو روکا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پیرس میں کافی ٹھنڈ تھی؟غیر متوقع سوال پوچھا گیا تو زین نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔اور ماتھے پہ شکن تھے۔وہ واپس سامنے

دیکھنے لگا۔

ہاں کافی۔۔۔

اسی لئے دماغ پہ اثر ہوا لگ رہا۔وہ بھی تو فلک تھی۔کہاں اُدھار رکھتی تھی۔اب کی بار اس جواب پہ زین نے چہرہ جھکا کر مسکراہٹ روکی۔

رات کی دعوت کے کھانے میں مرچیں تیز تھیں؟

تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ؟کوئی بات نہیں کرنی۔تو میں جاؤں؟وہ اب مزید بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔

وہی دکھانے لے جا رہا ہوں۔۔۔کھیت کی جانب چلتے سڑک سے اُتر کر اب وہ لوگ پگڈنڈی پہ چلنے لگے تھے۔پگڈنڈی کے طرف سرسوں کے پھول اور دوسری طرف گنوں کی فصل کھڑی تھی۔فلک نے کچھ تعجب سے اسے دیکھا۔اور پھر اپنے اطراف میں۔

بائیں جانب سرسوں کے پھول دور دور تک پھیلے صبح ہی صبح تروتازہ اور بہت دلکش لگ رہے تھے۔سبز اور سنہری رنگ کا خوبصورت امتزاج جو آنکھوں کو سکون دے رہا تھا۔اب کی بار اس کے سخت عصاب کچھ ڈھیلے پڑنے لگے۔وہ بھم سا مسکرا دی۔زین اس کے آگے آگے چل رہا تھا۔اور پیچھے مٹی پہ اپنے قدموں کے نشان چھوڑتا جا رہا تھا۔فلک مسکراتی اس کے قدموں پہ قدم رکھ رہی تھی۔

چند منٹ چلنے کے بعد۔وہ دونوں سرسوں کے کھیت کے سامنے جا رُکے۔زین نے مڑ کر اسے دیکھا۔اور پھر مسکرا کر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

فلک اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

سامنے دیکھا۔۔۔۔

آسمان کے دامن سے نارنجی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔اور لگ رہا تھا۔جیسے

آسمان کوئی سمندر ہو۔۔جس کے پانی میں کسی نے نارنجی رنگ پھیک دیا ہو۔جو آہستہ

آہستہ پانی میں مکس ہوتا جا رہا ہو۔

منظر اس قدر خوبصورت تھا۔کہ فلک پلکیں بھی نہ جھپک پائی۔

آسمان کے دامن میں ابھی سورج پھوٹا بھی نہیں تھا۔لیکن اس کی آمد کی خبر آسمان دینے لگا تھا۔

اچھا ہے نا؟زین دیکھ سکتا تھا۔وہ کس سحر میں تھی۔زین بھی ہر روز ایسے ہی اس منظر کا دیوانہ ہو جایا کرتا تھا۔

ہاں بہت۔۔۔وہ مسکرائی۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

تو پھر کام ہوا تمہارا یا ابھی بھی کچھ باقی ہے؟

وہ دونو اب پگڈنڈی پہ پاؤں لٹکائے بیٹھ چکے تھے۔فلک نے زین سے پوچھا تو زین نے سر اثبات میں ہلایا۔وہ دونو سامنے دیکھ رہے تھے۔سورج نکل چُکا تھا۔اور دھوپ آہستہ آہستہ پھیلتی جا رہی تھی۔

ہو رہا ہے۔۔۔

تم نے بتایا نہیں تم ادھر کس کام کے سلسلے میں آئے تھے۔اب کی بار فلک

نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔تو وہ ہنس دیا۔

تھا ایک کام۔۔۔

جیسے؟

تھا بس۔۔۔اب تمہیں کیا بتاؤں۔

میری بلکنی پہ کیا کرنے آئے تھے؟

تم سے کس نے کہا۔میں وہاں آیا تھا؟اب کی بار زین نے دونو ابرو اُٹھائے۔فلک نے آنکھیں سکیڑیں۔

تم نے خود۔۔۔

میں نے تو یہ کہا تھا۔کہ شائد تمہاری بلکنی بند ہو۔

نہیں تم نے کہا تھا۔تمہاری بلکنی بند ہے۔اسے یاد تھا۔اسنے یہی کہا تھا۔زین نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

نہیں۔۔۔میں نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔میں نے کہا تھا۔شائد تمہاری بلکنی بند ہو۔

میں نے تم سے کہا تھا۔میں اب آئندہ کبھی تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں کروں گی۔تم جھوٹے ہو۔

وہ جھوٹ میں نے مصلیحتً بولا تھا۔

اچھا اور اس میں کیا مصلیحت ہے؟

مان کیوں نہیں جاتے۔کہ تم مجھ سے ملنے آؤ ہو۔اور تمہیں میرے کمرے کی بلکنی کے بند ہونے پہ خاصی مایوسی ہوئی ہے۔

تم پہ اثر ہو چُکا ہے۔۔۔اور اس کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔اب کی بار جھنجھلانے کی بار زین کی تھی۔وہ اُٹھا اور پکڑے جھاڑنے لگا۔

سُنو شرمندہ مت ہو۔کوئی بات نہیں ایسا ہو جاتا ہے۔اب فلک نے اس کی دم پہ پاؤں رکھ کر مسکراہٹ اُچھالی تھی۔زین نے بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور ایک افسوس بھری نظر اس پہ ڈالی۔

سورج کے نکلتے ہی خوشفہمی کے کیڑے تمہارے دماغ میں ناچ گانا کرنے لگتے ہیں۔میں سمجھ سکتا ہوں۔چلو آؤ۔۔۔ہاتھ پکڑاؤ۔میں تمہیں گھر چھوڑ دوں۔کہیں گھر کا رستہ نہ بھول جانا۔

کیا تمہیں کسی نے بتایا "تم بہت بدتمیز ہو"؟

ہاں تم نے۔۔۔مسکراہٹ اُچھالتے زین نے ہاتھ بڑھایا۔تو فلک نے نظر انداز کرتے ہوئے اُٹھ کر کپڑے جھاڑنے شروع کر دئے۔

وہ نہیں مانے گا وہ اس کے لئے آیا تھا وہ جانتی تھی۔بالکل ویسے ہی جیسے وہ

نہیں مان رہی تھی کہ وہ اس کے لئے تیار ہوئی وہ جانتا تھا۔

دونوں واپس پگڈنڈی پہ چلتے قدم اُٹھانے لگے۔اب فلک زین سے آگے تھی۔اور وہ زین ہی کی طرح اپنے قدموں کے نشان زین کے لئے پیچھے چھوڑتی جا رہی تھی۔جن پہ زین چل رہا تھا۔

سڑک پہ پہنچ کر فلک نے کسی خیال کے تحت مڑ کر اپنے اور زین کے قدموں کو دیکھا۔

وہ اسی کے قدموں پہ چل کے آیا تھا۔وہ دیکھ کر مسکرا دی۔

زین تیز تیز چلتا ذرا آگے نکل چکا تھا۔فلک نے بھاگ کر اس کے ساتھ قدم ملائے۔

NEW ERA MAGAZINE
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پہلے ایسے کتنی بار کر چکے ہو؟

کیا؟

یہی حویلی کی کھڑکیاں کتنی بار پھلانگ چکے ہو؟اب یہ مت کہنا کبھی نہیں کیا۔

اور تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں ایسا کروں گا؟مجھ جیسے ڈیسنٹ بندے کو یہ سب سوٹ نہیں کرتا۔

وہ اسے کبھی نہیں بتانے والا تھا۔کہ اس سے پہلے اسنے نمرہ اور عبداللہ کے کمرے کی کھڑکی پھلانگی تھی۔

کس لئے؟

شائد نمرہ کی سمارٹ واش میں ٹریکر لگانے کے لئے۔جس سے وہ بالکل انجان تھی۔

اسے ٹریکر کو نکالنے کے لئے دوبارہ کھڑکی پھلانگنی تھی۔وہ یہ بھی اسے کبھی نہیں بتانے والا تھا۔

سُنو؟

ہمم؟

وہ پیلے دوپٹے سے گھونگھٹ نکالے خاموشی سے بیٹھی تھی۔جب اس کے پہلو میں بیٹھے زین نے ذرا سا جھک کر اسے پکارہ۔آج ان دونو کی مہندی تھی۔اور چونکہ فلک خاموش تھی۔تو زین کو نہ جانے کیوں اس کی خاموشی چُبھ رہی تھی۔ایک تو سٹیج پہ چڑھ کر بیٹھنا اس کو عجیب محسوس ہو رہا تھا۔اور اوپر سے فلک ایسے بیٹھی تھی جیسے دونو ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہی نہ ہوں۔

تم آج بکل سرسوں کا پھول لگ رہی ہو؟چہرہ بھی زرد ہے؟ منہ تو دکھا دو۔اس کی جانب ذرا سا گھومتے اس نے اس کے چہرے سے اس کا زرد دوپٹا اُٹھانا چاہا تھا۔

خبردار جو تم نے میرے دوپٹے کو ہاتھ لگایا۔اور اگر اتنی ہی سرسوں کا پھول لگ رہی ہوں۔تو منع کر دو شادی سے۔۔۔

خیر اب اتنی بھی بُری نہیں لگ رہی۔کہ سیدھا شادی سے ہی انکار کر دوں۔اس کی جھنجھلاہٹ کو زین نے بہت انجوائے کیا تھا۔فلک نے دانت پیسے۔

اس وقت میری گردن میں شدید درد ہے زین۔تمہیں اللہ کا واسطہ اگر کچھ کرنا ہے۔تو کسی کو بلا دو۔مجھے کمرے میں جانا۔بد مزاجی کی وجہ تھکاوٹ تھی۔زین نے مسکراتے بالوں پہ ہاتھ پھیر کر سامنے دیکھا۔جہاں گاؤں ،زین کے خاندان اور فلک کے خاندان کے لوگ گھوم پھر رہے تھے۔وہ پھر اس کی جانب ذرا سا جُھکا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

وہ سب مصروف ہیں۔چھوڑو ان کو۔۔۔ہم اپنی بات کرتے ہیں۔ظاہر ہے۔وہ اسے اندر بلکل اندر بھیجنے والا نہیں تھا۔

ابھی نہیں زین۔۔۔پلیز بلاؤ ان کو۔مجھے اندر جانا ہے۔اس کی گردن اکڑنے والی تھی۔اور امی کی خاص ہدایات تھیں۔کہ فلک سر اُوپر نہیں اُٹھائے گی۔اور نہ ہی چہرے سے دوپٹا اُتارے۔اور دو گھنٹوں سے وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی اکڑ گئی تھی جیسے۔زین نے مسکراہٹ دبائی۔

کوئی بات نہیں۔تھوڑا سا برداشت کر لو۔اور یہ سب تو سب ہی لڑکیاں

برداشت کرتی ہیں۔تم کونسی انوکھی دُلہن ہو۔وہ اسے کب لتاڑنے سے باز آیا کرتا تھا۔فلک نے گہرہ سانس لیا۔اور پھر باوجود کان میں سُنائی دیتی امی سُلطان کی تاکید کے اس نے ایک جھٹکے سے چہرے سے دوپٹا اُتار پرے کیا۔اور گردن کو سیدھا کرکے دائیں بائیں ہلایا۔زین جو کہ اس کی حرکت پہ حیران تھا۔ایک دم سے چہرہ پیچھے پھینکے ہنس دیا۔جبکہ سامنے ہی کھڑی امی سُلطان نے غصے سے مُٹھیاں بھینچ لی تھیں۔

وہیں سامنے کھڑی گاؤں اور دور پار کی خاندان کی خواتین کانو کو ہاتھ لگانے لگی تھیں۔کہ کیسی اتھری دُلہن ہے۔ذرا جو اس میں تمیز لیحاظ ہو۔جبکہ دولہن صاحبہ سامنے دیکھے بغیر زین کھری کھری سُنانے میں مصروف تھی۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہلکے میوزک اور ڈھول تاشوں کی آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔تارا نے شیشے میں نظر آتے اپنے عکس کو دیکھا۔اور پھر گہرہ سانس لے کے ڈریسنگ ٹیبل کے دراز کھول کھول کر اپنا جولری باکس ڈھونڈنے لگی۔

وہ سیاہ لمبی مکسی میں تھی۔جس پہ سیاہ ہی رنگ کے پرلز اور سیاہ دھاگے کے نفیس کام نے مکسی کو خوبصورت بنا دیا تھا۔

اس کے لمبے بال بے پرواوئی سے دائیں کندھے پہ پڑ رہے تھے۔اور چہرہ کسی بھی قسم کی آرائش سے پاک بہت سنجیدہ تھا۔

درازیں کھولنے کے کشھ دیر بعد وہ سیدھی ہوئی تو اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی کا بکس تھا۔تارا شیشے کے سامنے سے ہٹی۔اور سیدھی بیڈ پہ جا بیٹھی۔

اس نے بکس کو پہلو میں رکھ کر ڈھکن کھولا اور ہاتھ ڈال کر اندر سے جولری نکالی۔

مختلف اقسام کے آویزے اور مالائیں،چینز اور نہ جانے کیا کیا اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔شادی کے بعد شائد پہلی بار وہ ایسی زیب و زینت کر رہی تھی۔

تارا نے ساری جولری کو بیڈ پہ رکھا اور ایک ایک کرکے دیکھنے لگی۔

اس نے سیاہ رنگ اور کوپر رنگ کے گول آویزے ساری جولری سے الگ کیئے۔اور ساتھ ہی کی ہم رنگ چند انگوٹھیاں انگلیوں میں پہن پہن کر دیکھنے لگی۔

اس کا تیار ہونے کا ذرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔مگر چچی جان اور امی کی خاص تاکید تھی۔کہ وہ خوب سج دھج کے شادی میں شرکت کرے۔وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی اسے دیکھ کر باتیں کرے۔

تارا نے گہرہ سانس لیا۔اور پھر بالوں کو پشت پہ گراتے کانوں میں آویزے پہننے لگی۔

حنان جس وقت کمرے میں آیا۔۔وہ کانوں میں آویزے پہن رہی تھی۔حنان

نے ایک نظر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔اور پھر غیر محسوس انداز میں قدم اُٹھاتا اس کی جانب بڑھا۔

کمرے کی تمام بتیاں روشن تھیں۔کھڑکیوں کے پردے ہٹے باہر کی تمام چکاچوند دکھا رہے تھے۔

وہ اس کے قدموں میں بیٹھا تو تارا کو حنان کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔تارا ڈر کر پیچھے ہٹی۔

کس کے سوگ پہ جو رہی ہو؟

اس کے ہاتھ کو پکڑ کر نرمی سے بوسہ لیتے۔اس نے مسکراتے پوچھا تھا۔تارا نے اپنا ہاتھ چھڑاوانے کی کوشش کی اور نہ کچھ جواب دیا۔بس خاموشی سے خالی نظروں سے حنان کو دیکھتی رہی۔

بولو بھی؟

کون مر گیا ہے جس کے گھر تم کالے کپڑے پہن کر جا رہی ہو؟

اب پھر مسکراتے اس نے اس کے دائیں کان میں پہنے آوزے کو پکڑ کر ہلکا سا جھلاتے پھر سے تارا کی خشک آنکھوں میں جھنکا تو تارا نے نظر پھیر لی۔

آپ نیچے کیوں بیٹھے ہیں؟اوپر بیٹھیں اچھا نہیں لگ رہا۔سرد مہر آواز میں اس نے کہا تو حنان ہنس دیا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Arsdnd|Articles|Books|Poetry|Interviews

کس کو اچھا نہیں لگ رہا؟

تارا خاموش رہی۔۔۔

تم یہی تو چاہتی تھی۔کہ میں تمہارے قدموں میں بیٹھوں۔تم سے کہوں کہ تارا حنان احمد تم سے محبت کرتا ہے۔تو اب بتاؤ۔کس کو بُرا لگے گا؟

تمہیں؟

لیکن کیوں؟

کیا چاہتی ہو اب۔۔۔کیا کروں ایسا کہ تم واپس میرے پاس آ جاؤ؟

کیا تم جو میرے ساتھ کر رہی ہو۔یہ سب کرنے کا میرا حق نہیں تھا؟ایک ساتھ کئی سوال پوچھ کر وہ اب اس کے سوالوں کا منتظر تھا۔تارا نے گہرہ سانس لیا۔

حنان اُٹھیں۔۔۔مجھے باہر جانا ہے۔وہ اس کے کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔

نہیں پہلے بتاؤ۔وہ اڑ گیا۔

حنان میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔مجھے رستہ دیں مجھے باہر جانا ہے۔اب کی بار تارا نے بھی سختی سے کہا تھا۔حنان نے بس دیکھتا رہ گیا۔

تم نے کہا تھا تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔

کرتی تھی۔۔۔تارا نے تیزی سے درستگی کی۔حنان مسکرایا۔

تو پھر یہ کیسی محبت تھی جو لمحوں میں چند ہی ہوا کے جھونکوں کے ساتھ کہیں دور جا اُڑی؟کیا میں یہ سمجھوں کہ تمہاری محبت بھی میری محبت جیسی تھی؟خودغرض خود پرست؟وہ تو ایسے بول گیا تھا جیسے پانی پہاڑوں سے گزر جاتا ہے۔مگر اس کے الفاظ تارا کی ہڈیوں میں سراخ کر گئے تھے۔

خود غرض؟

خود پرست؟

تمہیں کوئی حق نہیں ہے حنان کہ تم میری محبت کا مزاق ایسے بناؤ۔میں نے تمہای ڈانٹ پھٹکار اس لئے نہیں سہی تھی۔کہ آخر میں تم مجھے آخر میں ایسے الفاظ سے نوازو اور میری محبت کی توہین کرو۔اس آنکھیں تیزی سے آنسوں سے بھرنے لگی تھیں۔حنان نے چہرہ جھکا لیا۔

تارا میں جانتا ہوں۔میں نے تم پہ ہاتھ اُٹھا کر تم پہ فسٹریشن نکال کر غلط کیا۔۔۔میں اس پہ شرمندہ بھی ہوں۔لیکن تم جانتی ہو۔ماضی میں جو کچھ بھی ہوا۔اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔میں ہر چیز کو اپنے ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بےچین اور اتنا پریشان تھا۔کہ مجھے اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آیا کہ تم پہ ہاتھ اُٹھاؤں۔

چیزیں نہیں حنان فلک۔۔۔فلک کو جاتا دیکھ کر تم سے برداشت نہیں ہوا۔اور تم بھول گئے۔کہ تم ایک مرد ہو۔جو کبھی عورت پہ ہاتھ اُٹھانے کو بُرا سمجھتا تھا۔تارا نے لمحوں میں اس کی بات رد کی تھی۔حنان نے سر اثبات میں ہلایا۔

ہاں فلک کے جانے پہ مجھے دُکھ تھا۔لیکن اب تمہارے دور جانے پہ میں اس سے بھی زیادہ پریشان ہوں تارا۔پلیز۔۔۔پلیز سمجھو۔معاف کر دو مجھے۔میں شرمندہ ہوں۔اب کی بار اس نے ہاتھ جوڑ لئے تھے۔

اور موم کی طرح پگھلنا کیا ہوتا ہے۔اس کا اندازہ تارا کو پہلی بار ہوا تھا۔حنان کے لہجے کی شرمندگی۔۔۔اس کی اُداسی اور اس کا ہاتھ جوڑنا سب تارا کو ایک جھٹکے سے اس کی انا سمیت زمیں بوس کر گیا تھا۔اسے کب منظور تھا۔کہ اس کا محبوب شوہر اس کے سامنے گھٹنو کے بل بیٹھ کر معافی مانگے۔

اگر وہاں حنان کی جگہ کوئی اور ہوتا۔تو وہ شائد کبھی معاف نہ کرتی۔لیکن وہ تو کوئی اور نہیں خود حنان تھا۔ایک شخص جس سے اس نے ہمیشہ محبت کی تھی۔وہ اس کی شرمندگی دیکھ کر ہی مان گئی تھی۔عورتیں ہر کسی کو اپنے پہ ظلم کرنے کے بعد معاف نہیں کرتیں۔۔مگر بس اسے جس سے انہیں محبت ہو۔

تارا نے اس کے ہاتھ نیچے کر دیے۔

میں نے آپ کو معاف کیا۔پلیز نیچے سے اُٹھ جائیں۔۔۔

دل سے کہہ رہی ہو؟وہ اتنی جلدی مان جائے گی۔۔۔اسے یقین نہیں آیا تھا۔

دل کی ماننے کے علاوہ اور میرے پاس کوئی چارا نہیں ہے۔لیکن حنان اس بار میں نے دل کی مان لی۔۔۔ضروری نہیں اگلی بار بھی مان جاؤں۔وہ دوبارہ سے مان اور محبت کا ٹاور تعمیر کرنے کی خواہش کرنے لگی تھی۔حنان نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

اب ایسا موقع نہیں آئے گا۔حنان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جزبے کے عالم میں کہا۔تو تارا نے بس مسکراتے ہوئے نم آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

آخر کار اس کی کشتی کو بھی ساحل مل ہی گیا تھا۔

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہلکی ہوا کے ساتھ اُڑتی دھول نے آسمان کا رنگ بدل دیا تھا۔نمرہ گاڑی سے نکلی اور مضبوط چال چلتی۔۔۔تھانے کی جانب قدم بڑھانے لگی۔اس کے سر پہ سیاہ سکارف تھا۔۔۔جہاں سے کچھ لٹیں نکلیتی اس کے گالوں پہ پڑ رہی تھیں۔اور آنکھوں پہ سیاہ چشمہ جس نے اس کی آنکھوں کو دھول سے بچا رکھا تھا۔

وہ تھانے کے گیٹ کی جانب بڑھی تو گارڈ نے آنکھیں میچ کر اسے دیکھا۔اور پھر کچھ اس کی شخصیت کے سحر میں کوئی بھی سوال کئے بغیر گیٹ کا پٹ وا

کر دیا۔

وہ بڑی تمکنت سے چلتی لمبے تھانے کے صحن سے ہوتی ایک لمبے برامدے میں جا پہنچی۔۔۔جہاں سامنے کی جانب کئی کمرے تھے۔۔۔وہ چلتی ایک کمرے کی جانب بڑھی۔۔۔اس کی فارمل ہیل کی ٹک ٹک اس عجیب سے مجرم ماحول میں ایک رعب سا لئے ہوئی تھی۔

کمرے سے کچھ دیر بعد نمرہ نکلی تو اب کی بار اس کے ساتھ ایک پولیس والا تھا۔وہ نمرہ کے آگے آگے چل رہا تھا۔

نمرہ اور وہ دونو ایک دوسرے کی میت میں برامدے کے آخر میں پہنچے اور پھر رخ موڑ کر سیاہ کوٹھڑیوں کی طرف آ گئے۔قیدی کھوٹھڑیوں کی کھڑکیوں سے جھانکتے اس آنے والی کو دیکھ رہے تھے۔جس کے کے دونو ہاتھ آپس میں جُڑے تھے۔اور وہ بہت عتماد سے چل رہی تھی۔

اس طرف میڈم۔۔۔پولیش والے نے ایک کوٹھڑی کے سامنے رُک کر نمرہ کو کہا تو نمرہ رک گئی۔

اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔اور خود سامنے سے ہٹ گیا۔

کھوٹھڑی باہر سے جیسی خوفناک تھی اندر سے ویسی نہیں تھی۔

ایک سامنے کمرہ تھا۔لیکن اس سے پہلے ایک دو کرسیاں اور بیچ میں ایک پلاسٹ

میز رکھی تھی۔اوپر ایک بلب ٹنگا تھا۔اور وہیں اسی طرف کونے میں ایک طرف ایک پولیس والا بیٹھا تھا۔وہ فون پہ مصروف تھا۔نمرہ کو دیکھا تو فوراً سیدھا ہوا۔

آئیں میڈم بیٹھیں۔۔۔میں ابھی ضیاء آفندی کو بلاتا ہوں۔۔۔

اس سے قبل کہ نمرہ کچھ تاثر دیتی وہ خود ہی اس کمرے کی جانب بڑھا جو سامنے نظر آ رہا تھا۔

نمرہ پرسوچ نظروں سے اس طرف دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

اس نے جیسا سوچا تھا یہ کوٹھڑی ویسی بلکل نہیں تھی۔شائد اس لئے کہ ضیاء آفندی باوجود قاتل اور کرپٹ ہونے کے وی وی آئی پی تھا۔نمرہ نے گہرہ سانس لے کے پشت کرسی سے ٹکا لی۔

ابھی اسے چھت اور دیواروں کو دیکھتے اتنا وقت نہیں گزرا تھا۔جب اسے پاؤں گھسیٹ کر چلتے اور ساتھ ہی بھاری بوٹوں کی آواز سُنائی دی۔

نمرہ نے آواز کی سمت دیکھا۔اور پھر جیسے اس کی خشک آنکھیں لمحوں میں نم ہونے لگیں۔۔۔

خاکی رنگ شلوار قمیض میں سفید ہوتے بالوں کے ساتھ کافی حد تک کمزور لنگڑا کر چلتے ضیاء آفندی تھے۔نمرہ اپنی جگہ سے نہیں اُٹھی یہاں تک کے وہ اسکے سامنے آ بیٹھے۔

تم یہاں؟

اسے دیکھتے ہی انہیں حیرت ہوئی تھی۔وہ ان سے ملنے پہلی بار آئی تھی۔مگر ماحول سے اس کی شناسائی لگتا تھا۔کافی پُرانی تھی۔

ہاں میں۔۔۔دل تو چاہ رہا تھا۔آپ کا کبھی چہرہ بھی نہ دیکھوں۔لیکن۔۔۔وہ سامنے کو ہو کر بیٹھی۔

لیکن ایک سوال ہے۔جو دل میں کچھ دنوں سے آ رہا ہے۔وہ سوال تنگ اتنا کر رہا ہے۔کہ اس کو مزید اپنے دل میں رکھنا میرے لئے ناممکن تھا۔سو وہی پوچھنے آئی ہوں۔

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

پوچھو۔۔۔اُنہوں نے اب کی کی بار ناک سے مکھی اُڑائی تھی۔اس کا آنا انہیں ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔شائد وہ اسی اُمید تھے وہ دوبارہ باہر نکل آئیں گے۔اور

انہیں کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔

آپ نے جو بھی ماضی میں کیا۔۔۔کیا آپ کو اس سب پہ ذرا۔۔۔ذرا سی بھی شرمندگی ہے؟

کبھی آپ کسی لمحے میں اپنے آپ پہ اپنے ہونے پہ شرمندہ ہوئے؟

اگر تم یہ سوال جہاں آرا کے حوالے سے پوچھ رہی ہو۔تو نہیں۔۔۔

وہ جو ڈزرو کرتی تھی۔اسے وہی ملا۔ان کے لہجے میں شدید نفرت تھی۔نمرہ نے

کوئی سوال نہیں کیا۔واپس پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔

انہیں واپس لے جاؤ۔اور میری اگلے قیدی سے مُلاقات کرواؤ۔اس کے لہجے میں نہ تو مان ٹوٹنے کا دُکھ تھا۔اور نہ کوئی تکلیف۔جو نمی تھی۔اسے اس نے گلے میں اُتار لیا تھا۔

پولیس والے نے جب ضیاء آفندی کو پکڑا۔۔تب نمرہ نے صرف ایک لفظ کہا تھا۔

ضیاء صاحب جو اب آپ کے ساتھ ہوگا۔وہ آپ ڈزرو کرتے ہیں۔اللہ حافظ۔یہ آپ کی اور میری پہلی اور آخری مُلاقات تھی۔

اب اسے شہروز اکرام سے ملنا تھا۔اور اس شخص سے تو اسے اتنی نفرت تھی۔کہ شائد وہ کبھی لفظوں میں بیان کر پاتی۔

اسی نفرت کو اسے اس شخص کے اندر اُتارنا تھا۔

❤ختم شدہ❤

NEW ERA MAGAZINE .com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews

ہماری ویب میں شایع ہونے والے ناولز کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہیں۔

ہمیں اپنی ویب نیوایرا میگزین (New Era Magazine) کیلئے لکھاریوں کی ضرورت ہے۔اگرآپ ہماری ویب پر اپناناول۔ناولٹ۔افسانہ۔کالم۔آرٹیکل۔شاعری۔ پوسٹ کروانا چاہیں تو اردو میں ٹائپ کرکے مندرجہ ذیل ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔

(Neramag@gmail.com)

انشااللہ آپ کی تحریر ایک ہفتے کے اندراندر ویب پر پوسٹ کردی جائے گی۔مزید تفصیلات کیلئے اوپر دیئے گئے رابطے کے ذرائع کا استعمال کر سکتے ہیں۔

شکریہ ادارہ: نیوایرا میگزین

NEW ERA MAGAZINE.com
Novels|Afsana|Articles|Books|Poetry|Interviews